

شرح دیوان غالب

ناصر دہلوی

پی ڈی ایف اہتمام : غلام مصطفیٰ داکٹر



شرح
دیوانِ غالب

سید محمد الیاس ناصر دہلوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب کا نام	شارح دیوان غالب
مصنف	سید محمد الیاس ناصر دہلوی
ناشر	گلزار احمد
مطبع	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
خطاطی	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
رورق	خالد محمود اعوان
سال اشاعت	خالد محمود اعوان
قیمت اندرون پاکستان	اپریل ۲۰۰۷ء
قیمت بیرونی ممالک سے	۲۵۰ روپے
	۵.۵۰ پاؤنڈ یا ۱۰ ڈالرز

☆ ملنے کے چے ☆

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور فون: 7352332-7232336

معرفت سینالیہارٹریز، 16 اسے چوہان روڈ، اسلام پورہ، لاہور

انتاب

میں اپنی اس شرح دیوان غالب کو استاذی الکریم والمہترم جناب
 سید سلیم شاہ جہانپوری، حضرت قبلہ حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہ جہانپوری
 (نور اللہ مرقدہ) اپنے بڑے بھائی سید محمد اسحاق خان شہرہ اپنی پیاری بیگم
 فاطمہ ناصرہ زبنت، بزرگ ریاض النصاب (مرحوم و مغفور) اپنی پیاری والدہ رشیدہ بیگم
 غفر اللہ لہا بخت سید نظیر علی (مرحوم و مغفور) اپنے والد سید محمد ابراہیم خاں صاحب
 (غفر اللہ لہ) اپنے بیٹوں بیٹوں سید محمد عارف ناصر، بیرسٹر سید محمد صالح ناصر
 بیرسٹر سید محمد شعیب ناصر، ڈاکٹر اپنی دونوں بیٹیوں عزیزہ امت الشانی بیرسٹر عزیزہ
 اسماء شیریں بیرسٹر، ڈاکٹر عمران رفیع، اپنے پوتوں، پوتیوں اپنے نواسہ ضمیر موسیٰ اور
 اپنی نواسی مدحیہ اور اپنے پیارے اور عزیز منہ بوسے بھائی محمد رحیم فیض کے
 پیارے ناموں کے ساتھ منسوب کرنے میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں۔

و دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مخدوم و محسن حضرت مختار شاہ جہانپوری اور میرے
 مرحوم والدین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام قرب سے
 نوازے نیز میری تمام اولاد کو فلاح دارین عطا فرمائے اور سب کو اپنی رضا
 کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے اور قدم قدم پر ان کی دستگیری فرمائے اور
 ہر حال میں ان کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

سید محمد الیاس ناصر دہلوی

عرض حال

مرزا غالب مرحوم دنیا نے ادب کے وہ باکمال شاعر ہیں جن کا ثانی اردو ادب میں آج تک پیدا نہیں ہوا۔ آئندہ کے متعلق سولے اللہ تبارک تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا لیکن بالفرض کوئی پیدا ہو بھی جائے تو ایسی شہرت و عزت یکدم حاصل نہیں کر سکے گا۔ مرزا غالب کے تخیل کی بلندی، تصور کی اطاعت، بلند پروازی، فصیح و بلیغ انشا پر وازی، پر حکمت معنی آفرینی اور فلسفہ و تصوف کے گہرے رنگ اس دور کے شراب بغزل کو کس شیشے میں ڈال کر میکہ مغزل میں پیش کرے گا اور یہ بقالے دوام جو مرزا غالب کو حاصل ہو چکا کیسے چھپے چھوڑے گا۔ مرزا غالب کا اردو فارسی کلام بلا تردید غالب ہے آپ کے تخیل اور تصور کا احاطہ کرنا نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے۔ ہاں الفاظ کی قید و بند میں رہ کر سخن و فہم کے لیے کچھ اچکا لینا ممکن ہے جو کچھ اس ناچیز نے حاصل کر لیا ہے وہ ناظرین کے پیش خدمت ہے۔ خاکسار اپنے متعلق "کلام ناصر" میں بہت کچھ لکھ چکا ہے لہذا یہاں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا۔ شرح دیوان غالب کے متعلق اتنا عرض کرنا غیر ضروری نہ ہو گا کہ کلام غالب کو سمجھنے کی کوشش بچپن سے ہی تھی۔ یہ میرا ذوق و شوق بعض تاریخین کے لئے موجب حیرت ہو گا کہ کم سنی میں غالب کو پڑھنے سمجھنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ یہ ہے تو عجیب و غریب بات مگر امر واقعہ یہی ہے۔ میری عمر سات یا آٹھ برس کی ہو گی کہ میں نے اپنی پیاری والدہ مرحومہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شعر و شاعری کا شوق زبان یعنی اردو سیکھنے کے لئے بہت اچھا ہے۔ کچھ ایسے ہی مفہوم کے الفاظ تھے جو والدہ مرحومہ کسی سے کہہ رہی تھیں۔ پھر کیا تھا ہمارے شوق کو پُر نگ گئے اور ہم بازار میں کتابوں کی ایک دکان پر پہنچے اور اپنا مدعا کتب فروش کو بتایا جس پر کتب فروش نے پوچھا کہ بخود دار آپ

کے پاس کتنے پیسے ہیں۔ ہم نے جو کچھ ہماری جیب میں تھا اُس کی نذر کر دیا۔ جس پر اُس نے غالباً پرانی غیر معیہ دیوان غالب کی ایک کاپی ہمارے حوالہ کر دی۔ ہم گھر آئے اور غالباً کو ٹھے پر جا کر پہلی بار کلام غالب پڑھنا شروع کیا۔ مگر پتے کچھ نہیں پڑا چونکہ الفاظ ثقیل تھے اور روزمرہ کی زبان سے مختلف ہو چکا کہ اردو کی لغت ہو تو پھر کام نکلے گا۔ غالباً گھر ہی ہیں۔ سے کوئی چھوٹی سی لغت مل گئی جس میں الفاظ کے معنی تلاش کرنے شروع کئے۔ لیکن پھر بھی کچھ زیادہ پتے نہیں پڑا۔ مگر بہت نہیں ہاری۔ نہ جانے کتنے عرصہ بعد کسی قدر سمجھ میں آیا اور اس میں ایک خاص لطف دسور تھا جس کی وجہ سے ہم دیوان غالب سے ساری عمر چٹے رہے۔ حتیٰ کہ جب بغرض اعلیٰ تعلیم ہالینڈ سے جوتے ہوئے انگلینڈ آئے تو قرآن کریم اور دیوان غالب ہمارے رخت سفر کی زینت تھے۔ جب کبھی انگریزی لکھنے پڑھنے سے طبیعت اکتا جاتی تو دیوان غالب اٹھاتے اور ایک دنغیر ٹیڑھ کر اپنی روح میں تروتازگی پیدا کر لیتے۔ ۱۹۵۷ء سے لندن میں مستقل قیام رہا۔ البتہ تقریباً ہر سال پاکستان کا دورہ کرتے رہے اور اپنے والدین بھائیوں اور عزیز واقارب سے مل آتے۔ اب بھی یہی دستور زندگی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں حضرت سلیم شاہ چمنپوری سے پہلی دفعہ ملاقات لندن کے ایک مشاعرہ میں ہوئی۔ دوران گفتگو بہت سی عزیزداریاں نکل آئیں۔ انتخاب کیلیفورنیا چلے گئے لیکن باہم خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جب انتخاب کیلیفورنیا سے واپس پاکستان آنے لگے تو خاکسار کے پاس ایک ہفتہ قیام کا وعدہ بھی پورا کیا۔ ان ہی دنوں ہماری چھوٹی بیٹی اسماعیلیہ کی شادی تھی۔ میری بیگم اور میں نے انتخاب سے چائے کے وقت کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری بیٹی کے لئے سہرا کہہ دیں۔ مگر اب وقت غنڈا ہے۔ فرمایا کیوں نہیں ہیں کاغذ قلم دو ہم ابھی لکھتے ہیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اکتیس اشعار پر مشتمل بہت عمدہ سہرا لکھ دیا۔ میری حیرت و استعجاب کی انتہا نہ پوچھے دل ہی دل میں کہتا تھا کہ اللہ اللہ۔ آج بھی ایسی بالکال بستیاں ہم میں موجود ہیں جو قلم برداشتہ نظم بھی اس طرح لکھ لیتے ہیں کہ ہم نثر میں بھی نہیں لکھ پاتے۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی دامن گیر ہوا کہ کیوں نہ شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھ کر انتخاب سے اصلاح لی جائے۔ اب امر حرم بھی شعر کہہ لیتے تھے۔ ایک دادا بھی شاعر تھے اور

میرے بڑے بھائی محمد اسحق شوریٰ بھی بہت عمدہ کہنے والے ہیں۔ اس طرح بچپن سے جو شعرو شاعری کا شوق ہے وہ بھی آگے بڑھے گا۔ پھر کیا تھا ہم نے آنجناب سے درخواست کی جس کو آپ نے نہ صرف قبول کیا بلکہ حوصلہ افزائی بھی کی۔ (الحمد للہ) اس تھوڑے سے عرصہ میں آج خاکسار نہ صرف صاحب دیوان شاعر ہے بلکہ بقول استاد محترم صنفِ اول کا شاعر ہے۔ سخن فہم حلقہ میں خاکسار کو غزلوں کو پسند کیا جاتا ہے۔ چند جریدے خود ہی کچھ نہ کچھ خاکسار کا کلام چھاپتے رہتے ہیں۔ تقریباً چالیس غزلیں مرزا غالب کی زمین میں بھی کہی جا چکی ہیں۔ اب حضرت سلیم صاحب نہ صرف میرے استاد محترم ہیں بلکہ انہوں نے ازراہ شفقت مجھے اپنا برادرِ خرد بھی بنالیا۔ ایک ملاقات میں اس عاجز نے آنجناب سے یہ عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں دیوانِ غالب کی شرح لکھوں۔ فرمانے لگے ضرور لکھو مگر بغیر تشریح پڑھے ہوئے نہیں نے عرض کیا کہ لندن میں کوئی شرح دستیاب نہیں ہے اور نہ میں دسروں جیسی شرح لکھنا چاہتا ہوں۔ میری سخن فہم غالب کے کلام کی بہت مختلف ہے۔ میں فصاحت و بلاغت کی لمبی چوڑی بحثوں میں پڑ کر شرح لکھنا نہیں چاہتا بلکہ ایک ایسی شرح لکھنا چاہتا ہوں کہ پڑھنے والے غالب کے کلام کی تہ تک پہنچ جائیں اور وہ لطف اندوز بھی ہوں۔ لہذا کچھ عرصہ بعد میں نے نمونہ پچاس غزلوں کی شرح لکھ کر پیش خدمت کر دی۔ کافی عرصہ کے بعد حضرت سلیم صاحب استاد محترم نے شرح کے متعلق یہ لکھا۔

”میرے پیداے بھائی آپ تو چھپے ہوئے رستم نکلے ہیں۔ میں نے جب آپ کی دیوانِ غالب کی شرح کا مطالعہ شروع کیا تو حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا۔ ماشاء اللہ آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں جو مطالب بیان کئے ہیں وہ آپ کی تشریحات کو ایک منفرد مقام کا حامل بنا دیتی ہیں۔ میں نے غالب کے کلام کی کئی شرحیں مطالعہ کی ہیں لیکن آپ کا تو رنگ ہی سب سے جدا نظر آتا ہے۔ آپ کی تشریحات و توجیحات دعوتِ غور و فکر دیتی ہیں اور یہ سب قرآن کریم کی تفسیر اور حقیقی اسلام کے علم کلام کی برکت ہے۔ ماشاء اللہ زورِ قلم اور زیادہ ہو۔ آپ اس سلسلہ کو جاری کریں۔“

لہذا حسب ارشاد استاد محترم ہم نے شرح دیوان غالب مکمل کر کے پیش خدمت کر دی۔
 جن امور کی میں نے سختی سے پابندی کی ان میں سب سے اول یہ تھی کہ الفاظ کی حدود سے باہر قدم
 نہیں رکھنا۔ بہن معنی و مطالب کے الفاظ شعر حائل نہیں ہو سکتے وہ طلب قطعی بیان نہیں کرنا۔ الفاظ
 کی قیدیں رہتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ معنی حسب مراتب مرزا غالب کے ہیں۔ والحمد للہ۔
 دوئم مرزا غالب کی اردو فارسی اور عربی پر عبور حاصل ہونے کی اعلیٰ صلاحیتوں کو پیش نظر رکھا اور
 ان کی سخی زندگی کے ہر پہلو کو سامنے رکھا۔ ان کی عربی دانی سے عام طبقہ واقف نہیں لیکن حقیقت
 ہے کہ انہیں عربی زبان پر بھی اتنا ہی عبور حاصل تھا جتنا کہ اردو اور فارسی پر۔ ان کی عربی زبان کی شہور
 لذت قاطع برہان اس بات کی سند ہے کہ انہیں قرآن و تفاسیر اور اسلامی علم کلام پر عبور حاصل
 تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غالب وہ مکتبیں بیان کر گئے جن کا اکثر و بیشتر آج کل کے نام نہاد علماء کو
 ہسی پتہ نہیں۔ ایسی مکتبیں اللہ تعالیٰ کسی کو عطا نہیں کرتے جب تک کسی کے دل کے کسی گوشہ میں
 نیکی کا عنصر نہ ہو۔ زندگی کا یہ پہلو وہ چھپاتے رہے شاید اس کی ایک وجہ ان کی بادہ نوشی ہو۔
 ان کے کلام کے فہم سے یہ حقیقت بہت نمایاں ہے کہ ان کا محبوب کوئی دنیاوی محبوب نہیں کیونکہ
 اپنے محبوب کی جو صفات وہ بیان کرتے ہیں وہ ازل ابدی لا محدود ہیں اور ان صفات کا مالک
 صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ غلطی طور پر تمام صفات الہیہ کے
 حامل ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے مرزا صاحب کی شادی
 ان کی نو عمری میں ہوئی۔ آٹھ نوپے پیدا ہوئے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ مگر مرزا نے کبھی دوسری شادی
 کا خیال ہی نہ کیا۔ لہذا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان کا محبوب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تھا جس کو
 وہ ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ نیز اردو میں غزل غزل ہی نہیں رہتی وہ یا تو حمد ہو جیسے گی یا
 نعت۔ لیکن مرزا غالب کی بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ غزل ہی میں وہ سب کچھ بیان کر جاتے ہیں جس
 کا تصور بھی ایک حمد و نعت لکھنے والا شاعر نہیں کر سکتا۔ مرزا غالب کے مقام کا تعین کرنا ہر کس فاکس
 کے بس کی بات نہیں۔ میر تقی میر اردو زبان کے میر قافلہ شمار کئے جاتے ہیں۔ اردو زبان کو نکھارنے اور

سنوارنے میں اُن کا بڑا ہاتھ ہے لیکن غالب نے زبان کی شہرہ کو ایک ہیا مڑ دیا جس کی مثل متقدّمین میں ملتی ہے نہ متاخرین میں۔ انہوں نے اُردو زبان میں تصوف اور فلسفہ کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا جس کا جواب کسی شاعر نے کیا دینا تھا وہ اُس کے فلسفہ کی گروتھ کو نہ پاسکے۔

۱۹۵۰ء و ۱۹۵۱ء کی بات ہے میرے ایک دوست عاشق بن صوفی مرحوم نے قبلہ حافظ مختار احمد صاحب شاہچہانپوری مرحوم سے سوال کیا کہ غالب کا اُردو فارسی میں کیا مقام ہے۔ فرمایا "اس کا مرغِ خیل جہاں پرواز کرتا اور لہر لیتا ہے اس بلندی پر دوسرے پر بھی نہیں مار سکتے۔ موصوف خود اُردو میں وہ مقام رکھتے تھے کہ جب حضرت داغ دہلوی نے آپ کا واسوخت پڑھا تو ان الفاظ میں غراجِ تحسین پیش کیا۔

"میں اس تو مشقی میں آپ کو ایک کہنہ شق شاعر ہونے کی داد دیتا ہوں۔" قبلہ حافظ صاحب داغ کے ہم عصر شاعر حضرت امیر مینائیؒ کے شاگرد تھے میں نے جو کچھ سمجھا اور جس طرح شرح لکھی ان میں ہمیشہ یہ تین اشعار پیش نظر رہے۔

۱۔ یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

۲۔ ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

۳۔ یہ مسائلِ تصوف، یہ تیرا بیانِ غالب
تجھے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادہِ خوار ہوتا
میں قارئین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ بھی میرے نقطہ نظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے میری شرح کا مطالعہ فرمائیں تاکہ غالب کو سمجھنے میں میرے پیش کردہ نقطہ نظر سے مدد ملے اور اس زاویہ سے بھی غالب شناسی کا حق ادا ہو جائے۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرزا غالب کا مُرخ تخیل بہت بلندی پر پرواز کرتا ہے۔ لہذا عام معنی اُن کے اشعار کے کرنا سراسر زنا انصافی ہے جن لوگوں نے اُن کے اشعار کو سطحی نظر سے دیکھا وہ سمجھ نہ پائے۔ اسی لئے ان کے کلام پر مشکل اور مہل ہونے کا ٹیپہ لگا دیا۔ دراصل میں مروجہ نقطہ نظر سے ہٹ کر ان کے کلام کو تصوف اور فلسفی زاویہ نگاہ سے پرکھنا چاہیئے مجھے یقین اور بھروسہ ہے کہ ناقدین اور تبصرہ نگار میری تائید کریں گے اور اس طرح میری شرح خاص و عام میں مقبول ہوگی آخر میں میں ان تمام اجاب کا اور خاص طور پر اپنے استاذی المکرم جناب سید محمد میاں نسیم شاہ جہانپوری صاحب کا بے حد احسان مند اور جناب خالد محمود اعوان کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ شرح حسبِ غشا تحریر کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

احقر العباد
سید محمد الیاس ناصر دہلوی
مقیم لندن
۱۶ مئی ۲۰۰۳ء

تبصرے

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے محض اپنے فضل سے شرح دیوان غالب کے لکھنے کی توفیق عطا کی۔ اگر میرے استاد محترم میری حوصلہ افزائی نہ کرتے تو شاید مجھ ناچیز کو جو وطن سے دور اور دنیاوی اشغال میں ہمہ تن مصروف اس کے لکھنے کی جرأت اور ہمت نہ ہوتی۔ اب جبکہ بہت سے تبصرے شعراء کرام کے اور اخبارات، رسائل کے آچکے ہیں یہ سب میرے لئے باعث مسرت ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شرح دیوان غالب کو ہمیشہ مقبول خاص و عام بنائے رکھے باوجود اس کے کہ شرح دیوان غالب بہت تھوڑی تعداد میں چھپی تھی اور اس کی ترسیل و تقسیم کے لئے کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا۔ سوائے چند کاپیاں شرح دیوان غالب جو دو چار اخباروں اور چیدہ چیدہ رسائل کو برائے تبصرہ دی گئیں تھیں۔ نیز کچھ اپنے دوست احباب کو بھی جن کے علم میں تھا کہ ہم شرح دیوان غالب مرتب کر رہے ہیں اور نہ ہی ہم کسی ناشر کے پاس گئے اور نہ ہی اب تک شرح دیوان غالب کتب فروشوں کی دکان کی زینت بنی۔ دراصل ان تمام باتوں کی وجہ میں جناب اسلم نرخی صاحب کی رائے کار فرما تھی۔ جب ہم آنجناب سے مشورہ کرنے گئے کہ کتاب پر تبصرہ لکھنے کے لئے کس کس اشخاص کو چنا جائے اور پورے سودہ کی فوٹو کاپی کرائی جائیں۔ یا نمونہ کے طور پر کچھ حصہ فراہم کر دیا جائے۔ آنجناب نے فرمایا ”بعض مصنف پہلے ہی کسی کو دکھا کر تبصرہ حاصل کر لیتے ہیں اور پھر وہ مستقل کتاب کا حصہ ہو جاتا ہے لیکن میں ایسا کرنا پسند نہیں کرتا چونکہ بعض قارئین ایسا کرنے سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ کتاب اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ مشہور و معروف تبصرہ نگاروں کی بدولت چل نکلی ہے لہذا میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ آپ کتاب پہلے تھوڑی تعداد میں چھپوائیں اور ان شخصیتوں کو جن کو آپ چاہیں

کتاب پہنچا دیں۔ اسی طرح چند اخبارات اور رسائل کو بھی بودہ ازاں وہ تبصرے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر لیں۔ اس سے آپ کو اپنی (شرح دیوان غالب) کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہو جائے گا اور پھر ترسیل و تقسیم میں مدد بھی ملے گی۔“ ہم نے آنجناب کے مشورے کو مفید جانا اور عمل کیا۔ البتہ وہ تبصرہ جو میرے استاد محترم لکھ چکے تھے اور اس کی کتابت ہو گئی تھی وہ کتاب کا حصہ بن چکا تھا رہنے دیا۔ اب جبکہ غیر جانبدار شخصیات اور رسائل و اخبارات کے بہت سے تبصرے آگئے ہیں ہم اس ایڈیشن میں استاد محترم کا تبصرہ نہیں چھاپ رہے ہاں جس قدر اس تبصرہ کے اوراق ہیں ہم دوسرے تبصرے قارئین کے لیے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کے دل میں جانبداری کا خیال نہ آئے اور وہ شرح دیوان غالب کی حقیقی قدر و قیمت جان لیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہماری توقع سے کہیں زیادہ ارباب علم و فضل کے تبصروں سے ہمیں نوازا ہے جس میں سے دو تین تبصروں کا خلاصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔ بہت سے دوست احباب نے بذریعہ خطوط اور ٹیلی فون پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی دلجوئی کے لیے ہم سب تو نہیں البتہ دو چار جملے لکھ رہے ہیں چونکہ ہمارے پاس صرف تین چار صفحات ہیں۔

سب سے پہلے جو تبصرہ منظر عام پر آیا وہ ”قومی زبان“ ماہنامہ انجمن ترقی اردو کراچی مرکزیہ کا ہے۔ اس نے اپنی اشاعت ستمبر ۲۰۰۳ء میں دو صفحات پر مشتمل تبصرہ کیا جس میں سے خاص خاص باتیں ہم قارئین کے لئے نقل کرتے ہیں۔

”ناصر دہلوی صاحب کا تعلق غالب کے وطن دہلی سے ہے۔ موصوف کو غالب سے بے حد عقیدت و ارادت کا حال جو اپنے دیباچہ یعنی عرض، حال میں خود لکھا ہے جو کہ انہیں بچپن سے غائب سے ہے۔ ناصر دہلوی صاحب کو مذہب سے، اردو ادب سے محبت و رش میں ملی ہے۔ ناصر صاحب نے جس طرح غالب کے اشعار کو سمجھا ہے کم و کاست ضبط تحریر میں لاتے چلے گئے۔ یہ شرحیں خالص ناصر دہلوی صاحب کے اپنے انداز کی ہیں چنانچہ ان میں ایک قسم کی اور بکجملی بھی پائی جاتی ہے سید ناصر دہلوی صاحب کے مختصر اظہار سے ظاہر ہے کہ شعر و ادب، شعر فنی و شعر شناسی انہیں ورثے میں ملی ہے۔ خود بھی صاحب دیوان شاعر ہیں“ (نمونہ ایک دو غزلیں ہم قارئین کرام کے لیے اس تبصرہ کے

آخر میں پیش کرتے ہیں۔ (مصنف) بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے ذوق شعری میں پہلی اینٹ غالب کا وہ دیوان ہے جو انہیں بچپن میں کچھ پیسوں کے عوض کتب فروش نے دیا تھا۔ مختصر یہ کہ ناصر دہلوی صاحب کی یہ مساعی قابلِ تحسین و ستائش ہیں اور غالب کی شرح کے خزانے میں ایک قابلِ ذکر اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ناصر دہلوی صاحب نے مروجہ نقطہ نظر سے (یعنی حسن و عشق کی مبالغہ آمیزی سے) ہٹ کر تعریف اور فلسفی زاویہ نگاہ سے غالب کو پرکھا اور اسی طرح پرکھنے کی ترغیب دی ہے جناب ناصر دہلوی کی شرح دیوان غالب کا اپنا ایک رنگ اور مزہ ہے۔“

دوسرا تبصرہ ہم جناب راغب مراد آبادی صاحب کا جو کہ چار رباعیات پر مشتمل ہے قارئین کے لیے خود انہیں کی تحریر میں بے صورت نوٹ دکاپی پیش کرتے ہیں۔ جناب راغب مراد آبادی کی شخصیت سے ہندو پاک میں کون واقف نہیں۔ آپ تقریباً ستر سال سے اردو ادب کی خدمت اپنے شعر و سخن سے کر رہے ہیں۔ رباعی کہنے میں تو آپ کو ایسا کمال حاصل ہے جو تاریخِ اردو ادب میں ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے گا۔ جو شتر اس کے کہ ہم رباعیات کا عکس قارئین کے لیے دکھائیں یہ کہنا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ ہم آپ کی شخصیات سے متعارف نہ تھے۔ جب شکر یہ ادا کرنے کی غرض سے خاکسار آجناب کے روات کدہ پر حاضر ہوا۔ فرمایا:

”اچھا تو آپ ناصر دہلوی ہیں۔ آپ کی شرح دیوان غالب میں نے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کی ہے اور جو کچھ میں نے تبصرے میں لکھا ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ دیکھو وہ سامنے الماری میں میں نے آپ کی شرح رکھی ہے۔ اب بھی کبھی کبھی میں اٹھا کر اس کو پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے آجناب کا شکر یہ ادا کیا اور عرض کیا کہ آپ نے اس تاجز کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔“

اب ہم قارئین کی خدمت میں رباعیات کی عکسی تصویر رکھتے ہیں تاکہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ آجناب کی کیا رائے ہے۔ نیز اپنی ایک غزل نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

خاکہ اراحق العباد

سید محمد الیاس ناصر دہلوی

بے دُرُوز ہے یہ شرح کلام غائب
 بیش آرز ہے یہ شرح کلام غائب
 شرحیں تو بیت، کلام غائب کی ہیں
 نو طرہ ہے یہ شرح کلام غائب

یہ آپ بظاہر کا حکیمانہ ہے
 انداز نگارش ہی سلیمان ہے
 تاجر کی سبتہ ہے، غائب ہی
 شرح کا معیار حکیمانہ ہے

نام بھی تو دہلی کے ہیں رہنے والے
 غائب کو ہیں غایت ہی یہ کہنے والے
 میزانِ فرد پر تر لیتے میرا شمار
 جذبات کی رکوس نہیں پہنے والے

غائب نشانوں کو بے گما گھی
 رُوحِ جبلائے من ہے کبھی کبھی
 نام نہ جو کی شرحِ کلامِ غائب
 آیا اک انقلابِ غائب نہیں

نامِ محبوب کے
 اُستادِ محترم
 خاجہ سلیم شاہ جہا پوری
 راجب سے مراد ابادی
 ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

غزل

ہر لحظہ رہے ذکرِ انہی کا مرے آگے ہوتا رہے اس حسن کا چہ چا مرے آگے
 اے کاش کہ آجائے کسی روز بعدِ ناز وہ راحتِ جان، جانِ تما مرے آگے
 کافر کرے خواہشِ دنیا کو وہ دل سے اور رکھ دے وہ آئینہ، عقی مرے آگے
 سمجھائے مجھے رازِ جہاں دل میں اتر کر لے آئے حقیقت کا وہ نقشہ مرے آگے
 اوہام کے ہر نقش کو وہ دل سے مٹا دے ایقان کے رکھے ساغر وہ مینا مرے آگے
 ہے قلبِ مرابادہ، عرفان کیلئے وقف کیوں رکھتے ہو پیانہ ذمہ بیا مرے آگے
 تدبیر کے حیلوں سے میں تقدیر کو پاؤں آئینہ بنے ہستی اشیا مرے آگے
 ملتی ہے سزا اور جزا کچھ تو یہاں بھی دکھ سکھ کا ہے ہر روزِ نظارہ مرے آگے
 دریا ہو کہ صحرا ہو گستاں کہ بیاباں رہتا ہے سدا اُن کا سراپا مرے آگے
 ایماں کو کہوں کفر تو کافر کو مسلمان دستورِ فقہیہوں نے یہ رکھا مرے آگے
 ہر دور میں ظلمت پہ رہا نور ہی غالب شیطان رہا پیچھے تو مسیحا مرے آگے
 بدلا ہے نہ پیانہ نہ بدلی ہے مئے عشق ساقی ہے وہی آج پرانا مرے آگے
 مشغول رہوں طاعتِ محبوبِ خدا میں ہو شام و سحر اُن کا ہی اسوہ مرے آگے
 ہے اب تو یہی ایک تمنا مرے دل میں دنیا مرے پیچھے، وہ عقی مرے آگے

ناصر میں زمانے کی ہوا دیکھ رہا ہوں

آئینہ، آیام ہے گویا مرے آگے

فہرست

غزل نمبر غزل کا پہلا مصرعہ صفحہ نمبر

معرضہ حال
بمصرہ

۳۳	۱	نقشبہ فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
۳۴	۲	بُز قیس اور کوئی نہ آیا یُدوئے کار
۳۵	۳	کہتے ہو نہ دیں گے ہم، دل اگر پٹا پایا
۳۶	۴	دل مرا سوئے نہ ہاں سے بے محابا جل گیا
۴۰	۵	شبوت ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا
۴۲	۱۱	دھکی میں مر گیا، جو نہ بابِ بُرد تھا
۴۴	۷	شمارِ سبوح، مرغوبِ بُت مشکل پسند آیا
۴۵	۸	دہریں نقشِ وفا و جبرِ تسلی نہ ہوا
۴۷	۹	تاشِ گرسبے زاہد اس تدر، جس باغِ رضواں کا
۵۰	۱۰	نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
۵۰	۱۱	سراپا رہن عشقِ دنا گزیرِ اُلفتِ ہستی
۵۱	۱۲	محرم نہیں ہے تو ہی نواوائے راز کا
۵۳	۱۳	بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
۵۴	۱۴	شب، کہ برقِ سوئے دل سے، زہرہ ابرِ آب تھا

۵۸	نالہ دل میں شب، اندازِ اثرِ نایاب تھا	۱۵
۵۹	ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب	۱۶
۶۱	بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	۱۷
۶۲	شب، خمارِ شوقِ ساقیِ رستخیزِ اندازہ تھا	۱۸
۶۵	دوستِ غمِ خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا ؟	۱۹
۶۷	یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا	۲۰
۷۰	ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا ؟	۲۱
۷۲	درِ خورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سانہ ہوا	۲۲
۷۶	است! ہم وہ جنوں جولال گدا ئے بے سرو پا ہیں	۲۳
۷۹	پٹے نذرِ کرمِ خفہ ہے شرمِ نارِ سائی کا	۲۴
۷۹	گو نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا	۲۵
۸۱	دردِ منت کش دوا نہ ہوا	۲۶
۸۴	گلد ہے شوقِ کُرِ دل میں بھی تنگی جا کا	۲۷
۸۶	قطرہ سے، بس کہ حیرت سے نفس پر در ہوا	۲۸
۸۷	جب، یہ قریبِ سفر یار نے محلِ باندھا	۲۹
۸۸	میں، اور بزمِ سے یوں تشنہ کام آؤں	۳۰
۸۹	گھر ہمارا جو نہ دوستے بھی تو دیراں ہوتا	۳۱
۹۰	نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۳۲
۹۱	یک ذرہ زمین نہیں ہے بے کار باغ کا	۳۳
۹۳	وہ مری چینِ جبین سے، غمِ پنہاں سمجھا	۳۴
۹۵	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	۳۵
۹۷	ہوئی تاخیر، تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا	۳۶
۱۰۰	لبِ خشک، درِ تشنگیِ مردگاں کا	۳۷
۱۰۱	تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا	۳۸

۱۰۲	شب کہ وہ مجلسِ فردوسِ خلوتِ ناموسِ نجی	۲۹
۱۰۳	آئینہ دیکھ، اپنا سامنے لے کے وہ گئے	۳۰
۱۰۴	عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا	۳۱
۱۰۶	دشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف !	۳۲
۱۰۸	ذکر اُس پری و شش کا اور پھر بیاں اپنا	۳۳
۱۱۰	سرِ زلفِ نظریوں مری قیمت یہ ہے	۳۴
۱۱۰	غافل، یہ وہمِ نازِ خود آرا ہے، در نہ یاں	۳۵
۱۱۲	بُور سے باز آئے پر، باز آئیں کیا	۳۶
۱۱۳	لطافتِ مہرِ کثافتِ جوہر پیدا کر نہیں سکتی	۳۷
۱۱۴	عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا	۳۸
۱۱۶	پھر ہوا وقت، کہ ہو بالِ کشا موجِ شراب	۳۹
۱۱۹	افسوس کہ ونداں کا کیا رزقِ نیک نے	۵۰
۱۲۰	رہا گر کوئی تا قیامت سلامت	۵۱
۱۲۱	مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب	۵۲
۱۲۱	آمدِ خط سے ہوا ہے سرور، جو بازارِ دوست	۵۳
۱۲۳	گلشن میں بندوبستِ یزنگِ دگر ہے آج	۵۴
۱۲۴	لوہمِ مرلینِ عشق کے تیار دار ہیں	۵۵
۱۲۵	نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ	۵۶
۱۲۶	حسن، غمِ زے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد	۵۷
۱۲۸	بلا سے ہیں، جو یہ پیشِ نظر درو دیوار	۵۸
۱۳۰	گھر جب بنا لیا ترے در پر، کبے بغیر	۵۹
۱۳۲	کیوں جل گیا نہ تابِ رنجِ یار دیکھ کہ	۶۰
۱۳۵	روزِ تاب ہے مرادل، زحمتِ مہرِ درخشاں پر	۶۱
۱۳۸	ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور	۶۲

۱۴۱	صفا نے حیرت آئینہ ہے سا مان زنگ آخر	۶۳
۱۴۱	جنوں کی دستگیری کس سے ہو، مگر ہو نہ غریبی	۶۴
۱۴۳	لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی، دن اور	۶۵
۱۴۶	فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر	۶۶
۱۴۷	حریف مطلب مشکل نہیں، قسوں نیاز	۶۷
۱۴۸	کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز	۶۸
	دست سہمی کرم دیکھ کہ سرتا سر خاک	۶۹
۱۵۰	نہ گلِ انمہ ہوں نہ پردہ ساز	۷۰
۱۵۲	مژدہ اسے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے	۷۱
۱۵۴	نہ لیوے گرا، خس جو ہر طراوت سبزہ خط سے	۷۲
۱۵۶	رخ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع	۷۳
۱۵۸	بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش	۷۴
۱۵۹	زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا تک	۷۵
۱۶۱	آہ کو چاہیئے اک عثر اثر ہوتے تک	۷۶
۱۶۲	گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ	۷۷
۱۶۴	ہے کس قدر ہلاک فریبِ ہوائے گل	۷۸
۱۶۷	غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس	۷۹
۱۶۹	بہ نالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر	۸۰
۱۶۹	مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور	۸۱
۱۷۰	لوں دامِ نجاتِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ولے	۸۲
۱۷۰	وہ فراق اور وہ وصال کہاں	۸۳
۱۷۲	کی وفاق سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں	۸۴
۱۷۵	آبرو کیا خاک اس گل کی کر گلشن میں نہیں	۸۵
۱۷۸	ہم سے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا	۸۶

۱۷۹	جہاں ہوں کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت	۸۷
۱۸۰	ہم سے کسل جاؤ بوقت سے پرستی ایک دن	۸۸
۱۸۲	ہم پر جفا سے ترک وفا کا گدگد نہیں	۸۹
۱۸۵	مانع وشت نوردی کوئی تدبیر نہیں	۹۰
۱۸۷	موت مرد و بک دیدہ میں سمجھو یہ لگا ہیں	۹۱
۱۸۸	برشگل دیدہ عاشق ہے دیکھ چلیے	۹۲
۱۸۸	عشق تائیر سے نو مید نہیں	۹۳
۱۹۰	جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۹۴
۱۹۱	ملتی ہے خوشی یار سے نار التہاب میں	۹۵
۱۹۵	کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں	۹۶
۱۹۹	حیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پیوں بگر کو نہیں	۹۷
۲۰۲	ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں	۹۸
۲۰۴	نالہ جز حسن طلب، اے ستم ایجاد نہیں	۹۹
۲۰۷	دونوں جہاں دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا	۱۰۰
۲۰۸	ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کا رگر	۱۰۱
۲۰۸	قیامت ہے کہ کُن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا	۱۰۲
۲۰۹	دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا	۱۰۳
۲۱۰	یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں	۱۰۴
۲۱۱	نہیں، کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں	۱۰۵
۲۱۳	تیرے تو سن کو مہیا باندھتے ہیں	۱۰۶
۲۱۵	نما نہ سخت کم آزار ہے بجان اسد	۱۰۷
۲۱۵	دائم پڑا ہوا تر سے در پر نہیں بول ہیں	۱۰۸
۲۱۷	سب کہاں ہے کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں	۱۰۹
۲۲۳	دیوانگی سے دوشس پہ زنا رہی نہیں	۱۱۰
۲۲۶	نہیں ہے زخم کوئی بنجیے کے در خور مرے تن میں	۱۱۱

۲۲۸	مڑے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں	۱۱۲
۲۳۰	دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟	۱۱۳
۲۳۲	غنجیہ نہ اسٹگفتہ کو دور سے مت دکھا، کیوں	۱۱۴
۲۳۶	حد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو	۱۱۵
۲۳۷	کبھے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں	۱۱۶
۲۳۹	و ارسہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو	۱۱۷
۲۴۲	قفس میں ہوں، مگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو	۱۱۸
۲۴۵	دموتا ہوں جب میں پینے کو اس کسیم تن کے پانو	۱۱۹
۲۴۸	داں اُس کو بول دل ہے تو یاں میں بول شرمسار	۱۲۰
۲۴۹	داں پہنچ کر جو غش آتا ہے غم ہے مم کو	۱۲۱
۲۵۱	ذفعہ ککڑ آنے کا باعث نہیں کلتا یعنی	۱۲۱
۲۵۲	تم جانو تم کو غم سے جو رسم و راہ ہو	۱۲۲
۲۵۳	گنی وہ بات کہ ہر گفتگو تو کیوں کر ہو	۱۲۳
۲۵۷	کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فعال کیوں ہو؟	۱۲۴
۲۶۰	سببے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو	۱۲۵
۲۶۱	از مہر تابہ ذرہ، دل و دل ہے آئینہ	۱۲۶
۲۶۲	ہے سبزہ زار ہر درد و دیوار غم کہہ	۱۲۷
۲۶۳	صد بخاؤہ رُدیہ رو ہے جو مڑاؤں اٹھائے	۱۲۸
۲۶۴	مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے	۱۲۹
۲۶۵	قطعہ سرپائے غم پہ چاہیے ہنگام بے خودی	۱۳۰
۲۶۷	بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ نول وہ بھی	۱۳۱
۲۶۹	ہے بزمِ ہشتاں میں سخن آزدہ لبوں سے	۱۳۲
۲۷۰	تا، ہم کو شکایت کو بھی باقی نہ رہے بنا	۱۳۳
۲۷۱	گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا	۱۳۴
۲۷۲	غم دینا سے گھر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی	۱۳۵

۲۷۲	حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اسے آرزو فرامی	۱۳۵
۲۷۵	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا چہان ہے	۱۳۶
۲۷۷	درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہٹے ہٹے!	۱۳۷
۲۸۰	سرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے	۱۳۸
۲۸۳	مگر خامشی سے فائدہ اخلائے مال ہے	۱۳۹
۲۸۴	تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو دکھو ذکر پوچھو	۱۴۰
۲۸۵	ایک جا حرفِ دنا کھٹا تھا وہ بھی مٹ گیا	۱۴۱
۲۸۶	پینس میں گزرتے ہیں جو کوچہ سے وہ میرے	۱۴۲
۲۸۷	مری مہستی فضاٹے حیرت آباد تھا ہے	۱۴۳
۲۸۸	رحم کر ظالم، کہ کیا بود چراغِ کُشتہ ہے	۱۴۴
۲۸۹	چشمِ خوابِ خامشی میں بھی نوا پر داز ہے	۱۴۵
۲۹۰	عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی	۱۴۶
۲۹۲	ہے آرمیدگی میں بیکو شش بجا مجھے	۱۴۷
۲۹۳	زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب	۱۴۸
۲۹۴	اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے	۱۴۹
۲۹۷	رفقارِ عمر قطع رہِ اضطراب ہے	۱۵۰
۲۹۹	دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے	۱۵۱
۳۰۲	گرم فریاد رکھا شکلِ نہانی نے مجھے	۱۵۲
۳۰۳	کارِ محاکو ہستی میں لالہ داغِ سال ہے	۱۵۳
۳۰۴	اُگ رہا ہے دردِ دیوار سے سبزہ غالب	۱۵۴
۳۰۵	سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے	۱۵۵
۳۰۷	دل سے تری نگاہ جگر تک آ کر گئی	۱۵۶
۳۰۹	تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے	۱۵۷
۳۱۲	کوئی دن مگر زندگانی آدر ہے	۱۵۸
۳۱۴	کوئی امید بر نہیں آتی	۱۵۹

۳۱۶	دل ناداں تجھے بُرا کیا ہے ؟	۱۶۰
۳۱۹	کہتے ہو تم سب کہ بُتِ غالبہ مٹائے	۱۶۱
۳۲۲	پھر کچھ اک دل کو بے قرار ہے	۱۶۲
۳۲۵	جنوں بہمت کشش تسکین نہ ہو گر شادمانی کی	۱۶۳
۳۲۶	نکو ہنس ہے سزا فریادی بیدار دلبر کی	۱۶۴
۳۲۷	بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے	۱۶۵
۳۳۰	جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی	۱۶۶
۳۳۱	ظلمتِ کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے	۱۶۷
۳۳۲	قطعہ اے تازہ دارِ دِل بساطِ ہوا سے دل !	
۳۳۵	نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی	۱۶۸
۳۳۷	عجب نشاط سے جلاؤ کے چلے میں ہم آگے	۱۶۹
۳۳۹	شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے	۱۷۰
۳۴۱	قطعہ خامہ میرا کہ وہ ہے بارِ بدِ بزمِ سخن	
۳۴۲	ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۔	۱۷۱
۳۴۵	میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں	۱۷۲
۳۴۶	اگر امری جان کو قرار نہیں ہے	۱۷۳
		۱۷۴
۳۴۸	بُجھم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے	۱۷۵
۳۴۹	پایہ دامن ہو رہا ہوں ، بس کہ میں صحرانورد	۱۷۶
۳۵۰	جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آدے	۱۷۷
۳۵۳	حسنِ مرگِ چہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے	۱۷۸
۳۵۶	غیر لیں محفل میں بوسے جام کے	۱۷۹
۳۵۸	پھر اس انداز سے بہار آئی	۱۸۰
۳۵۹	تلفِ دست ہوں میرا دماغِ عجزِ عالی ہے	۱۸۱
۳۶۰	کب وہ سننا ہی کہانی میری ؟	۱۸۲

۳۶۲	نقشِ ناز بہت طنائز بہ آغوشِ رقیب	۱۸۳
۳۶۳	گنگشن کو تری صحبت از بس کہ پسندائی ہے	۱۸۴
۳۶۴	جس زخم کی ہو سکتی ہو تہ ہیر و نوکی	۱۸۵
۳۶۵	سیما بپشتِ گرمی آئینہ دے ہے ہم	۱۸۶
۳۶۶	ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں	۱۸۷
۳۶۷	چلتیے اچھوں کو جتنا چاہیے	۱۸۸
۳۶۸	ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے	۱۸۹
۳۶۹	نکتہ نہیں ہے غم دل اس کو سندھے نہ بنے	۱۹۰
۳۷۰	چاک کی خواہش اگر وحشت بہ غریانی کرے	۱۹۱
۳۷۱	وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے	۱۹۲
۳۷۲	پیش سے میری وقف کشمکش ہر تار بستر ہے	۱۹۳
۳۷۳	خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے	۱۹۴
۳۷۴	فریاد کی کوئی نے نہیں ہے	۱۹۵
۳۷۵	نہ پوچھہ فسخہ مرہم جراحت دل کا	۱۹۶
۳۷۶	ہم رشک کو لپٹے بھی گوارا نہیں کرتے	۱۹۷
۳۷۷	کوہ ہے بادہ ترے ترے لب سے کسب رنگِ فروغ	۱۹۸
۳۷۸	کیوں نہ ہو چشمِ تباں محو تغافل، کیوں نہ ہو ؟	۱۹۹
۳۷۹	دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہتے	۲۰۰
۳۸۰	دیکھ کر در پر وہ گرم دامن، انسانی مجھے	۲۰۱
۳۸۱	یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے	۲۰۲
۳۸۲	حضورِ شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے	۲۰۳
۳۸۳	کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجانے ہے مجھ سے	۲۰۴
۳۸۴	زہر کہ مشق تماشا جنوں علامت ہے	۲۰۵
۳۸۵	لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جادے مجھے	۲۰۶
۳۸۶	باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے	۲۰۷

۲۰۳	کہوں جو حال تو کہتے ہو یہ عا کہتے	۲۰۸
۲۰۴	روئے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے	۲۰۹
۲۰۹	نقشہ ہاشاداب رنگ و ساز ہا مست طرب	۲۱۰
۲۱۰	عرق ناز شوخی دندان برائے خند ہے	۲۱۱
۲۱۲	جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی	۲۱۲
۲۱۵	ابن مریم ہوا کرے کوئی	۲۱۳
۲۱۷	بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے ؟	۲۱۴
۲۱۹	بارغ پاکر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے	۲۱۵
۲۲۱	دندہ ہوئی ہے کو کبڑ شہر یار کی	۲۱۶
۲۲۲	ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے	۲۱۷
۲۲۵	کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائے	۲۱۸
۲۲۶	مستی پہ ذوق غفلت ساقی ہلاک ہے	۲۱۹
۲۲۷	لب عینی کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی	۲۲۰
۲۲۷	آبد سیلاب طوفان صلیئے آب ہے	۲۲۱
۲۲۸	رہوں میں بھی تمار شانی نیرنگ ترنا	۲۲۲
۲۲۸	سیاہی جیسے گر جلے دم تحریر غدر	۲۲۳
۲۲۹	ہجوم نالہ حیرت عاجز عرق یک افغان ہے	۲۲۴
۲۳۰	خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے	۲۲۵
۲۳۱	جس ہانسیم شانہ کش زلف یار ہے	۲۲۶
۲۳۲	آئینہ کیوں نہ ڈول کہ تماشا کہیں ہے	۲۲۷
۲۳۶	سببم بہ گل لالہ نہ خالی زاد ہے	۲۲۸
۲۳۹	منظور تھی یہ شکل انجلی کو نور کی	۲۲۹
۲۴۲	غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے	۲۳۰
۲۴۲	مدت ہوئی ہے یار کو مہاں کئے چوئے	۲۳۱
۲۴۸	قوید امن ہے بے داد و دست جاں کے لئے	۲۳۲

قصاصد	
۴۵۳	سازیکِ ڈرہ نہیں فیضِ چمن سے بے کار
۴۵۸	مطالعِ ثنائی - فیض سے تیرے ہے اسے شمعِ بستانِ بہار
۴۶۰	منقبت میں - دہر جزِ جلوہ بیکتائی معشوق نہیں
۴۶۸	شاہِ ظفر کی مدح میں عیدِ الفطر کے موقع پر لکھا گیا
۴۷۰	تجھ کو کیا پایہِ دوستِ ناسی کا
۴۷۲	زہرِ غم کو چکا تھا میرا کام
۴۷۶	رعد کا کہ رہی ہے کیا دم بند
۴۷۶	فنِ صورتِ گری میں تیرا گزر
۴۷۹	صبح دم دروازہ خاور کھلا
۴۸۲	تو سن نہ میں وہ خوبی ہے کہ جیب
۴۸۴	کنج میں بیٹھا ہوں یوں پر کھلا
۴۸۹	آموں کی تعریف میں
۴۹۵	دلکات
۵۰۲	خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
۵۰۵	منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
۵۰۸	نصرتِ الملک بہادر! مجھے بتلا کہ مجھے
۵۰۹	ہے چار شنبہ آخر ماہِ صفر چلو
۵۱۰	اے شاہِ جہاں گیر - جہاں بخش - جہاندار
۵۱۲	اظہارِ موم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
۵۱۴	اے شہنشاہِ آسمان اورنگ!
۵۱۶	سیہِ گلیمِ بڑوں لازم ہے میرا نام نہ لے

۵۱۶	سہل تھا سہل وے یہ سخت مشکل آ پڑی	۱۲
۵۱۶	خجستہ انجمن طہنے میرزا جعفر	۱۵
۵۱۶	ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی	۱۶
۵۱۶	گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں	۱۷
۵۱۸	رباعیات	
۵۲۴	مرجاسال فرخی آئیں	قصیدہ ۱
۵۲۹	ایک اہل درو نے سندان جو دیکھا نفس	قطعہ ۲
۵۳۱	اس کتاب طرب نطاب نے جب	قطعہ تاریخ
۵۳۲	شب وصال میں مونس گیا ہے بن تیکہ	غزل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح دیوان غالب

غزل ۱

۱۔ نقش فرادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ! کاغذی ہے پیر من ہر پیکر تصویر کا !
 معنی :- شوخی تحریر، صفت خالقیت، کاغذی پیر من، عارضی، ناپائیدار وجود
 مطلب :- مرزا غالب کے دیوان کا یہ پہلا شعر ہے۔ لہذا قرین قیاس ہے کہ یہ شعر بطور شکوہ نہیں
 بلکہ خالق کی مدح میں ہے۔ خالق اور مخلوق کا تعلق، فرق اور کیفیات بیان کی ہیں۔ مطلب
 یہ ہے کہ بستی بسبب مخابی و ناپائیداری اور عارضی ہونے کا اظہار کر رہی ہے کہ یہ عارضی اور
 ناپائیدار وجود دے کر کس جنجال میں ڈال دیا۔ ہر ایک فنا کی چمک میں پس رہا ہے۔ صرف ایک
 ہی وجود ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اللہ باقی من کل قاتی۔

۲۔ کاو کاو سخت جانی مائے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا۔ لانا ہے جو تے شیر کا
 معنی :- کاو کاو، کاوش و کوشش کا مختص ہے۔

مطلب :- مطلب یہ ہے کہ عاشق صادق کا صبح کرنا شام کا، یعنی ایک رات تنہائی میں گزارنا
 کوئی معمولی بات نہیں بلکہ فریاد کا پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالنے کے مترادف ہے۔

۳۔ جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چلیے سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

معنی :- سینہ شمشیر تلوار کی باڑھ۔ دم شمشیر تلوار کی دھار۔ آب شمشیر کو سینہ شمشیر سے باہر ہونے سے
 تشبیہ دی ہے اور عاشق کے جذبہ بے اختیار شوق کو آب شمشیر کا مینے سے باہر نہ ہمارا دیا ہے۔
 مطلب :- انسانی فطرت میں جذبہ عشق و محبت و دلچسپی کیا گیا ہے۔ کسی نے اپنا مسخو خدا کو بنایا ہے کسی

نے مال و متاع، جاہ و حشمت کو کسی نے ادا کر کے کسی نے اپنے دنیاوی محبوب کو، غرض ہندو
بے اختیار شوق ہو جگہ اپنا ایک نیا منظر پیش کر رہا ہے۔ شعر بھی بہت آبدار ہے

آگہی، دام تشیدن جس قدر چلبے بچپانے مدعا غنقا ہے۔ اپنے عالم تہتیر کا

معنی یہ آگہی، اطلاع پانا، علم حاصل ہونا، اعتقاد، فرضی پرندہ۔ نہ نظر آنے والی چیز۔
مطلب: شعر کا یہ ہے کہ سننے والا چاہے جتنے عقل کے گھوڑے دوڑانے کتنی ہی کوشش کیوں
نہ کرے۔ میرے کلام کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے گا۔ میرا کلام لوگوں کی عقل سے بالا ہے۔
کیونکہ میں فلسفہ اسرار الہی اور تصوف کی باتیں کرتا ہوں۔

بس کہ ہوں غالب ماسیری میں بھی آتش زیر پا، مومنے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

معنی: آتش زیر پا۔ بے قرار، بے چین۔ مومنے، بال۔ آتش دیدہ، جلا ہوا، کمرور
مطلب: فرماتے ہیں: میں اسیر عشق ہوں۔ آتش عشق اور گرمی و حشمت سے میری قید کی زنجیر
بہت کمزور ہو گئی ہے۔ میں قید حیات سے، بلکہ آزاد ہونے والا ہوں۔

غزل ۲

جز قیس اور کوئی نہ آیا بُروئے کار صحرا، مگر تہ تنگی چشم حسود تھا

معنی: بُروئے کار آنا، میدان میں آکر مقابلہ کرنا۔ صحرا، جزیرہ عرب، مجازاً زمانہ،
حضور، جمع حاسد کی یا بہت حسد کرنے والا۔

مطلب: فرماتے ہیں میدان عشق میں قیس کے علاوہ کوئی مرد میدان نہ ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے
کہ زمانہ چشم حاسد کی طرح تنگ تھا اور اس میں کسی اور کی گنجائش نہ تھی۔ یہ بیان مجازی عشق
میں شاید سچ ہو لیکن حقیقی عشق میں تمام انبیاء، ہیں اور ان سب سے بڑھ کر ہمارے نبی مصلی اللہ
علیہ وسلم تھے۔ آپ کے متعلق اہل عرب نے ہی یہ شہادت دی کہ عشتی محمد علی رقبہ

یعنی مجھ اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

آشفگی نے نقشِ "ویدا کیا درست" ظاہر ہوا کہ داغ کا سایہ دودھ تھا

معنی :- آشفگی - پریشان حالی، پریشان خیالی - نقشِ سویدا - کالا دھبہ، انسانی خواہشات۔
دودھ - دھواں، درست کیا، مکمل کیا۔

مطلب - میری پریشان حالی نے میرے دل کے دھبہ کو ٹھیک کر دیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ داغ کو ضرورت تھی کہ دھواں ہو۔ اگر آشفگی کے معنی عشقِ حقیقی کئے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ انسانی خواہشات نے جو دل پر داغ ڈال دیا تھا، اس کو عشقِ الہی اور خدا کی یاد میں آہ دزاری کرنے سے دل کا داغ ٹھیک ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اور جب کوئی نیکی کرتا ہے تو سفید نورانی نشان پڑ جاتا ہے۔ گناہ کرتے رہنے سے دل کالا ہو جاتا ہے اور نیکیاں کرنے سے بعد نور بن جاتا ہے۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

معنی :- خواب سے مراد عہدِ جوانی - آنکھ کھل گئی - سمجھ آگئی یعنی عہدِ پیری میں داخل ہو گئے۔ علم اور تجربہ نے بہت سکھایا۔

مطلب - یہ ہے کہ عہدِ جوانی اور اس کی تمام خواہشات اب خواب بن گئی ہیں یعنی خیالی چلاؤ پکاتے رہے کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے۔ معاملہ خیال تک ہی رہا۔ عمل کی نوبت نہ آئی۔ لہذا کوئی فائدہ نقصان نہیں ہوا۔

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبقِ سنوڑ لیکن یہی کہ رفت گیا، اور "بود" تھا

معنی :- مکتبِ غمِ دل - حالاتِ زندگی، تجرباتِ زندگی، تلخیاں، ناکامیاں
مطلب - فراتے ہیں کہ میں مکتبِ غمِ دل میں سبقِ سنوڑ پڑھتا رہتا ہوں۔ یعنی عبرت حاصل کرتا ہوں۔

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوب برہنگی میں 'ورنہ ہر پاس میں شگِ وجود تھا

معنی - عیوب برہنگی، برائیوں کا ظاہر ہونا - شگِ وجود، ہستی کے لئے باعثِ شرم
مطلب - فراتے ہیں جیسا مجھے ہونا چاہیئے تھا ویسا نہ ہو سکا۔ لہذا میری ذاتِ انسانی وجود کے لئے
باعثِ شرم تھی۔ آخر کار مرنے کے بعد میرے کفن نے میری غلط کاریوں کو ڈھانپ دیا۔ اس
طرح داغِ عیوب کی برہنگی کو خفت سے بچایا۔ اس شعر میں انسانی پیدائش کی غرض و نغایت
کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں -

وَمَا خَلَقْتُ الذِّكْرَ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات، ۵۱)

ترجمہ - مگر ہم نے چھوٹے بڑے انسانوں کو پیدا صرف عبادت کے لئے کیا ہے۔

تیشے بغیر مرنے سکا کوہن اسد سرگشتہ خمارِ رسوم و قیود تھا

معنی - سرگشتہ، سرگرداں - خمارِ رسوم و قیود، رسم و رواج کا پابند
مطلب - فرماتے ہیں تیشہ بغیر مارے فریاد اپنے آپ کو ہلاک نہ کر سکا۔ شمس کا عشق اگر کامل ہوتا
تو شیریں کی ذفات کی خبر سننے ہی اک آہ بھرتا اور جان دے دیتا۔ مگر چونکہ رسم و رواج کی قید
میں تھا اس لئے تیشہ مارنے کی حاجت ہوئی۔

غزل ۳

کہتے ہو نہ دیں گے ہم 'دل اگر پڑا پایا دل کہاں کہ گم کیجئے؟ ہم نے مدعا پایا

مطلب - محبوب کا انداز بیان ہی بتاتا ہے کہ دل اس کو مل چکا ہے۔ نہ دیں گے ہم 'دل اگر پڑا پایا'
عاشق کہتا ہے دل ہمارے پاس ہے ہی کہاں کہ ہم اسے گم کریں۔ ہاں تہداری بات سے ہیں
پتہ لگ گیا کہ ہمارا دل تمہارے ہی پاس ہے۔ ہمارا دل تمہارے ہی چرایا ہے۔ اس چوری کے الزام

سے بچنے کی خاطر ہلانے کا شس کرتے ہو۔

عشق سے طبیعت نے زلیلت کا مزا پایا درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ زندگی کا مادہ طبیعت نے عشق کی بدولت پایا ہے۔ بے عشق زندگی اک دردِ لادوا
حقِ عشق دوا بن کر آیا لیکن خود عشق ایک دردِ لادوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں محبت
کا نور دکھایا ہے تا اس کا مخلوق اُسے پہچان کر اس سے محبت کرے۔ اور اسی عشق حقیقی کی خاطر
پرہیز سے قریبے بنادیتے۔ ہر انسان عشق و محبت میں مبتلا ہے۔ کسی نے اپنا محبوب کسی حسینہ
کو بنایا۔ کسی نے مال و دولت و شہرت کو کسی نے اولاد کو۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی محبوب ضرور ہے۔

دوست، دابرِ دشمن ہے! اعتمادِ دل معلوم آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

معنی۔ دوست و دابرِ دشمن۔ دشمن کا دوست۔ یہاں دشمن محبوب ہے جو عاشق پر جو یکدم کرتا رہا ہے۔
مطلب۔ کہتے ہیں ہیں اب دل پر مجھ دوسرے نہیں رہا چونکہ یہ ظالم محبوب کا دوست بن گیا ہے جس کی
وجہ سے اس کی آہ بے اثر ہے اور نالہ بھی اپنا اثر کو چکا ہے۔ دل کی دشمنی کس انداز سے بیان کی ہے

سادگی و پرکاری سب سے خودی و بے حیاری! حُسن کو آقا نفل میں جرات آزما پایا

معنی۔ سادگی، بھولا پن۔ پرکاری، چالاک۔ بے خودی، غفلت
مطلب۔ فرماتے ہیں محبوب بھولے بن کر جرات کی آزمائش کرتے ہیں۔ دراصل ان کی سادگی چالاک
ہے اور ان کی غفلت نہایت ہوشیاری ہے۔ شعر معنی خیز ہے اور نقلوں کا انتخاب لاجواب ہے۔

خُنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

معنی۔ خُنچہ۔ پھول کی کٹی۔ گل ہاشگفت
مطلب۔ موسمِ خزاں چلا گیا۔ موسمِ بہار آگیا۔ چونکہ ہم نے اپنے محبوب کو اپنے سے خوش اور بہتر ہوا

دیکھا۔ لہذا ہمارا دل جو مڑ گیا تھا۔ منعم رہتا تھا۔ وہ ہمیں پھر سے مل گیا۔ چونکہ محبوب ہم سے
خوش ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یار اور زمانہ کے جو دوست ہم سے ہمارا دل خون ہو
کر آنکھوں کے راستے سے بہہ گیا تھا وہ غنچہ کی صورت میں نمودار ہو گیا۔ لہذا ہم نے گمشدہ
دل پایا۔

حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی ہم نے بار بار ڈھونڈا، تم نے بار بار پایا
مطلب۔ عشق۔ بے اختیار تھے ہے اس نے ہمارے دل کا قرار چین لیا ہے۔ ہم دل کے حال
سے واقف نہیں ہیں ہاں البتہ اس قدر ہم جانتے ہیں کہ جب تم پاس ہوتے ہو اور اس کی خبر
لینا چاہتے ہو تو اس کو قرار ہوتا۔ اور تم اسے پالیتے ہو۔

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک پھیر کا آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا
معنی۔ شورِ پندِ ناصح، ناصح کی پند و نصائح
مطلب۔ فرماتے ہیں اصرار نے پند و نصائح کر کے ہمارے منہ دل زخموں کو پھر سے ہرا کر دیا اور ہمارا
زخم کھل گیا اور لذت، زخم سے دوبارہ مستعد ہوئے لیکن ناصح سے جا کر کوئی پوچھے کہ اُسے
کیا لطف اور مزا آیا۔

غزل ۴

دل ہر اسوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا
معنی۔ سوز، دکھ، جلن۔ بے محابا۔ بے خوف و خطر، فوراً۔ آتشِ خاموش، وہ آگ جس میں
شعلہ نہ ہو اور آہستہ آہستہ تپ سگتی رہے۔

مطلب۔ فرماتے ہیں مراد دل سوزِ نہاں سے بے خوف و خطر جل کر رکھ ہو گیا اور اس کے جلنے

کی صورت آتش خاموش کی طرح سے تھی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ پہلے مصرعہ میں سوزِ نہاں اور دوسرے میں آتش خاموش کمالِ بلاغت ہے۔

دل میں ذوقِ جلِ یادِ یاز تک باقی نہیں آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا

فرماتے ہیں ناامیدی اس قدر جس کی وجہ سے وصلِ یار کی بھی خواہش مٹ گئی۔ یاد تک نہیں آتی۔ ناشد دل میں ایسی آگ لگی ہے کہ کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ اور جو چیزیں بچانی تھیں وہ بھی جل گئیں۔ حقیقت میں جب ناامیدی حد سے بڑھ جائے تو پھر توقع نہیں رہتی۔

میں عدم سے بھی پیسے ہوں ورنہ عاقل بار ہا میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

معنی۔ عدم سے پیسے ہونا۔ فنا فی اللہ ہونا۔

مطلب ہے کہ میں عدم سے بھی آگے نکل آیا ہوں اور مجھے میرا مقصود مل گیا ہے۔ ہاں البتہ اس راہِ طریقت کی منزلوں میں میری آہِ آتشیں یعنی میری کوششوں سے بالِ عنقا جل گیا ہے مجھے وہ کچھ حاصل ہو گیا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔

عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گومی کہاں! کچھ خیال آیا تھا دشت کا کہ صحرا جل گیا

معنی۔ جو ہر اندیشہ، خیالات کا پنخوڑا، استعارۃً پر معارفِ کلام

مطلب۔ فرماتے ہیں ہمیں اپنا پرہ معارفِ کلام کے سناؤں۔ یہاں تو فہم رکھنے والوں کا فقدان ہے۔ ہاں جنگل کا سوچا تھا کہ دزدوں کو سناؤں لیکن یہ خیال آتے ہی جنگل میں بھی آگ لگ گئی چونکہ میرا کلام پر معارف ہونے کے علاوہ پُرسوز بھی ہے۔ میرا مرغِ تخیل وہاں پرواز کرتا اور ہر پس ماندہ جہاں دوسرے پر بھی نہیں مار سکتے۔

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا
مطلب۔ میری آرزو میں اور تمنا میں جل رہی ہیں جس کی وجہ سے یہ چراغاں نظر آرہا ہے۔ اگر میرے پاس
میرا دل ہوتا تو پھر میں اس سے کہیں بہتر تجھے اپنے داغ ہائے حسرت کی بہار دکھاتا۔ مگر افسوس
آرزوؤں کے ساتھ میرا کار فرما (یعنی دل) بھی جل گیا۔

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل دیکھ کر طرزِ تپاک پہ اہل دُنيا جل گیا
مطلب۔ میں تو زندہ دل انسان تھا مگر اب عالم یہ ہے کہ افسردگی کی آرزو نے دل میں جگہ لے
لی ہے اور اس کا سبب دُنیا والوں کا سلوک ہے جس نے میرے شگفتہ اور خوش مزاج دل
کو بھی جلا ڈالا۔

غزل ۵

شوق، ہر رنگِ رقیبِ سروِ سماں نکلا تیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
معنی۔ ہر رنگ میں، ہر حال میں، عشق و جنون میں۔
مطلب۔ فرماتے ہیں شوق خواہ وہ کسی قسم کا بھی ہو جب سے گزر جاتا ہے تو بے نیاز سروِ سماں
ہو جاتا ہے۔ اس لئے تیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں ہی نظر آتا ہے۔ چونکہ عشق کا
رنگ اس پرہنگی سے چڑھ گیا اور وہ بے نیاز باس ہو چکا تھا۔

زخمِ ناز و اندھنی تنگی دل کی یارب تیر بھی سینہ بسمل سے پڑا فشاں نکلا
معنی۔ تنگ دلی، تنگ چہنی۔ سب رشک کے معنی دیتے ہیں۔ پڑا فشاں۔ ترکِ تعلق کر دیں ہیں۔
مطلب۔ یہ ہے کہ رشکِ دل نے سینہ کو بچا لیا۔ یعنی تیر گتے ہی دلِ عاشق نے جان دے دی جو کہ

سینہ میں لگا تھا۔ لہذا تیر سینہ میل سے گھبرا کر نکل گیا۔ چونکہ دل تو اس رشک میں ہی مریگا
کہ تیر سینہ میں جا کر کیوں لگا۔

بُوئے گلِ نالہ دل، دودِ چراغِ محفل جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
مطلب۔ یہ ہے کہ سب تجھ پر عاشق ہو گئے خواہ بوسے گل ہو یا نالہ دل ہو یا دودِ چراغِ محفل ہو۔
کوئی نہیں جو تجھ پر عاشق نہ ہو گیا ہو اور پریشاںیاں اس کا مقدر نہ بن گئی ہوں۔
دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بزم سے مراد دنیا ال جائے تو مطلب یہ ہے کہ جو بھی یہاں
آیا وہ اس امتحان گاہ میں رہ کر سولے پریشانیوں کے اور کچھ حاصل نہ کر سکا۔

دلِ حسرت زدہ تھا مائدہ لذتِ درو کام یاروں کا، بقدر لب و دندان نکلا
معنی۔ مائدہ، دسترخوان۔ بقدر لب و دندان، ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق
مطلب۔ میرا دل حسرت زدہ لذتِ درو کا دسترخوان تھا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق
اس سے لذت حاصل کی۔ مطلب یہ ہے کہ میرا کلام جو میرے دل کے دسترخوان پر سجا ہوا ہے
لیکن اس سے لطف اندوز ہونے والے اپنی صلاحیت کے مطابق ہی مائدہ اٹھاتے ہیں۔

حقّی نو آموزِ فنا بہمتِ دشوار پسند سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا
معنی۔ نو آموز، طالب علم۔ بہمتِ دشوار پسند، بہت ہمت اور حوصلہ والا۔

مطلب۔ فرماتے ہیں میں ایسا با حوصلہ ہوں کہ تعلیم فنا میری ابتدائی تعلیم تھی۔ میرے لیے جان دینا
کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ اب میرے لئے یہی مشکل ہے کہ بڑے سے بڑا کام بھی آسان نظر آتا ہے

دل میں پھر گریںے اک شور اٹھایا غالب آہ جو قطرہ نکلا تھا، سو طوفان نکلا
فرماتے ہیں دل میں دوبارہ گریہ دل شور کر رہا ہے۔ پہلی بار تو تبیط کر لیا جو قطرہ تھا مگر

شور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اب طوفانِ بنِ پکلب ہے جس کا ضبط کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

غزل ۶

دھکی میں مگیا، جو نہ بابِ نبرد تھا عشقِ نبردِ پیشہ طلبِ گارِ مرد تھا

معنی۔ بابِ نبرد، جنگ کا ماہر، جنگجو۔ عشقِ نبردِ پیشہ، میدانِ عشق میں ہر وقت لڑنے والا
مطلب۔ فرماتے ہیں جو جنگ جوڑ تھا (شاید اشارہ فرما دی جانب ہے) وہ دھکی دینے سے ہی
مگ گیا۔ چونکہ عشقِ نبردِ پیشہ بہادر سپاہی کو چاہتا ہے، تاہمت و عزم کے ساتھ مصائبِ عشق
کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور وہ عشقِ نبردِ بہادر سپاہی کی مانند، مصائبِ عشق کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگِ زرد تھا

معنی۔ کھٹکا، خوف۔ رنگِ زرد ہونا۔ خوف سے رنگِ پیلا پڑ جانا
مطلب۔ فرماتے ہیں مجھے زندگی میں ہمیشہ ہی موت کا خوف رہا۔ اور وہ اس وجہ سے کہ مالکِ
حقیقی کے حضور پیش ہونا ہے۔ اسی وجہ سے میرا رنگِ زرد رہا۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں،
”وَتَوَقَّابِلْ اِنْ تَمُوتُوا۔“

ترجمہ۔ یعنی موت سے پہلے ہی اپنی نفسانی خواہشات کو مار ڈالو۔
مصرعہ اولیٰ میں موت کو یاد رکھنے کی تلقین۔ دوسرے مصرعہ میں بتایا کہ اس پر عمل کرتا رہوں۔
دوسرے مصرعوں میں کس قدر مشکل سمجھنا پڑا ہے۔

تالیفِ لہجہ ہلے وفا کر رہا تھا میں مجموعہ خیال ابھی فرد تھا

مطلب۔ ابتدا میں ہی وفا سے متعلق میں نے کتابیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ جبکہ ابھی دوسرے
تمام امور میں میرے خیالات اکٹھے نہ ہوئے تھے مطلب یہ ہے کہ عاشقی کے تمام امور میں
مہارت حاصل کر لی تھی۔

دل تا جگر کہ سائل دریا ئے خوں ہے اب اس رہ گز میں جلوہ گل آگے گرد و تھا
معنی ۔ جلوہ گل ، خوشی مسرت ۔ رہ گزر ، استعداد زندگی

مطلب ۔ فرماتے ہیں انقلاب زمانہ نے وہ ستم ڈھائے ہیں کہ دل سے جگر تک خون کا دریا بہہ
رہا ہے یا اس سے قبل یہ حالت تھی کہ جلوہ گل بھی گرد و تھا یعنی اس کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی ۔

جاتی ہے کوئی ؟ کشمکش اندوہ عشق کی دل بھی اگر گیا ، تو وہی دل کا درد تھا
مطلب ۔ فرماتے ہیں عشق ہونے سے پہلے عشق کرنا چاہتے تھے اور جبکہ اب عشق ہو گیا ہے جس کے
نتیجہ میں دل کھو بیٹھے ہیں تو اب دل کے کھونے کا ملال ہے اور عشق میں جو وہ ستم جھیلنے پڑ رہا ہے
ہیں ۔ یعنی ہر حال میں اندوہ عشق کی کشمکش باقی رہتی ہے اور عاشق دل کے درد سے چھٹکارا نہیں پاتا ۔

اجاب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے زنداں میں بھی خیال ، بیا بیاں ، نور و تھا
مطلب ۔ فرماتے ہیں اجاب نے دیوانگی سے بچانے کے لئے قید کر دیا ۔ بیڑیاں پہنا دیں مگر میرا
علاج نہ کر سکے چونکہ زنداں میں بھی ہمہ وقت میرا خیال عالم وحشت میں ہی گشت کرتا رہا ۔

یہ لاشیں بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے حق مغفرت کرے مجب آزاد مرد تھا !
معنی ۔ لاشیں بے کفن ، بیکفن کے ، یعنی وہ لاشیں جس کے تمام عیوب ظاہر ہیں ۔ ہر طرح کے زخموں
سے پڑ رہے ۔

مطلب ۔ یہ لاشیں اُس گنہگار اسدِ خستہ جاں کی ہے ۔ جو ہر قسم کی قید سے آزاد تھا ۔ اسی وجہ سے مذہب
کے احکام پورے نہ کر سکا ۔ حق مغفرت کرے دعائے کلمات سے دعا کی تلقین کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ
مرزا غالب کو اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانک لے جس نے کر دیا انسانوں کو اپنے کلام سے
معرفت کا درس دیا ہے ، آمین

غزل ،

شمارِ سنجہ، مرغوبِ بُتِ مشکل پسند آیا تماثلے بیک کف بُردنِ حدل پسند آیا
معنی - شمارِ سنجہ، تسبیح پڑھنا۔ بُتِ مشکل پسند، چالاک، جس کی طینت میں مشکل پسندی شامل ہے۔
بیک کف بُردن، ایک ہی جھپٹے میں۔
مطلب - فراتے ہیں میرے محبوب کو تسبیح پڑھنا اس لئے پسند آیا تاکہ ایک ہی جھپٹے میں عاشقوں کے
تو دلوں کو اپنی مٹھی میں لے لے جس طرح کبھی کبھی ساری تسبیح کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔
دلیف کے علاوہ سارا شعر فارسی میں ہے۔

فیض بے دلی، نو میدی جاوید آساں ہے کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
مطلب - فراتے ہیں بے دلی کے فیض سے ہمیشہ کی ناامیدی ہمارے لئے آسان ہو گئی ہے ہاری کشائش
کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آگیا ہے۔ اس وجہ سے ہماری کششیں ہماری مشکلات کو حل کرنا
نہیں چاہتیں۔ یہاں بے دلی کے معنی بھی ناامیدی کہنے اور کشائش عقدہ حاصل ہونا۔

ہوانے سیر گل، ائیسند بے مہری قاتل کہ اندازِ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا
معنی - ہوا، شوق۔ اندازِ بخوں، خون میں پڑے ہوئے یعنی مڑجائے ہوئے۔ غلطیدن بسمل،
دقیر بسمل۔

مطلب - فراتے ہیں ہمارا قاتل یعنی محبوب باغ میں پھولوں کی سیر کو نہیں جاتا بلکہ اُن پھولوں کو دیکھنے
جاتا ہے جو مڑ گئے یا مڑجائے۔ اس سے اُسے فرحت ہوتی ہے۔ وہ مڑے ہوئے، خون میں
تھرے پڑے ہوئے دقیر بسمل کا نظارہ ہمیشہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ ثبوت ہے بے مہری
محبوب کی ہوانے سیر گل کا۔

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر بدیہ مبارک باد اسد غم خوار جان درد مند، آیا
 معنی - جراحت، چیرنا پھاڑنا، زخم - الماس، ہیرے کی کنی جس سے جراحت ہوتی ہے، ارمغان، تحفہ
 مطلب - فرماتے ہیں میرا غم خوار میرے محبوب کو میرے لئے سمجھانے گیا تھا مگر وہ خود اس کا عاشق ہو کر
 لوٹا ہے اور زخم کا تحفہ ہیرے کا تحفہ داغ جگر بدیہ لایا ہے۔ اسد، مبارک ہو کہ غم خوار جان درد مند
 آگیا یا عشق اسد اللہ خان غالب کے پاس زخم جگر کا بدیہ اور ہیرے کی کنی بن کر آیا ہے تاکہ ہر وقت
 جراحی کرتا رہے۔ یہ دونوں معنی اس مقطع میں حضرت عشق کی عکاسی کر رہے ہیں۔

غزل ۸

دہر میں نقش وفا و جبرستی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 مطلب - فرماتے ہیں وفا کہنے والوں کی دنیا میں قدر و قیمت نہیں۔ جو وفا کرتے ہیں ان کو اس کا
 پورا معاوضہ نہیں ملتا۔ اہل جہاں اہل وفا سے انصاف کا برتاؤ نہیں کرتے یعنی وفا ایک ایسا لفظ
 ہے جس کے کوئی معنی نہیں
 سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا یہ زمر و بھی حریف دم افعی نہ ہوا
 معنی - زمر و، سبز رنگ کا پتھر۔ کا کل، زلفیں۔ سبزہ خط، وارھی۔ افعی، زہر لایا سانپ
 مطلب - فرماتے ہیں تیرا خط نکلنے سے تیری زلفوں کی آب و تاب دلفریبی اور سرکشی میں کوئی فرق نہیں
 آیا۔ سبزہ خط کو زمر و اور افعی کو کا کل سے تشبیہ دی ہے۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں وہ تنگ مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 مطلب - فرماتے ہیں مگر وفا کی تکلیف سے چھٹکارا ہو جاتا مگر میرا محبوب ایسا تنگ واقع ہوا ہے کہ
 مرنے اور جان دے دینے پر بھی راضی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہیں ہمہ وقت تڑپتے آہ و زاری

کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ سہ
کہوں کس سے ہیں کہ کیسے، شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

دل گزرگاہِ خیال، سنے دس غریب ہی سہی گر نفسِ جاوہِ سرِ منزلِ تقویٰ نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں کچھ غم نہیں، اگر میرا ضمیر زہد و تقویٰ کی منزلیں ملے نہ کر سکا۔ گذرگاہِ ہم و شراب تو
ہے۔ میری زندگی ریاکاری کی پرہیزگاری سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پہ بھی راضی کہ کبھی گوشِ منت کشِ گلِ بانگِ تسلی نہ ہونا
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ تو نے وعدہ وصل نہیں کیا میں اس پر بھی خوش ہوں۔ اگر میرے کان تسلی کی آواز
سننے تو مومنِ احسان ہوتے۔ شرِ زندہ احسان تو نہیں ہونا پڑا

کس سے محرومیِ قسمت کو شکایت کیجئے؟ سم نے چاہا تھا کہ مرجائیں، سو وہ بھی نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ اپنی محرومیِ قسمت، کی شکایت کس سے کریں۔ جو کام بھی کرنا چاہتے ہیں نہیں ہوتا
معلوم ہوتا ہے ہماری قسمت کو ہمارے ساتھ خدا ہے حتیٰ کہ مرنا چاہا سو وہ بھی نہ ہوا۔

مر گیا صد مٹیک جنبشِ لب سے غالب ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا
معنی۔ حریف، مٹہِ مقابل

مطلب۔ فرماتے ہیں کہ جب دمِ عیسیٰ نے زندہ کرنا چاہا۔ تو وہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ ہماری ناتوانی
نے جنبشِ لب پر ہی جان دے دی اور ہمارا کام تمام ہو گیا۔

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں یکن اک مسیحا نفسِ کلمات گنی (جگر مراد آبادی)

غزل ۹

متناش گر ہے زائد اس قدر جس باغِ رضوں کا وہ اک گلہ مست ہے ہم بخودوں کے طاقِ نسیاں کا

معنی - متناش گر، مدح کرنے والا۔ باغِ رضوں، باغِ جنت۔ طاقِ نسیاں، جس میں چیزیں رکھ کر قبول جلتے ہیں۔

مطلب - فرماتے ہیں زائد جس باغِ جنت کی اس قدر تعریف کر رہا ہے۔ وہ ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا گلہ مست ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہم بے خودوں کو تو کسی انعام و اکرام کا خیال بھی نہیں۔ ہم محبوب کی ذاتی محبت اور اُس کے حسن و احسان پر پہلے ہی نڈا ہو چکے ہیں۔

بیاں کیا کیجئے بیدار کاوشِ ہائے مژگاں کا کہ ہر اک قطرہٴ خوںِ دانش ہے تسبیحِ مرجاں کا

معنی - تسبیحِ مرجاں۔ مونگے کے دانوں سے بنی ہوئی تسبیح مطلب - فرماتے ہیں، مژگانِ یار کا کیا پوچھتے ہو۔ اُس نے ہمارا دل زخمی کر کے خون میں نہلا دیا۔ ہر لونڈا کی دانشِ مرجان ہے اور ساری لونڈوں نے مل کر تسبیح بنالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کے حسن و احسان کا کیا پوچھتے ہو۔ ہم تو اپنے دل کی دھڑکنوں سے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

نہ آنیِ سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کو لیا دانتوں میں جوتنکا، ہوا ریشہٴ نیستاں کا

معنی - سطوتِ قاتل، محبوب کا رعب۔ نیستاں، بانس کا جنگل (نے) دانتوں میں تنکا لینا۔ اظہارِ عجز و انکسار کرنا۔

مطلب - فرماتے ہیں۔ قاتل کا رعب میرے نالوں کو نہ روک سکا۔ جب میں نے اظہارِ عجز کے لئے دانتوں میں تنکا لیا تو وہ بھی بانسری بن گیا اور تالہ کرنے لگا۔

وہ اگر مل بھی گئے اتہ تو آخو یا خوش نہ عا کیب۔ دہرواُن کے بیاں ہو جائے گا

دکھاؤں کا تماشا، دی اگر فرصت نہ مانے نے مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرورِ چراغاں کا

معنی - سرورِ چراغاں - سرور کی طرح کا جھاڑ خانوس

مطلب - فرماتے ہیں اگر زمانے کے رنج و آلام نے مہلت دی تو میں تمہیں اپنے دل کے داغوں کی سیر کراؤں گا۔ چونکہ مرا ہر داغِ دل ایک بیج ہے - سرورِ چراغاں کا - جو بہت جلد روشن ہو جائے اور اپنی بہار دکھائے گا۔

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلو سے نے کرے جو رتو خورِ شیدِ عالم، شبنمِ ستاں کا

معنی - شبنمِ ستاں، وہ جگہ جہاں شبنم پڑتی ہے - آئینہ خانہ، وہ گھر جس کے چاروں طرف آئینے لگے ہوں - جس کو شیش مل بھی کہتے ہیں۔

مطلب - فرماتے ہیں اے میرے محبوب تیرے جلوؤں نے آئینہ خانے کا وہ حال کیا ہے جو سورج شبنم کے ساتھ کرتا ہے یعنی اسے پگھلا کر پانی بنا دیتا ہے - یہی ہم اہل درد جو آئینہ خانے کے رہنے والے ہیں - ہمیں پگھلا کر پانی بنا دیا - یعنی تر سے حسن و احسان سے پانی پانی ہو گئے ہیں۔

مری تعمیر میں منہر ہے اک صورتِ خرابی کی بیوولی برقِ غمِ کلبے، خونِ گرمِ دہقان کا

معنی - تعمیر، پیدائش، تخلیق - منہر، پوشیدہ - خرابی، دیرانی - بیولا، مادہ - خونِ گرم، منہر شاقہ۔

مطلب - فرماتے ہیں میرا جو دہی فنا ہونے والا بنایا گیا ہے - یہ تو گویا دہقان کی محنت شاقہ سے جو غمِ تیار ہوتا ہے وہ ہمیشہ بجلیوں کی زد میں رہتا ہے

اگاہے گھر میں ہر سو سبز، دیرانی تماشا کر مدارِ آبِ کھوٹنے پر گھاس کھجے میرے درباں کا

مطلب ہے گھر کی دیرانی کا یہ عالم ہے کہ جگہ جگہ خود رو گھاس لگ رہی ہے اور میرے دربان کا مستقل

کام اس گھاس کو کھودنے کا ہی رہ گیا ہے ۔

خوشی میں نہاں تُوں گشتہ لاکھوں آنو میں ہیں چراغِ مُردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا
مطلب مرزا غالب فرماتے ہیں میری خاموشی میں لاکھوں ناکام تمنائیں، حسرتیں چھپی ہوئی ہیں گویا کہ میں
گورِ غریباں کا بچھا ہوا چراغ ہوں۔ چراغ کی نو کو زبان سے تشبیہ دی ہے اور مردہ چراغ
سے بے زباں انسانوں کو۔

ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے دلِ افسردہ گویا تجربہ ہے یوسف کے زندان کا
مطلب ۔ فرماتے ہیں ۔ میں مٹ گیا۔ دل جل گیا۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا لیکن خیالِ یار کا عکس
باقی ہے اور میرا افسردہ دل یوسف کے زندان دلے حجرے جیسا ہو گیا ہے ۔

بغل میں غیر کی آپ آج سوئے ہیں کہیں، ورنہ سبب کیا بہ خواب میں اگر تبسم ہائے نہاں کا
معنی ۔ تبسم ہائے نہاں، ہلکا سا تبسم جو برائے نام ہو۔
مطلب ۔ فرماتے ہیں آپ شاید غیر کے پہلو میں آرام کرتے رہے جو جیسی میرے خواب میں اگر نہیں رہے ہو۔

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا! قیامت ہے، ہر شک آلودہ ہونا تیری مڑگاں کا
مطلب ۔ فرماتے ہیں تیری مڑگاں کا آنسوؤں سے تر ہونا قیامت ہے ہزاروں عشاق کا لہو پانی ہو
کر بہہ گیا ہو گا۔ شاید تیری آنکھوں میں آنسو کی ایک یہی وجہ ہو کہ تو اپنے کئے پر پچھتا رہا ہے
کہیں نے کیوں ہزاروں چلنے والوں کا دل خون کیا ہے ۔

نظر میں ہے ہماری مجاذہ راہِ فنا غالب کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑاتے پریشاں کا
معنی ۔ نظر میں ہونا۔ یاد رکھنا۔ مادہ۔ راستہ ۔ راہِ فنا، فنا ہونے کا راستہ۔ شیرازہ، سلسلہ، انتظام

فرماتے ہیں، ہم نے موت کی حقیقت کو بھلایا نہیں میں چاہے ماہِ انا کا خیال ہر وقت رہتا ہے کہ ایک دن ہم نے اس دنیائے فانی سے گزر جانا ہے نیز ہمیں اس حقیقت کا بھی علم ہے کہ تمام کائنات ایک کتاب کے اوراق کی طرح ہیں۔ فنا ہونے کے بعد پھر ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اس حقیقت کو بھلایا نہیں۔ ہر وقت ہماری نظر میں ہے۔ اللہ اللہ مرزا غائب یہ حقیقت ایک سوچا کس سال پہلے فراموش ہو گئی تھی جبکہ اُس پرینٹنگ کی اس کا علم جدید اور بینوایان کے ذریعہ اب معلوم ہوا ہے ہے کہ جتنی دُنیا بکلی مٹتی ہے اتنی ہی ان کے ذرات سے (طبع) اور نئی دُنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

غزل ۱۰

نہ ہو گا ایک ایسا باں ماندگی سے فوق کم میرا جواب موجِ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

معنی۔ ایک ایسا باں ماندگی، بہت تھک جانا۔ جواب موجِ رفتار، پانی پر بلبل کی رفتار مطلب۔ فرماتے ہیں میں کتنا ہی کیوں نہ تھک جاؤں میرا ذوق دشتِ نرودی کم نہ ہو گا کیونکہ میں بلبل کے نقشِ قدم پر ہوں۔ بلبل موجِ آب پر لگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بڑے مانگی ہے کہ موجِ بوٹے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

معنی۔ ناک میں دم آنا، اتہائی پریشانی کیلئے کہتے ہیں۔ بے دماغی، بد دماغی، نفرت کرنا۔ مطلب۔ فرماتے ہیں انقلابِ زمانہ نے مجھے بد دماغ بنا دیا ہے۔ جن چیزوں سے مجھے محبت تھی اب نفرت ہو گئی ہے۔ اللہ سے عنایب کی آوازِ خواہش یہ بھی ہی نکل گیا، جبکہ اس نے لمبے گل میر تقی میر

غزل ۱۱

سراپا بہنِ عشق و ناگزیرِ اُلفتِ ہستی عبادتِ برق کی کرتا ہوں اور افسوسِ حاصلِ کلا

معنی۔ ناگزیر، جس کا علاج نہ ہو۔

مطلب۔ سراپا اگر فنا پر عشق ہوں۔ اور اپنی جان بھی عزیز ہے۔ عاشق کی مثال آتش پرست کی طرح ہے۔ وہ آگ کی عبادت بھی کرتا اور اسے پر جتا بھی ہے۔ لیکن اس کی جلانے کی قوت سے خوفزدہ بھی

دہتا ہے۔ عبادت کو الفت بہشتی اور برق کو عشق سے تشبیہ دی ہے۔

بقدر ظرف ہے ساقی، خمارِ ترشہ نکامی بھی جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

معنی۔ ظرف، برتن۔ خمیازہ، بدلہ، مکانات، انگڑائی، درج، کنارہ۔

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ اے ساقی شراب پلائے میں اگر تیرا حوصلہ بڑا ہے اور تیرا دل ہے تو میں بھی

دریا کا کنارہ ہوں۔ کہ ہر وقت ترشہ نہ کام رہتا ہوں

مطلب یہ ہے کہ انسانی خواہشات کبھی کم نہیں ہوتیں اور کبھی انسان کی فطرت سیر نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی نعماء کس قدر ہیں لیکن پھر بھی ناشکری کرتے ہوئے اکتا ہی رہتا ہے۔

غزل ۱۲

محرم نہیں۔ پہ تو ہی نوا ہائے راز کا یاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

معنی۔ محرم نہیں، نا آشنا ہے۔ نوا ہائے راز، راز کے نعمات

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ تو خود ہی نا آشنا ہے در نہ جو دنیا میں بظاہر حجاب نظر آتے ہیں وہ پردہ ساز

ہیں جو اپنی زبانِ حال سے کائنات کے نعمات گمارہے ہیں اور اپنے خالق کا پتہ دے دے رہے ہیں۔

دن رات ہر چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ عرفان حاصل کرے۔

رنگ شکستہ صبح بہارِ نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

معنی۔ رنگ شکستہ ہونا۔ رنگ اڑنا یا شگفتن، کھلنا

مطلب۔ فرماتے ہیں میرا اڑا ہوا رنگ صبح بہار کا نظارہ ہے جو میرا محبوب دیکھ رہا ہے اب یہ وقت

ہے کہ وہ بھی اپنے ناز و انداز کے پھول کھلائے۔

مطلب یہ بھی ہے کہ جب کسی فرد کی یا کسی قوم کی حالت ابتر ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم کی متقاضی ہو جاتی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہوتی کہ اب تیرا فضل و کرم
درکار ہے۔

نُو اور سُوتے غیر نظر نہاتے تیز تیز میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
معنی۔ مژہ ہائے دراز، لمبی پلکیں۔

مطلب۔ فرماتے ہیں تیرا غیہ کہ بغور دیکھنا میرے رشک و حسد کا باعث ہو رہا ہے۔ اندیشہ ہے کہ
جس طرح تیری پلکیں میرے دل پر بچھیاں بن کر گری ہیں اور مجھے اپنا حید کر لیا ہے کہیں غیر
میں تیرا عاشق نہ بن جائے۔

صرف ہے ضبط آہ میں میرا، وگرنہ نہیں طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا
مطلب۔ فرماتے ہیں میں جو ضبط آہ کرو رہا ہوں اسی میں میرا فائدہ ہے۔ ورنہ ایک ہی آہ مجھے اپنا قہر
بنائے گی اور میرا خاتمہ ہو جائے گا۔ میری آہ مجھے خاک کر دے گی۔

ہیں پس کہ جوشِ بادہ سے شیشے اُچھل رہے ہر گوشہ سببا ہے، سر شیشہ باز کا
معنی۔ شیشہ باز، بوتلوں کو اُچھال کر تماشہ کرنے والا۔
مطلب۔ فرماتے ہیں موسمِ بہار آنے کی وجہ سے جوشِ بادہ نظر آ رہا ہے۔ شیشوں نے اپنی اپنی جگہ
اُچھلنا شروع کر دیا ہے۔
مطلب یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہوتے ہیں تو ہر طرف خوشی اور مسرت
کا منظر پیش کرتے ہیں

کاوشن کا دل کے بے تہ افسا، کہ ہے بنور ناخن پہ قرض، اس گروہِ نیم باز کا
مطلب۔ فرماتے ہیں ہمارا دل ہم سے تھکا ہوا ہے کہ ہے بنور

لئے ناخن پہ یہ قرض واجب ہے لہذا یہ صورت ہے کہ ہم جب ہی سے اپنا دل نوچ رہے ہیں تا ناخن پہ کوئی قرض باقی نہ رہے۔

تاراج کاوشِ غم بھراں ہوا اسد سینہ، کہ تھا دفسنہ گہرائے راز کا
مطلب۔ فرماتے ہیں غم بھرنے ہمارے دل کو لٹ کر تاراج کر دیا ہے اور جس قدر رازِ عشق تھے
یا رازِ حقیقت ہمارے سینہ سے وہ سب دفسنہ لٹ گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہجر کر
آؤ ورنہ اسے سب راز افشا ہو گئے ہیں۔

غزل ۱۳

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا رکھیو یارب! یہ درگنجینہ گوہر کھلا

معنی۔ گنجینہ، خزانہ، دینہ، کان

مطلب۔ قلعہ معلّٰی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بزمِ شاہنشاہ میں بزمِ سخن کا دور شروع ہو گیا
ہے۔ یارب اس درگنجینہ گوہر کو یعنی کان گوہر کو تادیر۔ الامت رکھیو۔

شب ہوئی پھر انجمِ زرخندہ کا منظر کھلا اس تکلف سے کہ گویا بت کدے کا در کھلا

معنی۔ زرخندہ، چمکتا ہوا۔ انجم زرخندہ سے مراد اشعار ہیں۔

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ رات ہو گئی چمکنے والے تارے جگمگانے شروع ہو گئے اور آسمان پر چمکنے
والے ستاروں کا منظر پیش کر رہا ہے اور یہ شاعر نہایت تکلف اور اہتمام سے شروع ہوا
ہے گویا کہ یہ بت کدہ کھلا ہے جو غزلیں اور اشعار پڑھے جاتے ہیں ان کو مجھے اور بتوں سے
تشبیہ دی ہے۔ ہر شعر ایک حبیب اور خوبصورت بخت کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔

گرچہ تہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب آستین میں دشمنی پٹھان ہاتھ میں نشتر کھلا

مطلب - فرماتے ہیں گو کہ میں دیوانہ ہوں۔ پر دوست، نہاد دشمن کو پہچانتا ہوں۔ میں اس کے فریب میں نہیں آؤں گا۔ اس کی آستین میں چھری پوشیدہ ہے۔ گو بظاہر وہ فصد لگانے کے لئے ہاتھ میں نشتر لئے ہوئے ہیں۔ اس شعر میں دوست، نہاد دشمنوں کا ذکر کیلئے جن کی زباں شیریں لیکن دل کینہ سے بھرا ہوتا ہے۔ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔

گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں، گو نہ پاؤں اُس کا بھید پر یہ کیا کہ ہے کہ مجھ سے وہ پری پس کر کھلا

معنی - یہاں کھٹنے کے معنی بے تکلف ہونے کے ہیں۔

مطلب - فرماتے ہیں یہ سچ ہے کہ میں اُس کی باتیں نہیں سمجھتا اور نہ اُس کے پوشیدہ بھیدوں کو پا سکتا ہوں۔ لیکن یہ کیا کم ہے کہ وہ پری پس کر بے تکلف ہو گیا ہے اور یہ میری خوش نصیبی نہیں تو اور کیا ہے۔

ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال فُلک کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

مطلب - فرماتے ہیں میں خیالِ حُسن یا در میں ایسا محو ہو گیا ہوں کہ اسی کو اب حُسنِ عمل سمجھتا ہوں۔ اس سے بہتر اور کوئی کام نظر نہیں آتا۔ محبوبِ حقیقی کے تصور اور اس کی صفات پر غور و فکر کرنا عبادت ہے۔ اسی وجہ سے جنت کی کھڑکی میری قبر میں کھل گئی ہے۔ نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب کوئی نیک خیال میں دل میں محرزنا تو اللہ کے نزدیک نیکی شمار کر، جاتی ہے اور بدی کا خیال اگر اُٹھے بھی اور اس پر عمل نہ کیا جائے تو بدی شمار نہیں ہوتی۔ الحمد للہ

مُنہ نہ کھٹنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں زُلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا

مطلب - فرماتے ہیں منہ نہ کھٹنے پر وہ عالم ہے کہ اُس محبوبِ حقیقی کے حُسن کا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اور

وہ خود تہاں ورنہاں ہے۔ باوجود اس نقاب کے جو ظورِ تجلیات میں اس کو بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔ زلف پورے چہرے پر بہت خوبصورت لگتی ہے۔ اسی وجہ سے نقاب اور زلف کی تشبیہ دی ہے۔ الفاظ کا انتخاب نہایت دلخیز ہے جیسے کہ دیکھا ہی نہیں۔
میرے استاد جناب سلیم شاہ ماہم پوری نے کیسی حسین تصویر کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں۔۔۔
آئینہ دار جلوۂ فطرت ہے کائنات
کتنی حسین نقاب ہے رخ پر پڑی ہوئی

در پہ رہنے کو کہا اور کہسے کیا ما پھر گیا جتنے عرصہ میں مرا ایسا ہوا بستر کھلا
مطلب۔ شعر نہایت آسان ہے۔ محبوب کی شوخی اور تلون مزاجی کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور یہ کہ محبوب کی بیگانگی کی غمخیزی بھی کرتا ہے۔

کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول آج ادھر کو ہی ہے گاہ دیدہ اختر کھلا
مطلب۔ اپنے آپ سے ہی سوال کرتے ہیں پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ اس اندھیری رات میں بلاؤں کا نزول ہو رہا ہے اسی لئے تمام ستارے بھی آسمان کی طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔

کیا بھول غمِ غربت میں خوش جب ہو جزاؤں کا یہ حال نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا
مطلب۔ فرماتے ہیں تکالیف اور مصائب سے بچنے کے لئے وطن کو خیر باد کہا تاکہ پرہیز میں خوشی نصیب ہوگی۔ مگر دائیہ قسمت یہاں بھی چین نہیں لٹا۔ نامہ بر اکثر خطوط کھلم کھلمے ہوئے لاتا ہے جن میں اکثر کسی عزیز کی مرگ کی خبر ہوتی ہے۔

اس کی اُمت میں ہوں میرے ہیں کیوں کام بند واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا
مطلب۔ یہ قطعِ نعتیہ ہے۔ اس میں معراج کا ذکر کسی حُسن و خوبی سے کیا ہے اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے واسطے اور طفیل سے اپنی مشکلات کے حل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

غزل ۱۴

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا شعاعِ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا

معنی - زہرہ، پتا، جوالہ، لپٹ، شعلہ، گرمی، سوز، شق

مطلب - فراتے ہیں کل رات میرے سوزِ دل کی گرمی سے ابر کا پتا پھٹ گیا یعنی پانی ہو گیا اور جس سمندر یا دریا میں وہ پانی گرا اس کے بہنور بھی گرمی کی حدت سے شعلہ جوالہ بن گئے۔

واں کرم کو عذریا بارش تھا عزاں گیر خرام گریہ سے یاں نپٹہ باش کف سیلاب تھا

مطلب - فراتے ہیں میرے محبوب کو بارش کا بہانہ مل گیا اور اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا، لیکن اس کے انتظار میں شدتِ گریہ سے ہوا، انجیکہ اتنا تر ہوا کہ اُس کی ردنی کف سیلاب بن گئی۔

یہاں کرم سے محبوب مراد یا ہے۔ (نپٹہ - ردنی کی گولی - بارش، انجیکہ)

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال یاں جہوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا

مطلب - فراتے ہیں وہاں تو ہمارے محبوب کو بناؤ سنگار سے فرصت ہی نہ تھی۔ اور اسی مصروفیت میں وعدہ بھی بھول گئے اور یہاں ہمارا یہ حال تھا کہ اس قدر روئے کہ تارنگہ بھی نایاب ہو گیا۔ یعنی نظر و ہندلی ہو گئی اور تارِ نظر نے بھی اپنا کام ترک کر دیا۔

جادو گل نے کیا تھا واں چراغاں آبِ جو یاں رولِ مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

مطلب - فراتے ہیں واں تو کثرت سے پھول کیلے ہوئے تھے۔ اور اُن کے عکس نہر کے پانی میں، چراغاں ہو رہا تھا اور ادھر بہاری یہ حالت تھی کہ ہماری آنکھوں سے خون کا دریا بہہ رہا تھا۔

یاں ہر پُرسُور بے خوابی سے تھا دیوار جو واں وہ فرقِ نازِ زریبِ بالِشِ کم خواب تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں میرا ہر پُرسُورِ فرقت میں بیاب تھا۔ اور نیند آتی نہیں تھی۔ اس لئے ہر پُرسُور
دیوارِ مٹہ و نڈر رہا تھا اور اُدھر ہمارا فرقِ ناز (محبوب) کم خواب کے تکیہ پر سر رکھے آرام کر
رہا تھا۔

یاں نفس کرتا تھا روشنِ شمعِ بزمِ بے خودی جلوہ گلِ واں بساطِ صحبتِ احباب تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں یہاں ہماری گرم آہیں ہماری بزمِ بے خودی کو روشن کر رہی تھیں۔ لیکن بزمِ محبوب
میں فرش کے اُوپر پھولوں کا بچھونا تھا یعنی خوشی اور مسرت کے ساتھ ہمارا محبوب اپنے
دوستوں کے ساتھ جو گفتگو تھا۔

فرشِ مینہ نعرِ ششِ واں طوفان تھا سورجِ رنگ کا یاں زمیں سے آسمان تک سوختن کا یاب تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ وہاں یعنی بزمِ محبوب میں زمین سے آسمان تک خوشی و مسرت کے نغمات اُڑیں
کے رنگ میں اُٹھ کر طوفان برپا کر رہے تھے۔ اور یہاں زمین سے آسمان تک جلانے کے
لئے آگ ہی آگ تھی۔

ناگہاں اس رنگ سے خوںِ نابِ پیکانے لگا دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں ایک لحظت میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اسی زمین میں ایک غزل اور
کہی جائے جیسا کہ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ناگہاں اس رنگ سے خوںِ نابِ پیکانے لگا۔ وہ دل
جو ناخن کی کاوش سے لذتِ یاب ہو چکا تھا۔

غزل ۱۵

نالہ دل میں شرب، اندازِ اثرِ نایاب تھا تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیرِ گو بے تاب تھا

معنی - سپند، کالا دانہ (جس سے بچوں کی نظر بھی اٹارتے ہیں)

مطلب - فرماتے ہیں نالہ دل میں راتِ اثرِ مطلق نہ تھا گو کہ نالہ بے تاب تھا۔ بار بار زبان پہ آتا تھا۔
اور نالہ دل بزمِ غیر کے لئے نظر انداز نہ والا کالا دانہ بن گیا تھا۔ کیونکہ وہاں ہمارا معشوق جلوہ افروز تھا۔

مقدمِ سیلاب کے دل کی نشاطِ آہنگ خانہء اشقِ مگر از صدائے آب تھا

معنی - صدائے آب، جلِ تنگ جو مختلف مقدارِ پانی کی بہت سی پالیوں کو بھر کر بجایا جاتا ہے۔

مطلب - فرماتے ہیں سیلاب کی آمد سے میرا دل خوشی محسوس کر رہا ہے۔ شاید (خانہء عاشق) یعنی میرا دل سازِ صدائے آب سے ہم آہنگ ہے۔ مراد یہ ہے ناز و فریادِ دل کو اس آگیا ہے۔

نازشِ آیامِ خاکِ تر نشینی، کیا کہوں پہلوئے اندیشہء وقفِ بسترِ سنجاب تھا

معنی - سنجاب، پرستین، کھال کا بنا ہوا کپڑا بستر پہلوئے اندیشہء سوچ کا انداز

مطلب - فرماتے ہیں۔ جب ہم خاکِ نشین تھے اُس وقت بھی فخر و ناز ہماری طبع تھی۔ ہم زمین پر سوتے تھے تو اس کو بسترِ پرستین سمجھتے تھے۔ (مسندِ سنجاب) یہ سوچ ہماری قناعت کی شاہکار تھی۔

کچھ نہ کی، اپنے جنونِ نارسانے، ورنہ یاں ذرہ ذرہ، روشِ خورشیدِ عالمِ تاب تھا

معنی - کچھ نہ کی، کچھ نہ کر سکا۔ جنونِ نارسا، ناکام رہا۔ جنونِ ناقص رہا۔

مطلب - فرماتے ہیں ہمارا عشقِ کامل نہ ہوا۔ ناقص ہی رہا۔ جو کچھ کر سکتا تھا وہ نہ کیا۔ ورنہ دنیا کا تو

ذَرّہ ذَرّہ محبوبِ حقیقی کی چہرہ نمائی کے لیے خورشیدِ عالم تاب سے زیادہ روشن اور خوبصورت تھا۔

آج کیوں پروا نہیں اپنے سیروں کی تجھے؟ کل تک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

مطلب۔ فرماتے ہیں آج کیا بات ہے کہ تجھے اپنے عشاق کی پروا نہیں۔ کل تک تو تیرا دل مہر و وفا کا دروازہ بنا ہوا تھا اور تو ہر وقت اپنے عشاق کی خبر گیری کرتا رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس شعر میں محبوبِ حقیقی سے خطاب ہوا اور مسلمانوں کے عروج و زوال کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہو۔

یاد کرو وہ دن، کہ ہر اک حلقہ تیرے دلم کا انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا

مطلب۔ فرماتے ہیں، اُن دنوں کو یاد کرو کہ تیرے ہال کا ہر ایک حلقہ دن رات شکار کے انتظار میں دیدہ بے خواب کی طرح کھلا رہتا تھا۔ حلقہ دام کو تشبیہ دیدہ بے خواب سے دیا ہے۔

میں نے روکارتِ غالب کو وگرنہ دیکھتے اس کے سیلِ گریہ میں گزروں کفِ سیلاب تھا

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ رات میں نے غالب کو رونے، گریہ و آہ و زاری کرنے سے روک رکھا ورنہ اُس کا سیلِ گریہ اتنا بلند ہوتا کہ آسمان کو چھو لیتا اور آسمان اُس کا کفِ سیلاب بن جاتا۔
(مبالغہ آرائی اپنی حدوں کو چھو رہی ہے۔ شاعر)

غزل ۱۴

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب خونِ جگر، ودیعتِ مزگانِ یار تھا

مطلب۔ فرماتے ہیں، میرے جگر میں جتنا خون تھا وہ سب مزگانِ یار کی امانت تھا۔ اس لئے مجھے ایک ایک قطرے کا حساب دینا پڑا۔ تمام تو تیرا جی کہ جن بھی یار ازل کی امانت ہے اس لئے ان سب کا جائز استعمال ہونا چاہیئے۔ ودیعت یہاں امانت کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

اب نہیں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

معنی - تمثال، پیکر، صورت

مطلب - فرماتے ہیں تو نے آئینہ میں اپنا ثانی جو دیکھا تیرے غرور حسن کو گوارا نہ ہوا اور تو نے دیں
آئینہ توڑ ڈالا میں آئینہ میں تیرا حسن دیکھ کر غفلت ہو رہا تھا۔ بلے تو نے یہ کیا کیا۔ میری تمام
آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اب میرے لئے صرف ماتم ہی رہ گیا ہے کہ اسے محبوب تو نے میرے
آئینہ دل کو توڑ کر میری ہزاروں آرزوئیں کا خون کر دیا

گلیوں میں میری لاش کو کھینچے پھر وہ کہیں جاں دادہ ہوا سے سہرہ گزار تھا

مطلب - فرماتے ہیں، میں نے محبوب کی رہ گزشتہ میں جان دے دی ہے۔ اس لئے میری لاش کو گلیوں
میں گھسٹتے پھر ویہ ہی میرا انعام ہو گا۔ (ہو سکتا ہے اس طرح میں کوچہ یا میں پہنچ کر اپنی مراد پاؤں)

موج سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ہرزہ مثلِ جوسر تیغ آب دار تھا

مطلب - فرماتے ہیں دشتِ وفا کا کیا حال پوچھتے ہو وہ تو موجِ سراب ہے۔ یہاں کام ہرزہ موجِ
سراب کی مانند دھوکہ دینے والا تیغِ آب دار کی دھار کے مانند ہے یعنی جو لوگ راہِ وفا میں
قدم رکھتے ہیں، انہیں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔

کہ جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب دیکھا تو کم ہوئے غمِ روزگار تھا

مطلب - اس نغزل میں مطلع ہے نہ مقطع فرماتے ہیں۔ ہم اپنی کوتاہ اندیشی کے سبب غمِ عشق کی
کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے بلکہ ایک کیل ایک مشغلہ جانتے تھے۔ لیکن واسطہ پڑا تو معلوم ہوا کہ
غمِ عشق تنہا بھی غمِ روزگار سے کہیں زیادہ ہے۔

غزل ۱۷

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی نیست نہ ہیں انساں ہونا
مطلب۔ فرماتے ہیں، دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے، آدمی بوجہ آدم کی اولاد ہونے
کے آدمی کہلاتا اور انس کو انسان بھی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ انسان نہیں بنتا جب تک
اپنے خالق کا انس اور مخلوق خدا کا انس اس کے دل میں پیدا نہ ہو اور ان دعا گشتوں کی
بدولت وہ انسان کہلانے کا مستحق بنتا ہے۔

گریہ چاہے ہے خرابی مر کے کاشانے کی درو دیوار سے ٹپکے سے بیاں ہونا
مطلب۔ رات دن روتے رہنا انجام کار میرے گھر کی تباہی کا باعث بنے گا۔ درو دیوار پر غصہ
برس رہی ہے ہر چیز ننگین و آفس ہے۔ یہ گریہ سیلاب کی صورت بن کر میرے گھر کو بہا لے
جائے گا اور میرا گھر کھنڈ بن کر بیاں کی صورت پیدا کرے گا۔

وائے دیوانگی شوق کہ سرم مجھ کو آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا
معنی۔ دیوانگی شوق، کثرت شوق، بیتابی شوق
مطلب۔ فرماتے ہیں افسوس مجھے بیتابی شوق نے پاگل کر دیا، ایسا خود رفتہ ہو گیا ہوں کہ بار بار
کوچہ جانوں کی جانب شوق جہل ہو کر جاتا ہوں اور باریابی نہ ہونے کی وجہ سے حیران و
پریشان ہو جاتا ہوں۔

جلوہ از لیس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے جو ہر آنہ بھی چاہے ہے مگر کلاں ہونا
معنی۔ جلوہ یار ہی چاہتا ہے کہ مجھے دیکھا جائے، میرا دیدار کیا جائے نیز جو ہر آنہ ہی صاف و

شفا فرموانے کے باعث مڑگان بن کے عشاق کے دلوں پر برچھیاں برسا رہا ہے۔ اُمید کو
انکھ سے تشبیہ دی ہے۔

عشرتِ قتل کہ اہلِ تمنا مت پوچھ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
مطلب۔ فراتے ہیں مقتل میں اہلِ تمنا کی خوشی کا حال نہ پوچھ۔ شمشیر یا رکی عریاں شہادت طلب
لوگوں کے لئے عید کا نظارہ پیش کر رہی ہے شمشیر کو ہلالِ عید سے تشبیہ دی ہے۔

لے گئے خاک میں ہم داغِ تنائے نشاط تو ہو، اور آپ بہ صد رنگِ گلستاں ہونا
مطلب۔ فراتے ہیں کہ ہم تو قبر میں داغِ تنائے نشاط لے کر جاتے ہیں لیکن مرتے مرتے یہ دماکتے
ہیں کہ اے محبوب تجھے ہر قسم کی مُستریں نصیب ہوں اور تیرا آفتاب کبھی گہنے نہ پائے۔
جیرا داغِ اندوا بہ تک پہون پھلنا رہے۔

عشرتِ پارہٴ دل، زخمِ تمنا کھانا لذتِ ریشِ جگر، غرقِ مسکلاں ہونا
مطلب۔ فرماتے ہیں دل کے ایک ایک ٹکڑے کا زخمِ تمنا کہ انا عاشق کے لئے باعثِ مُسرت و
شادمانی ہے اور زخمِ جگر کا بھی نمکدان میں ڈوبے رہنا بھی اپنے اندر ایک لذت رکھتا ہے

کی مرتے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ لائے اس زودِ پشیمانی کا پشیمانی ہونا
مطلب۔ فرماتے ہیں زندگیاں بھر میرا محبوب جفا میں کرتا رہا۔ لیکن اس کو کبھی پشیمانی نہیں ہوئی لیکن
میرے قتل ہوتے ہی اس نے جفا سے توبہ کر لی۔ طعنہ زودِ پشیمانی کہ اس ہے۔ اگر زندگی میں وہ
اپنی جفاؤں پر پشیمانی ہو کر اُندہ کے لئے توبہ کر لیتا تو عاشق کو اس کی مراد مل جاتی لیکن بعد
قتل اس کی پشیمانی سے عاشق کو کیا فائدہ۔

حیف اُس چار گروہ کیڑے کی قسمت غالب جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
مطلب۔ فراتے ہیں عشاق و حشمت میں اپنا گریباں چاک کرتے ہیں۔ (اور یہ گریباں چار گروہ کیڑا ہی ہونا)

ہے۔ تو اس چار گرہ کپڑے کے حلق پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے جو ہر وقت عاشق کی دست درازی کی زد میں رہ کر میتھڑے میتھڑے ہو جاتا ہے۔

یہ شعور واقعہ طلب ہے۔ ہے اور وہ اس طرح کہ قمار بازی کے جرم میں مرزا صاحب کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ وہاں اُن کے کپڑے اتنے میلے ہو گئے کہ اُن میں جوئیں پڑ گئیں۔ جب قید سے رہا ہوئے تو گریبان پہاڑ کر میلا کرتہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اُس وقت یہ شعر کہا۔ بعد ک تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ شعور واقعہ جیل سے پہلے کہا گیا۔

غزل ۱۸

شبِ خمارِ شوقِ ساقیِ رستخیز اندازہ تھا تا محیطِ بادہِ صورتِ خانہِ خمیازہ تھا
معنی۔ رستخیز، ہنگامہ اقامت۔ خمار، نشہ کے آثار کو کہتے ہیں۔ رستخیز اندازہ، قیامت کا منظر تھا۔ کیفیت تھی۔

مطلب۔ فرماتے ہیں راتِ ساقی نے شراب پلا لے میں تاخیر کی تو ہماری طرح شراب کے بڑوں نے انگوٹیاں لینی شروع کر دیں (لشہ اترتے وقت انگوٹیاں آتی ہیں) اور شراب کے بڑوں نے سراٹھانا شروع کر دیا اور بعث بعد الموت کا منظر پیش کرنے لگے
یک قدمِ وحشت، درسِ دفترِ امکان کھلا جادہ، اجڑاتے دو عالمِ وحشت کاشیہ ازہ تھا
معنی۔ وحشت، میدانِ عشق، صحرائے عشق، جادہ، راستہ، رسم، طریقت۔ جادہ وحشت دو عالم دونوں جہان کی کیفیات

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ابھی وحشت میں ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ دفترِ امکان کا سبق کُل کر میرے سامنے آگیا۔ اور مجھے علم ہو گیا کہ دونوں جہان کی کیفیات کی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ راوِ عشق میں قدم رکھتے ہی مجھے دنیا جہان کے نشیب و فراز سے ابھری ہو گئی

بلخ و حشتِ فخرامی ہائے لیلیٰ کون ہے خانہ مجنونِ صحر اگر دے دروازہ تھا
 فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ لیلیٰ کنی بار مجنوں سے ملنے دشتِ قیس میں گئی اور بغیر ملے
 ہوئے طلبِ انگلی۔ لیلیٰ کو کس نے روکا تھا۔ کون سی وہ روک تھی حالانکہ خانہ مجنوں میں نہ
 دروازہ تھا نہ دربان۔ شاید حسنِ لا پرواہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کو بھی اپنے خالق و مالک
 سے ختمِ محبت ہو اور وہ اس سے ملنے کا خواہش مند ہو تو اس کے لیے کوئی روک نہیں ہے۔

پوچھ مہمتِ رسوائی اندازِ استغلتے حسن دستِ مہزونِ حنا، رخسارِ رہنِ غازہ تھا
 مطلب۔ فرماتے ہیں حسنِ معشوق کو آرائشِ جمال سے مستغنی مت خیال کر۔ یہ اس کے لئے موجبِ رسوائی
 ہوگا۔ دستِ معشوق ہندی کے منت پریریں اور رخسارِ معشوق غازہ کے

آرائشِ جمال کے لئے ہاتھوں کو ہندی کی ضرورت ہے اور رخسار کو تابدار بنانے کے لئے غازہ بھی
 ایک ضرورت ہے۔ کیجئے۔ یہ انِ عالم کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ان کا حسن و جمال جو
 مہزونِ حنا اور محتاجِ غازہ بنے ان کے لئے کس رسوائی کا باعث بن رہا ہے لوگ انہیں
 لیلیائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کا سامانِ آرائش انہیں اپنی طرف کھینچ رہا ہے

نالہ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بہ باد یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا
 معنی۔ نالہ دل۔ دل کو بے اختیار صدا پکار۔ اوراقِ دل۔ دل کے ٹکڑے یعنی عالی مضامین
 بہ باد، ہوا میں، ہوا میں اڑا دیئے۔

فرماتے ہیں۔ میرے دل نے جو بے اختیار عالی مضامین فضائے عالم میں پھیلائے ہیں وہ اصل میں
 یادگارِ نالہ ایک دیوانِ بے شیرازہ تھا۔ یعنی ان اوراقِ دل کو یکجا نہیں کیا تھا۔ اور انہیں بھی
 ترتیب نہیں دیا تھا۔

غزل ۱۹

دوستِ غمِ خواری میں میری سی فرمائیں گے کیا؟ زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیں گے کیا؟
 مطلب۔ فرماتے ہیں احباب ورشتہ دار میری غم خواری کی کوشش اور کیا مدد کریں گے اگر بالفرض
 میرے ناخن بھی کاٹ دینے میں سے دیوانگی میں اپنے زخموں کو نوچتا ہوں۔ تو کیا جب تک
 زخم مندمل ہو گا میرے ناخن نہ بڑھ جائیں گے جن سے میں اپنے زخموں کو پھر نوچ ڈالوں گا۔
 مطلب یہ ہے کہ اگر ایک مصیبت کے وقت میری مدد کریں گے تو کیا اس سے تمام مصائب ختم ہو
 جائیں گے۔ بلکہ اس زندگی میں تو نئے زخم لگتے رہتے ہیں۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پر کب تک ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟
 مطلب۔ محبوب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ بندہ پر در تمہاری لا پرواہی حد سے گذر گئی۔ ہے کہ ہم
 کب تک داستانِ غم تم کو سناتے رہیں گے اور آپ انجان بن کر کہتے رہیں گے کہ کیا کہا؟ اس
 لفظ کیا میں سوال بھی ہے اور حالِ دل کہنے پر خفگی کا اظہار بھی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت ناصح گرائیں دیدہ و دل فرس راہ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟
 مطلب۔ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ناصح مجھے نصیحت کرنے کے لئے آنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے
 تشریف لائیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے جنونِ عشق سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تلقین ہی
 کریں گے جو میرے بس کی بات نہیں اور وہ اپنا سامنہ لے کر واپس جائیں گے۔

آج داں تیغ و کفن باندھے ہوئے جانا ہوں میں غمِ میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟
 معنی۔ کفن سر سے باندھنا، جان دینے کے لئے تیار ہونا۔

مطلب۔ فراتے ہیں اب ہمارے معشوق کو ہمارے قتل نہ کرنے کا کوئی بہانہ ملتا نہیں آئے گا۔ ہم تلوار خود ہی لے کر چلتے ہیں۔ اور کفن بھی ساتھ ہی لے جا رہے ہیں۔ وہ جان لیں گے کہ ہم جان دینے پر راضی ہیں جب ہی تو کفن بھی ساتھ لائے ہیں۔ محبوب کی بے اعتنائی پر جان سے بیزاری اور اپنی سرفروشی کا اظہار ہے۔

گر کیا ناصح نے ہم کو قید۔ اچھا ایوں ہی بیجنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟
مطلب۔ فراتے ہیں کہ بالفرض ناصح ہیں قید بھی کر لے اور دن رات ترکِ عشق کی تلقین بھی کرتا رہے پھر بھی اسے کوئی کامیابی نہ ہوگی۔ ہمارے انداز جو جنونِ عشق سے پیدا ہو چکے ہیں۔ ویسے کے ویسے ہی رہیں گے ہم عشق و محبت اور محبوب کے متعلق ہی سوچتے رہیں گے خواہ وہ کتنا ہی زور کیوں نہ لگائے۔

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟ ہیں گرفتارِ وفا۔ زنداں سے گھبراہٹیں گے کیا؟
معنی۔ خانہ زاد۔ مالک کے گھر میں پیدا ہونے والا غلام
مطلب۔ فراتے ہیں ہم زنجیر سے نہیں ڈرتے ہم تو خانہ زادِ زلف ہیں اور زنداں سے بھی نہیں گھبراتے ہم تو پہلے ہی وفا کے دستور کے قیدی ہیں۔ زنجیر کو زلف سے اور قید و وفا کو زنداں سے تشبیہ دی ہے۔

ہم تو محبوب کی گھونگر والی زلف کے عاشق بلکہ خانہ زادِ غلام ہیں اس لئے اگر ہم کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تو ہم اس سے آزاد ہونا ہرگز پسند نہ کریں گے۔ اور چونکہ پہلے ہی سے وفاداری کی قید میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے زنداں میں ڈال دیئے جائیں تو ہمیں کوئی گھبراہٹ یا پریشانی لاحق نہ ہوگی۔

نقد۔ فیہ نفس بزمی اسیرِ عشق لے پائے ہونا اور لپچہ ملتے ہوئے زنجیر کا (شمار ۲)

ہے اب اس معرورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد ہم نے یہ مانا کہ دلی میں بیس کھائیں گے کیا؟
معنی - معمرہ بستی

مطلب - فراتے ہیں۔ اب اس بستی میں قحطِ غمِ الفت ہے حسینانِ دلی بوجہ انقلاب کے ادا ہو کر
ہو گئے ہیں۔ لہذا قحطِ غمِ الفت ہے۔ اور ہم عاشق مزاج دافع ہوئے ہیں۔ اگر دلی میں بیس گے
تو ہماری غذا جو عشقِ حسیناں ہے وہ کہاں سے آئے گی اور ہم فاقوں سے مر جائیں گے۔

غزل ۲۰

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے یہی منتظر ہوتا
مطلب - مرزا صاحب مرتے وقت دل کو تسلی دیتے ہیں کہ ہماری قسمت میں وصالِ یار لکھا ہی نہ
تھا۔ اگر کچھ دن اور بھی جیتے تب بھی انتظار کی گھڑیاں گنتے رہتے۔ انتظار رہنا دلِ عاشق
کے لئے ضروری ہے۔ دردِ وہ کیا عشق ہے جس میں وصالِ یار کی امید ہی نہ ہو۔

ترے وعدے پر جیتے ہم۔ تو یہ جان چھوٹ جانا کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
مطلب - محبوب سے مخاطب ہیں اور اس کی اس غلط فہمی کو اور کرنا چاہتے ہیں کہ میں اس کے
وعدہ کا اعتبار ہوتا اور ہم اس کے ایقانے انتظار میں زندگی بسر کرتے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے
کہ اگر میں اس کے وعدہ پر اعتبار ہوتا تو خوشی کی شدت کو برداشت نہ کر سکتے اور زندگی سے
اتمد و صوابیٹے۔

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہدِ بودا کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر استوار ہوتا
مطلب - ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تیری نزاکت اس عہدِ وفا کو برداشت نہ کر سکے گی جو تو نے

باندھا ہے۔ مگر عہد وفا استوار ہوتا تو تو کبھی اس کو توڑ نہ سکتا۔ یعنی تو نے اپنی نزاکت کو خیال
لیتے عہد باندھا تھا

کوئی میرے دل سے پلوچھے ترے تیر نیم کش کو غیلاش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا؟
معنی تیر نیم کش، وہ تیر جس کو مارتے وقت کمان پوری طرح نہ کیچنی جائے۔

مطلب۔ فرماتے ہیں اس تیر نیم کش کی غیلاش کوئی مجھ سے پوچھے کیونکہ اگر بھر پور طریقہ سے چلایا جاتا
تو ہلاک کر داتا۔ اس تیر نیم کش سے جو ہر وقت میٹھا میٹھا درد پیدا ہوتا رہتا ہے وہ کس
طرح پیدا ہوتا۔ یہ نہ انداز چاہیں گے۔ مجھے شکاک کرتے ہیں ایک تیر میں جو جگر کے پار ہوتا
(شاعر)

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنیائے دست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا۔ کوئی غم گسار ہوتا
مطلب۔ فرماتے ہیں یہ کیسی دوستی ہے کہ ترک عشق کی تلقین کرتے ہو۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم میں سے
کوئی مجھ کو دیب سے ملانے کی کوشش کرنا۔ کوئی غم بنانا۔

مطلب یہ۔ ہے کہ دوستی صرف پسند و ناصح کا نام نہیں بلکہ بوقت مصیبت کوئی چارہ سازی
کے کوئی غمگساری کرے۔ اسی مضمون کو ایک اور شعر میں یوں بیان کرتے ہیں۔

وگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جب آنکھ ہی سے نہ پکا تو پھر ہو کیا ہے

فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ خون تو رگوں میں گردش کرتا ہی رہتا ہے اور یہ اس
کا معمول ہے۔ لیکن جب دل پر چوڑا لگتی ہے تو پھر یہی خون شہتِ غم میں آنکھوں سے
پٹکنے لگتا ہے جس سے اس کے کارآمد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

رگِ سنگ ٹپکتا وہ لہو کہ میر نہ تھمتا جسے غم سمجھ رہا ہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

مطلب۔ فرماتے ہیں غم کی کیفیت سے ناواقف ہو۔ یہ شرار نہیں ہے اگر شرار ہوتا تو پتھروں
میں سے خون پٹکنے لگتا بلکہ غم تو شر سے کہیں زیادہ طاقت رکھنے والی شے ہے۔ غم کو

برداشت کرنے کی قوت صرف انسان کو ودیعت کی گئی ہے اور اس غم سے غم عشق ہی
مراہ ہے۔ پھر کو یہ طاقت حاصل نہیں۔

غم اگرچہ جاں گسل ہے کہ ہر جاں بچیں کہ دل ہے غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
معنی۔ جاں گسل۔ جان کو گھٹانے والا۔

مطلب۔ فرماتے ہیں ہمیں دل ملا ہے اور دل موردِ آفات اور مخزنِ رنج و آلام ہے۔ دل
اور غم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر غم عشق نہ ہوتا تو یقیناً غم روزگار نہ ہوتا۔

کہوں کہ میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
مطلب۔ فرماتے ہیں شبِ غم کی حقیقت یا تاؤں۔ کس سے کہوں کس کو بھاؤں۔ یہ تو بہت بُری
بلا ہے۔ ہزاروں موت اپنے اندر لئے ہوئے۔ ہر گھڑی، ہر سانس موت ہے۔ میرے نزدیک
ایک دفعہ جان دینا تو کوئی بُری بات نہ تھی۔ مگر یہ عشق میں شبِ غم ایک دفعہ نہیں ہزاروں
مرتبہ جان لیوا بن جاتی ہے۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں غرقِ دریا؟ نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ کہیں غرقِ دریا ہوتے تو قبۃِ تمام ہو جاتا نہ کسی کو جنازہ اٹھانا پڑتا نہ کسی
کو ہمارے مزار پر فاتحہ پڑھنے جانا ہوتا۔ اس قدر رسوائی نہ ہوتی۔ کاش گناہ جگہ پر
خاموشی کے ساتھ دریا میں ڈوب کر مر جاتے۔

اُسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ کیسا؟ جو دُونی کی بُو بھی ہوتی، تو کہیں دو چار ہوتا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ محبوبِ حقیقی کا یگانہ ہونا۔ یگانہ ہونا اس بات سے ثابت ہے کہ وہ کہیں
کسی سے دو چار نہیں ہوا۔ اور وہ اُس لئے کہ اس جیسی کوئی لئے نہیں ہے۔ وہ لامحدود حتیٰ

ہے ہم محدود در محدود ہیں۔ وہ ایک لطیف نور ہے ہم صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن میں
نُشْطٌ لَّعَنَهُ یُو۔ املہ نور الہ، وات والارض۔

یہ سائل تعریف! یہ ترا بیان غالب تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
مطلب۔ اس شعر سے متعلق یہ لطیفہ مشہور ہے کہ جس وقت یہ غزل اور مقطع بادشاہ ظفر نے سنا
تو ازراہ مزاح فرمایا: ”بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے۔ مرزا صاحب نے عرض کی حضور تو
اب بھی ویسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوا کہ کہیں میں اپنی ولایت پر مفسور
نہ ہو جاؤں۔“

مطلب اس شعر کا واضح ہے۔ مرزا صاحب نے اظہار حقیقت کیا۔ واقعی جو مذہبیں شاعری میں
مرزا غالب نے بیان کئے ہیں وہ دراصل اسی قابل ہیں کہ وہ دل خیال کئے جاتے مگر چونکہ
ایک عیب تھا جو النع ولایت تھا اُس کو خود ہی بیان کر دیا۔

غزل ۲۱

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا ؟ نہ ہو مرنا تو بیٹھنے کا مسز کیا ؟
معنی۔ ہوس، شوق، جھوٹا عشق، نشاط، خوشی، مزہ، فرحت
مطالب۔ فراتے ہیں، انسان کو کام کرنے کی انگلیں ہیں۔ خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہ سب چہل چل اس
وجہ سے کہ اندان۔ نے مرنا ہے۔ اگر مرنا نہ ہوتا تو کچھ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نہ گھر پاتا نہ
کھیتی کرتا نہ گرمی سردی سے بچنے کا کوئی انتظام کرتا۔ مرنا نہ ہوتا تو زندگی عزیز نہ ہوتی بلکہ
دبال جان بن جاتی۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ؟ کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا ؟
معنی۔ تجاہل پیشگی، توجہ نہ کرنا۔

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ انا کہ تم سراپا ناز ہو۔ مگر ایسا بھی کیا ناز و ادا کہ عاشق کی بات ہی نہیں سنتے،
مجاہلِ عارفانہ سے دل کو جلاتے رہتے ہو۔

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں شکایت ہائے رنگیں کا، گلا کیا ؟
معنی۔ نوازش ہانے بیجا بے محل بے موقع نوازش۔ شکایت ہائے رنگین، اس طرح شکایت
کرنا جو سبلی لگے۔

مطلب۔ فرماتے ہیں رقیب پر تمہاری نوازشیں بے موقع بے محل اور غیر ضروری ہیں جب میں
تم سے اچھے اور احسن طریق سے رقیب کی شکایت کرتا ہوں۔ تو آپ اٹھ کر کہتے ہو۔ دونوں
مصرعوں میں الفاظ کا انتخاب لا جواب ہے

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تغافل ہائے تمسکین آزما کیا ؟
معنی۔ بے محابا، بے خوف و خطر تمسکین آزما، زور آزما، طاقت آزما
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ اے میرے محبوب میری خواہش ہے کہ تم میری طرف بے تکلف رہے خوف
و خطر دیکھو تاکہ میں اظہارِ اندوز ہوں۔ مگر آپ تو تغافل سے میرے صبر و استقلال کو آزما
رہے ہو۔

فروغِ شعلہٴ خس یک نفس ہے ہوس کو پاسِ ناموس وفا کیا ؟
مطلب۔ فرماتے ہیں رقیب کی بھڑائی اور عارضی محبت ہے اس کو شعلہٴ خس سمجھو جو دم بھر کے
لئے روشن ہو کہ نابود ہو جاتا ہے۔ رقیب بواہوس ہے اس کو پاسِ ناموس وفا نہیں ہے
عشقِ حقیقی اور عشقِ ناقص ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نفس موریج محیطِ بے خودی ہے تغافلِ ہائے ساقی کا گلا کیا ؟
 مطلب ۔ فراتے ہیں ہمارا ہر سانس موریجِ بے خودی ہے ۔ ہم مستِ است ہیں ۔ اپنے حال میں
 مطمئنِ خوش ہیں ۔ نہ ساقی کی ضرورت ہے نہ شراب کی ۔ ہم کیوں ۔ اتنی سے تغافل کا لہ کر دیں ۔

دماغِ عطر پیدائش نہیں ہے غمِ آوارگی ہائے صبا کیا ؟
 مطلب ۔ فراتے ہیں ہم تو شرابِ عشق سے مدہوش ہیں ۔ پیرائشِ محبوب کی خوشبو کے لئے دماغ
 ہی نہیں ہے ۔ بے پروا ہو چکے اور اس بات سے بھی کہ صبا محبوب کی خوشبو لائے ہیں
 تو محبوب سے غرض ہے وہ خود آئے تب بات ہے ۔

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ؟
 مطلب ۔ ہر قطرہ دریا کا جزو ہوتا ہے ۔ ہمارے دل کا ہر قطرہ بھی یہی صدا دے رہا ہے یعنی
 انا البحر ۔ پھر ہم اشرف المخلوقات ہیں ۔ ہم بھی اپنے مبداءِ منبع جو کہ خالقِ حقیقی ہے جب
 ہم اس کی محبت میں فنا فی اللہ کا مقام حاصل کر چکے تو ہماری عظمت کا کیا ٹمکنا ۔

معا با کیا ہے میں ضامنِ ادھر دیکھ شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا ؟
 معنی ۔ معا با کیا ہے ۔ یعنی کوئی خوف نہیں ۔
 مطلب ۔ فراتے ہیں شہیدانِ نگہ کا کوئی خون بہا نہیں ہوتا ۔ تو بے خوف و خطر میری طرف دیکھ اور
 مجھے اپنی نگہ ناز سے قتل کر دے ۔ میں ذمہ دار ہوں تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا ۔

سُن ! اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن ! شکستِ شیشہ دل کی صدا کیا ؟
 مطلب ۔ فراتے ہیں میرے دل کا سرمایہ جنسِ وفا سنی ۔ وہی قیمتِ دل فنی ۔ تو نے اے غارت گر

اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دل کی صدا اس کا نالہ ہے تو اس کو سننا نہیں چاہتا
میں بار بار کہتا ہوں کہ میرے نالے کو سن۔

کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ شکیب خاطر عاشق مہلا کیا؟
معنی۔ جگر داری۔ بہادری

مطلب۔ فراموشی میں اسے میرے محبوب میں نے جگر داری کا دعویٰ کیا ہے کیوں میرے صبر و
استقلال کو تو بہر وقت آزماتا ہے میں تو تیرے متغافل اور دن رات کے فراق سے تڑپتا ہوں، ہاں دل عاشق
کا صبری کی ہے۔ اُسے تو تو ایک لمحہ میں اپنے مازدا دل سے زبرد زبر کر سکتا ہے

یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں؟ یہ کافر قلعہ طاقت ربا کیا؟
مطلب۔ فرماتے ہیں اے میرے محبوب تو مجھ سے صبر آزما وعدہ کیوں کرتا ہے اور آخر اتنا آزمانا
تو کیوں چاہتا ہے۔ یہ تیرا صبر آزما وعدہ میری ساری قوت مدافعت کو ختم کر دیتا ہے۔ آخر
تو ایسا کیوں کرتا ہے۔

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا
مطلب۔ اسے غالب محبوب کی تو ہر بات ہی امتحان و آزمائش ہے۔ چاہے وہ عبارت ہو۔
اشارت ہو یا ادا ہو۔ اس کی ہر بات جان لیوا ہے۔

کمرے سے قتل و حادث میں تری رو دینا
ترنہ طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
غالب

غزل ۲۲

در خورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
مچھر غلط کیسے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
معنی - در خورِ قہر و غضب - سزاوار

مطلب - فراتے ہیں عشق و محبت کی ذمہ داریاں پوری کرنے اور اس راہ میں جو رستم بننے کے قابل
ہم ہی تھے۔ اس لئے ہمارے کہنا کیوں درست نہ ہوگا کہ ہم سا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ مطلب یہ
ہے کہ عشق کی ذمہ داریاں مع تمام لوازمات کے انسان ہی اٹھا سکتا تھا۔ اسی لئے ہیں ابتلاؤں
کی بیٹھوں ڈال کر کندن بتایا گیا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خویں ہیں کہ ہم
لئے پھرتے در کعبہ اگر وہ نہ ہوا
معنی - خویں، خود داری - خود پسند، دوسروں کو اپنے سے کمتر خیال کرنا۔

مطلب - فراتے ہیں کہ ہم تو عبادت میں بھی اپنی خود داری قائم رکھتے ہیں۔ اگر خانہ کعبہ کا دروازہ
بھی بند پاتے ہیں۔ تو اسے کھولنے کے لئے کسی کامیون منت بننا قبول نہیں کرتے۔

رب کو قبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
رُوبرو کوئی بُتِ آئینہ سیما نہ ہوا
معنی - یکتائی، وحدت - بُتِ آئینہ سیما، صاف روشن پیشانی والا محبوب

مطلب - تیرا بدمقابل کوئی نہیں۔ تیرے مقابل کوئی تیرے جیسی پیشانی والا نہ ہوا۔ کوئی بندہ خدا
خواہ وہ ظاہری و باطنی خویوں سے کتنا ہی آراستہ و مزین نہ ہو یکتائی کا دعویٰ نہیں کر
سکتا۔ یکتائی اور کبریائی تو صرف ذاتِ احدیت کو سزاوار ہے جس کا سا اذنانہ
قابل ہے۔

تجسس سے ابتداء ہے تو ہی ایک دن آجہا ہو گا یا صدائے ساز ہوئی اور نہ ساز بے صدا ہوگا (مگر مراد آجہا

کم نہیں نازشیں ہم نامی چشمِ خواباں تیرا بیمار بڑا کیا ہے، اگر اچھا نہ ہو
معنی چشمِ خواباں۔ زگیں بیمار۔ چشمِ بیمار

مطلب۔ فراتے ہیں حینوں کی آنکھ کو زگیں بیمار کہہ کر اس کی نیم خواب آنکھوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ غائب فراتے ہیں کہ اگر میں بیمار ہی رہوں تو یہ اچھی بات ہے کیونکہ اس طرح حینوں کی ذلیصحت آنکھوں سے ہننامی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

سینے کا داغ ہے وہ تالہ۔ کہ لب تک گیا خاک کا رزق۔ ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا
مطلب۔ فراتے ہیں میرے وہ تالے جو تار سا ہونے کی وجہ سے میرے لب تک نہ آ سکے۔
اب وہ سینہ پر داغ بن گئے ہیں۔ جیسے وہ پانی کا قطرہ جو دریا تک نہ پہنچے وہ مٹی میں جذب ہو کر خاک کی خوراک بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حصولِ مقصد اگر نہ ہو تو زندگی ضائع ہو جاتی ہے۔

نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
مطلب۔ فراتے ہیں راہِ عشق و محبت کے تمام مصائب میرے لئے مخصوص ہیں اور ایسے قیامت کے فتنے کسی اور کے لئے برپا کبھی نہیں ہوتے۔

ہر بنِ مومن ذکر نہ ٹپکے خونِ ناب حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا
مطلب۔ فراتے ہیں ماجرا نے عشق سننے وقت اگر ہر سننے والے کی آنکھ سے خون نہ ٹپکے تو وہ عشق کا چرچا کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ قصہ امیر حمزہ ہے (فرضی قصہ) جو لوگ شوق سے سنتے ہیں۔

قطرے میں دیکھائی نہ دے اور جزویں کل کھیل رکھوں کا ہوا دیدہ بیستانہ ہوا
مطلب - فرماتے ہیں نگار عارف تو وہ ہے جو فطرہ میں دریا دیکھے اور جزویں کل کا نظارہ کئے
ورنہ بچوں کا کھیل ہوگا۔ اس کو دیدہ بیگانہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرنے دیکھتے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا
ہم عصر شعراء نے مشاعرہ ہونے سے پہلے ہی مشہور کر دیا تھا کہ اس شاعرے میں غالب
کو ناکامی اور شبکی کا سامنا ہوگا۔ فرماتے ہیں ہم بھی وہاں گئے اور حاصل مشاعرہ غزل پڑھ
کر مارے شاعرے کو لوٹ لیا اور عاصد منہ دیکھتے رہ گئے۔

غزل ۲۳

اسد اہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سربا ہیں کہ ہے سرخچہ مژگان اہو پشتِ حار اپنا
مطلب - فرماتے ہیں اے اسد اہم بے سرو سامان وحشت کے ماے صحرائیں بیگ دوڑ رہے ہیں اور ہم اسی جولاں
جنوں میں ہر نون کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے یہاں تک کہ ان کا سرخچہ مژگان تلخ ہے لئے پشتِ حار گیا
مطلب یہ ہے کہ راہِ طریقت میں یہ نام نہاد تیز رفتار صوفیوں اور ریاکاروں سے ہم بہت آگے ہیں۔

غزل ۲۴

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارائی کا بخوں غلیظیدہ صدرنگ دعویٰ پارسائی کا
مطلب - فرماتے ہیں میں اپنے گناہوں کے سبب رضائے الہی نہ حاصل کر سکا۔ مگر اس کے باوجود
خدا نے ہزاروں کرم مجھ پر کئے۔ اب میں اس کے حضور سوائے شرمِ نارائی کے اور کون سا
تحفہ پیش کروں۔ پھر میں پارسائی کا دعویٰ بھی کرتا ہوں اور وہ اس لئے کہ بہت سے نامرد

گناہوں کی حسرتیں میرے دل میں خون ہو گئی ہیں۔ اس مفہوم کا ایک اور بھی شعر ہے۔ فرماتے ہیں
 دریائے مداحی تنک۔ آبی سے ہوا خشک
 میرا سر دامن میں ابھی تر نہ ہوا تھا

نہ ہو حسن تماشا دورت رسوا بے وفائی کا بہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا
 معنی۔ حسن تماشا دوست، حسنِ یار کے مظاہرے جو ذرہ ذرہ میں نظر آتے ہیں۔
 صد نظر سیکڑوں نے دیکھا ہے۔

مطلب۔ فرماتے ہیں حسنِ یار ہر رنگ میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ پھر اس کو بے وفا کیسے کہیں یا
 بے وفائی کا الزام کیسے لگالیں۔ دیکھنے والے اُسے ہر زمانہ میں دیکھتے ہیں اور انہوں نے اس بات
 کی شہادتیں دی ہیں۔ کہ ہم نے اس کو دیکھا۔ ان معنوں میں کہ اس کا کلام سنا۔ اس کی بتائی
 ہوئی باتیں پوری ہوئیں۔ اولیاء اللہ قطب غوث صالحین اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء
 علیہم السلام نے اس کے وجود کی تصدیق کی ہے۔

زکاتِ حسن دے اے جلوہ بنیش کہ مہر آسا چراغِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا
 معنی۔ بنیش، نظر، نگاہ، بصارت۔ آسا، مانند شل
 مطلب۔ اے میرے اللہ (جو وہ حقیقی) مجھے اپنے حسن کی زکات دے۔ تا میرا کاش گدائی روشن
 ہو کہ چراغِ آفتاب کی مانند روشن ہو جائے مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنا عرفان دے کہ میرے
 دل کو آفتاب کی طرح روشن کر دے۔

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا
 مطلب۔ فرماتے ہیں تو نے ایک مشتہ آق قاتل کو اس لئے نہیں مارا کہ ایک بے گناہ کا ناحق خون تیری
 گردن پر ہو گا مگر حق آشنائی کا تیری گردن پہ اب بھی باقی ہے۔

تمنائے زباں مجھ سپاس لے زبانی ہے مٹا جس سے تقاضا شکوہ بے دست و پائی کا
 معنی ۔ سپاس، شکر ہے، بے دست و پا ہونا، بے سرو سامان ہونا
 مطلب ۔ فرماتے ہیں۔ میری تمنا تھی کہ میں تجھ سے وہ زبان مانگوں جس سے تیرا قرب حاصل ہو مگر
 میری زباں تیری حمد میں لگ گئی اور میں نہ مانگ سکا۔ لیکن اگر بے زبانی سے یہ فائدہ بھی
 ہوا کہ شکوہ بے دست و پائی کا تیرے حضور پیش کرنے سے قاصر رہا۔

وہی اک بات ہے جو یاں نفس ان نکہت گل ہے چین کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
 مطلب ۔ فرماتے ہیں میرا کلام اور نہایت نکل ہم معنی ہیں۔ میں چین کی بہار دیکھ کر رنگیں نوائی پر مجبور
 ہو جاتا ہوں۔

دہان ہر بہت پیغامہ جو، زنجیر رسوائی علم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا
 معنی ۔ پیغامہ، طعن، تشنہ۔ زنجیر رسوائی، رسوائی کا سلسلہ
 مطلب ۔ فرماتے ہیں ایک عاشق دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے تیری بے وفائی کی داستان
 بیان کر رہا اور اب یہ زنجیر رسوائی کا چرچا عام ہے۔ مناسب یہی ہے کہ تو اس راستہ پر
 چلتا چھوڑ دے۔ اور بے وفائی تیری بے وفائی کا چرچا ہم تک پہنچ گیا ہے

ندے سے تلمے کو اتنا طول غالب مجھ تکرید سے کہ حسرت سنج ہوں، عرض تسم ہائے جدائی کا
 مطلب ۔ فرماتے ہیں، کیا نہ ورت ہے اتنے طویل خط کی مختصر لکھ دے اتنے گلے شکوے کرنے
 کی کیا ضرورت ہے کہ ستم ہائے جدائی اور آزارِ فراق کرنے کی حسرت دل میں لیے ہوں آؤ
 اور یہاں آکر مجھ سے خود کشی لو، مجھے جو کمینہ دانت زار دیجو ۔
 حال دل نکار ہو رخ سے ہی حب جیوں، یہ رسم نیم پہل کے توبہ سے کوئی نہایت

غزل ۲۵

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا تب لکلفِ داغِ مرہِ فہرِ دہاں ہو جائے گا
معنی - اندوہ، رنج و فکر

مطلب - فرماتے ہیں۔ اگر شبِ فرقت کے رنج و غم کی داستان نہ سُنو گے تو میرا ذہن ضبطِ غم سے
داغدار ہو جائے گا۔ جیسا کہ چاند کے منہ پر داغ ہے اور اُسے سارا زمانہ دیکھتا ہے۔ یہیں چاہیے
کہ میرا رنج و غم، میرا حالِ سنو تا کہ وارِ محبت کی دوائے میں تشہیر ہو۔

زہرہ گر ایسا ہی شامِ جگر میں ہوتا ہے آب پر تو مہتابِ سیلِ خانماں ہو جائے گا
معنی - زہرہ، پتہ۔ پر تو مہتاب، چاند کی روشنی، چاندنی، سیلِ خانماں، گھر کے لئے سیلاب
مطلب - فرماتے ہیں۔ اگر شامِ جگر کی سختیاں مجھ پر اسی طرح سے ہوتی رہیں اور میلِ پتہ پانی بنا رہا
تو نتیجہ یہ ہوگا کہ چاندنی سیلابِ آبِ بن کر میرے گھر کو تباہ کر دے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ گھر
جس میں میرا دل ہے (یعنی جسم) اور میں سب تباہ ہو جائیں۔

دل کو ہم صرفِ فاسد سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا
مطلب - فرماتے ہیں کہ ہم یہ خیال کرتے تھے کہ دل ہمارا زندگی بھر ساتھ دے گا اور ہم اس کو وفاداری
کے کاموں میں لگانے لگیں گے۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ یہ دل تو پہلے ہی نذرِ امتحان ہو گیا۔ اور
نیک ہی نگاہِ یار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

مے تولوں سوتے ہیں اُسکے پاؤں کا بوسہ مگر ایسی باتوں سے وہ کافرِ بنگماں ہو جائے گا
مطلب - فرماتے ہیں جو شہِ محبتِ تقاضہ کرتا ہے کہ جب میرا معشوق سویا ہوا ہو تو میں اس کے پاؤں

بلا برس لے لوں مگر یہ خیال آتا ہے کہ کہیں وہ مجھے براہوس نہ سمجھ بیٹھے۔

رنگ کے دل میں ہے جگ تیری جو تو راضی ہو گا مجھ پہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائے گا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ ایک عالم تیرا گویا ہے، تجھ سے محبت کرتا ہے اگر تو ہم سے راضی ہو جائے
تو سارا زمانہ ہم پر مہربان ہو جائے گا۔ چونکہ پیلوں کے پیارے ہوتے ہیں۔ بہت تبلیغ اعلیٰ
شعربے۔ اس کا اصل لطف تو اہل تصوف ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ اس قبیل کا ایک شعراستادی
المعظم حضرت سلیم شاہ پانچوری کا بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ۷۰

وہ میرا ہے مجھے اتنا بہت ہے

مجھے تو بس مرا مولا بہت ہے

گزن گاہ گرم فرماتی رہی تسلیم ضبط شعلہ خس میں غنیے خوں رنگ میں نہاں ہو جائے گا
مطلب۔ فرماتے ہیں تیری گاہ و قہر و غضب اگر یہی کہتی رہی کہ ضبط کرتے رہو۔ تاکہ میری روانی
نہ ہو۔ تیرا یہ کہنا اس بات کے مترادف ہے کہ شعلہ خس کو نہ جلانے اور خون جو رگوں میں
پھیر کر تمام احساسات کا باعث بنتا ہے وہ بھی اپنا کام چھوڑے۔

باغ میں مجھ کو نہ لے جا، ورنہ میرے دل پر ہر گل تر ایک چشم خون فشاں ہو جائے گا
مطلب۔ فرماتے ہیں، غم عشق سے میری حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔ جو بھی مجھے دیکھتا ہے وہ
خون کے آنسو دیتا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ تو اکیلا ہی باغ میں جاتا کہ تیری میر نہ خراب
ہو میرے جلنے پر تو چین چین نہیں رہے گا۔ ویران ہو جائے گا۔ ہر گل تر خون کے آنسو رو
رہا ہو گا۔ اس طرح تیری سیر باغ بجائے طرب و انبساط بے وقف محض ہو جائے گی۔ ۷۱

پہلے اگر اس کی رضا کے رات دن چنتے رہیں : ایب وہی امن ہمارا افغانستان ہو جائے گا

شرح

وائے گرمیر اترا انصاف محشر میں نہ ہو اب تلک تو یہ توقع ہے کہ داں ہو جائے گا
مطلب۔ فرماتے ہیں ظلم و ستم اس امید پر سپہ رہا ہوں کہ آخر محشر میں میرا ترا انصاف ہو جائے گا
اور مجھے مظلومی کی داد اور صلہ مل جائے گا۔ اگر خدا نخواستہ وہاں بھی انصاف نہ ہوا تو مجھ
پر تو قیامت گند جائے گی۔

فائدہ کیا؟ سوچ، آخر تو بھی دانا ہے اسد دوستی ناداں کی ہے، جی کا زیاں ہو جائے گا
مطلب۔ فرماتے ہیں اسے اسد تو بھی تو عقلمند ہے۔ سوچ سمجھ سے کام لے۔ نادان کی دوستی
فائدہ کی بجائے نقصان کا موجب ہوگی۔ مثل مشہور ہے نادان کی دوستی جی کا زیاں ہوتا ہے۔

غزل ۲۶

درد منت کشی دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں میرا دردِ عشق دوا سے اچھا نہ ہوا۔ اور یہ میرے لئے کوئی بُری بات نہیں
ہوئی۔ اگر اچھا ہو جاتا۔ تو میرا دردِ بارِ منت سے دبا رہتا۔ اچھا ہوا کسی کا احسان نہ اٹھانا
پڑا۔ ۲۔ بیجا رجبت کو صحت سے غرض کیا تھی؟ اچھا جو کیا تو نے اچھا نہ کیا تو نے

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں سرفِ گلہ ہے تم رقیبوں کو اکٹھا کر کے ان کے
سامنے ہماری کرکری کیوں کرتے ہو۔ لہذا اگلہ شکوہ کو تماشہ نہ بناؤ۔

ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں؟ تو ہی جب خنجر آزمائے نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ محبوب سے مخاطب ہیں اور کہتے ہیں کہ اے محبوب تو ہم پر خنجر آزمائی سے
گریز کرتا ہے۔ وہ کون ہے جس کے پاس ہم جائیں اور ہماری آرزو سے قتل پوری ہو۔

کتے شیریں ہیں تیرے لب اگر رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں میرا محبوب جب میرے بواہو کس رقیب کی دست درازیوں پر اُسے
گالیاں دیتا ہے تو وہ بُرا نہیں مانتا کیونکہ محبوب کے شیریں اور خوبصورت لبوں سے نکلی
ہوئی کالی بھی اُسے بھلی معلوم ہوتی ہے۔

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
مطلب۔ اللہ ایک طرف ذوق بہائی ہے اور دوسری طرف لے سرو سامانی کا یہ حال ہے کہ خنجر
کے گھر میں بوریا یہی معمول چیز بھی نہیں۔ اس موقع پر حال کے ایک شعر کی پیر و ڈبھی ملا دلا ہو۔
اُن کو حال بھی ملاتے ہیں گھر اپنے بہانہ:
دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

کیا وہ نمس نمود کی خدائی تھی؟ بہت درگی میں مرا بھلا نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں تیری خدائی میں تیری بندگی کرتا رہا پھر میرا بھلا کیوں نہ ہوا؟ نمود تو خدا
نہیں تھا نہ وہ کسی کا بھلا کب کر سکتا تھا۔ مگر میرے محبوب تو تو سب کچھ کر سکتا ہے! اسی لئے
تجھ سے شکوہ کر رہا ہوں۔ نوٹ یہاں بندگی کے معنی عبادت نہیں بلکہ عبودیت سمجھنے چاہئیں۔

ہم کسی اور در پہ جاتے کیوں؟ کیا دیر اسے بھلا نہ ہوا (شاعر)

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں اگر ہم نے اپنی جان اس کی راہ میں دے دی تو اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔
ماک کی چیز ماک کو ٹوٹا دی۔ لہذا اس کے دینے کا احسان باقی رہا۔ اور ہم سے حق ادا نہ ہوا۔
بہت سادہ اور پر معنی شعر ہے۔

زخم گر دب گیا، نہو نہ تھا کام گر رک گیا روا نہ ہوا
مطلب۔ لب زخم سینے سے زخم دب جاتا ہے مگر خون اندر بہتا رہتا تھا۔ اسی اصول کے مطابق
ہمارا کام جو رک گیا ہے اندر ہی اندر چوڑا ہو کر روا ہو جاتا۔ مگر افسوس صد افسوس ایسا نہ ہوا۔

رہزنی ہے، کہ دل بستنی ہے؟ لے کے دل، دل بستیاں دانہ ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں لبِ سُرک ہمارا دل ہم سے چھین کر ظالم بھاگ گیا کوئی پتہ نشان نہیں۔
کہاں جائیں کیسے اُسے ڈھونڈیں۔ اصل میں تو وہ دلیتاں نہ تھا بلکہ ایک رہزن تھا۔

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہ ہوا
مطلب۔ سنا جاتا ہے کہ ایک شاعرہ کسی شہزادے کے گھر ہو جس میں مصرعہ طرح میں غزل
پڑھتی تھی اور مرزا غالب نے کسی وجہ سے غزل طرح میں کہی نہیں تھی۔ نہایت اصرار پر
غیر طرح غزل پڑھ کر اس میں مندرجہ بالا مقطع لگا دیا۔

اب بھی آتا ہے وہ تسویریں ختم یادوں کا سلسلہ نہ ہوا
’شام‘

غزل ۲۷

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گہریں محو ہوا اضطراب دریا کا
معنی :- اضطراب دریا، دریا کی روانی، دریا کا طوفان ۔

مطلب :- شوق کو تنگی جا کا گلہ دل میں بھی ہے جس میں زمین و آسمان سما جاتے ہیں اور پھر بھی جگہ
رہتی ہے ۔ باوجود اس کے شوق کو جگہ کی تنگی کا گلہ ہے ۔ تعجب ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شوق
کی وسعت بھی دل کی وسعت سے کم نہیں جمبو، تو گہریں دریا کی روانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب مگر ستم زدہ ہوں، ذوقِ خامہ فرسا کا
معنی :- پاسخ، جواب ۔ پاسخ مکتوب، خط کا جواب

مطلب :- فراتے ہیں ۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو میرے کسی خط کا کبھی جواب نہیں دے گا ۔ لیکن میں
خط لکھے جاتا ہوں کیونکہ میں مجبور ہوں ۔ ذوقِ خامہ فرسائی مجھ کو خط لکھنے پر مجبور کرتا ہے ۔

خائے پائے غزاں ہے بہار اگر ہے یہی دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دنیا کا
مطلب :- فراتے ہیں، بہار غزاں کے پاؤں کا رنگ ہے ۔ اگر اتنی قیل ہے جیسے ہندی کا تھوڑے
دلوں میں رنگ اڑ جاتا ہے تو پھر بہار ہی کیا ہے ۔ یعنی دوامِ کلفتِ خاطر کو ہے اور عیش
دنیا کا بہت قلیل ۔

دنیا کے عیش کو دوام نہیں ۔ اس لئے ہم ہمیشہ کبیدہ خاطر رہتے ہیں ۔ دنیا کے عیش کی مثال
تو ایسی ہے جسے کوئی غزاں کے پاؤں میں ہندی لگا دی جائے جو چند ہی دلوں میں اڑ جائے
اور پاؤں کی خوبصورتی میں فرق آجائے ۔

غم فراق میں تکلیف سیرِ گلِ مت دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ مجھے سیرِ باغ کی تکلیف کیوں دیتے ہو۔ میں تو مبتلائے غم فراق ہوں۔
دنِ غم کی حالت میں پھولوں کا ہنسا اچھا نہیں لگتا۔

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں کسے ہے ہر بنِ مو کا مچشمِ بینا کا
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ ابھی تک حسن کا پورا عرفان حاصل نہیں ہوا۔ حالانکہ میرا دھنکھار دھنکھا
چشمِ بینا بنا ہوا ہے۔ ذرہ ذرہ میں یارِ مطلق کی تجلیاں ہیں۔ رات دن مشاہدہ کہہ رہا ہوں مگر
بھی نشہ معرفت ہوں۔

دل اس کو پہلے ہی ناز و دلا سے ڈے بیٹھے ہیں دماغ کہاں جس کے تقاضا کا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ محبوب کے ناز و دلا بھی دیکھے نہیں تھے کہ ہم نے اپنا دل اس کی نذر کر
دیا۔ ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ تقاضا کرتا تب اس کو دل دیتے ہم عاشقِ مزاج ہیں جس
کو دُور سے پہچان لیتے ہیں۔

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خرچِ دریا کا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ اے مرے محبوب یہ نہ کہہ کہ میرا گریہ و زاری میری حسرتِ دل کے مطابق
ہے نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں دریا کا جمع و خرچ معلوم ہے۔ جتنا گریہ تو نے دیکھا
ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میرے دل میں بھرا پڑا ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یاد اسد جفا میں اُس کی ہے اندازِ کارِ فرما کا
مطلب۔ فلک کو دیکھ کر مجھے خدا یاد آتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ مجھ پر ظلم و ستم ہوتے ہیں۔ وہ خدا
کے حکم سے ہی ہوتے ہیں۔ بغیر اس کے حکم کے تو پتہ بھی نہیں پتا۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

چرخ کوکب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

غزل ۲۸

قذرفے بس کہ حیرتِ نفس پرور ہوا خطِ جامِ سرِ اسرشتہ گوہر ہوا
مطلب۔ بادِ عزناں کا ایک نظریہ حیرتِ خیز نفس پرور ہے جسے یہ نصیب ہو جائے سمجھو کہ وہ گوہر بن گیا۔
خطِ جامِ سرِ اسرشتہ گوہر کی مانند ہو گیا۔

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ، سکن، وہ خفا مجھ پر ہوا
مطلب۔ فرماتے ہیں میرے معشوق کو میرے عشق کے صادق ہونے کا یقین آگیا ہے اور وہ اس
حد تک کہ اگر غیر بھی آہ و فغاں کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں نے ہی کی ہے اور خوفِ بدنامی
اور رسوائی سے مجھ پر خفا ہوتا ہے۔

غزل ۲۹

جب یہ تقریبِ پیہ فریاد نے محلِ باندا پیشِ شوق نے برقرے یہ اکِ دلِ باندا
مطلب۔ فرماتے ہیں جب ہمارے یار نے سفر کے لئے اوٹنی پر محلِ باندا۔ تو ہماری پیشِ شوق نے
ہر ذرہ خاک کے اوپر دلِ باندا دیا۔ مطلب یہ کہ دوست کو رخصت کرتے وقت ہمارے
شوق نے چاہا کہ کاش ہم بھی ساتھ ہوتے۔

اہل بنیش نے جمیرت کدہ شوخی ناز جوہر آئینہ کو طوطی بے مل باندھا
معنی۔ اہل بنیش، دیکھنے والے اہل تماشا۔ جوہر آئینہ۔ فلادی آئینہ میں جو سبز رنگ ہوتا ہے
جس کو طوطی بھی کہتے ہیں۔

مطلب۔ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا معشوق بناؤ سنگھار میں مشغول ہوتا ہے تو لوگ ادھر ادھر
کھڑے ہوئے حیرت سے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو جوہر آئینہ کی لہریں ادھر ادھر آتی جاتی
نظر آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یار کی شوخی و ناز نے طوطی کو بے مل کر دیا ہے۔

یاس و امید نے ایک عریضہ میدان مانگا عجز و ہمت نے طلسم دل سائل باندھا
معنی۔ عریضہ۔ بڑا ہی جھگڑا۔

مطلب۔ یاس و امید نے باہم لڑنے کے لئے میدان جنگ لیا۔ کسی یاس کا غلبہ ہوتا ہے اور
کبھی امید کا عجز و ہمت۔ نے بھی ایک طلسم دل سائل بنا لیا ہے جب صاف جواب مل جاتا
ہے تو یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہمت سے کام نہیں لیتا وہ سائل
ہو کر یاس و امید کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

زہ بندھے تشنگی ذوق کے مہموں غالب گرچہ دل کھول کے دیا کو بھی سائل باندھا

معنی۔ تشنگی، یاس، دل کھول کے کام کرنا، زیادہ سے زیادہ کرنا۔ سائل تشنگی لب
مطلب۔ فرماتے ہیں ذوقِ سخن کے مضمون میں جو کچھ باندھا چلہتے تھے وہ نہ باندھ کے مالاں کہ
ہم نے مبالغہ آمیزی میں دیا کو بھی تشنگی لب ہی کہا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ طبیعت سیر نہ ہوئی۔ ابھی بہت کچھ کہنے کو تھا۔

غزل ۳۰

نہیں اور بزم سے یوں تشنہ کام آؤں! گزریں نے کی تھی توبہ، ماتی کو کیا ہوا تھا!
معنی - تشنہ کام - پیاسا

مطلب - فرماتے ہیں اگر میں نے توبہ کی ہوئی تھی تو ساقی نے یہیں اصلہ کر کے کیوں نہ مے پلا دی
اس نے تو توبہ نہیں کی ہوئی تھی۔ میں اس کی بزم سے پیاسا ہی واپس آیا۔

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھپے پٹے ہیں وہ دن گئے، اکہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
مطلب - فرماتے ہیں نہ دل کو قرار ہے نہ جگر کو چین ہے۔ دونوں کو تیرے تیر نظر نے گھائل کیا
ہوا ہے۔ وہ دن چلے گئے جب عشق ایک کھیل ایک دل لگ تھا۔ دل اپنی جگہ تاجگر اپنی جگہ
دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک اداس رضا منہ د کر گئی

درماندگی میں غائب کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
معنی - درماندگی، مجبوری، عاجزی۔ مصیبت، تکلیف، رشتہ، دھاکا۔
مطلب - فرماتے ہیں جب مصائب و آلام برداشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے تب مصیبتیں بکلی نہیں
نہ آئیں اب جبکہ قویٰ معطل ہو گئے ساری مصیبتیں آگئی ہیں۔ یہ مثال رشتہ بے گرہ اور ناخن گرہ
کشا تھا خوب واضح ہے۔ بوقت مجبوری کچھ کر کے دکھاؤ تیرے ہمیں مان لیں گے۔

غزل ۳۱

گھر سارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا بھرا گر سجر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
مطلب - فراتے ہیں چارے گھر کی قسمت میں دیرانی تمام ازل نے مکھ دی تھی۔ لوگ ہیں رونے
دھونے پہ خواہ مخواہ ملزم ٹھہراتے ہیں۔ دیکھو اگر سجر نہ ہوتا تو پھر بیاباں ہی ہوتا تھا۔ نصیبی
نے اپنا کام ضرور کرنا تھا۔

تنگی دل کا گلہ کیا، یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
مطلب - فراتے ہیں تنگی دل کا گلہ کیا کریں یہ اگر تنگ ہوتا تو پریشاں ہوتا مطلب شعر کا یہ ہے
کہ اس دل نے مورد رنج و بلا ہو کر تنگ ہی ہو جانا تھا اگر کشادہ ہوتا اور کوئی چیز اندر ہی
نہ ٹھہرتی تب باعث پریشانی ہوتا۔

بعد یک عمر درخ، بار تو دیتا، بارے کاش، خواں ہی دریا رکا دریاں ہوتا
معنی - درخ، پرہیزگاری۔ عمر درخ، عمر بھر کی پاکیزگی اور پاکیزگی۔ بار دینا، اجازت دینا
بارے ایک بار

مطلب - فراتے ہیں عمر بھر کی پاکیزگی سے جنت اگر ملے تو کیا۔ بار کے دیدار تو نہ ہونے اس کے
دریا میں تو بار پانی نصیب نہ ہوئی۔ کاش یہ جنت کا محافظ دریا رکا دریاں ہوتا اور
میں یہاں اس کے ذریعہ دیدار یا نصیب ہوتا مطلب یہ ہے کہ ہم جنت کے خواں نہ
تھے بلکہ ہم تو یار کے عاشق تھے ہمیں جنت سے کیا غرض ہے۔ جہاں کہ فرما!
تسکین کو ہم نہ دیں جو ذوقِ نظر ہے حورانِ غلہ میں تری صورت مگر ملے

غزل ۳۲

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈوبو یا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا؟

مطلب نہستی کو ہستی پر ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کچھ نہیں تھا اور وہ ہر شے کا خالق ہے اور لفظ کن بھی اپنی ذات کو کہا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ کائنات کا منبع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ لہذا جب میں نہ تھا تو خدا میں تھا۔ اور میری قدر و منزلت اب سے کہیں زیادہ تھی۔

”ڈوبو یا مجھ کو ہونے نے“ یعنی میرا درجہ گھٹ گیا اور خاک ہی ہو گیا۔ اس مدرسہ خیال کا ایک صوفیا کا گروہ ہے۔

جب تک قطرہ دریا میں ہے تو وہ دریا کا ایک حصہ ہے۔ اگر باہر آ جائے تو اس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تک انسان کی تخلیق نہ ہوئی تھی تو یہ ذات باری تعالیٰ ہی کا ایک حصہ تھا اور جب یہ وجود میں آ گیا تو یہ مخلوقات میں شامل ہو کر اپنے اصل مقام و مرتبہ سے جدا ہو گیا اور بندہ سے ہستی کی طرف آ گیا۔ قطرہ دریا میں ہے اور بیرون دریا کچھ نہیں

ہو واجب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کلنے کا؟

نہ ہوتا اگر جدا تن سے، تو زانو پہ دھرا ہوتا

مطلب۔ فرلتے ہیں جو غم سے ہمارا سر بے حس ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر وقت اس کو زانو پہ رکھتے بیٹھے رہتے ہیں تو پھر اگر یہ کٹ بھی جائے تو کس کو غم ہو گا۔ یعنی سر تو کلنے سے پہلے ہی بیکار ہو چکا تھا اس لئے اس کے کٹ جانے کا غم کیا ہوتا۔

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کہتا، کیوں ہوتا تو کیا ہوتا؟
مطلب - فرماتے ہیں زمانہ گزر گیا غالب کو گندے ہوئے پردہ اور اس کی باتیں اب بھی یاد آتی ہیں
اور خاص طور پر وہ باتیں جن پر وہ کہا کرتا تھا کہ خوش نصیبی سے یوں نہیں تو یوں ہو جاتا پھر کیا ہوتا

غزل ۳۳

یک ذرہ زمین نہیں بے کار باغ کا یاں جادہ بھی، فیتلہ بے لائے کے داغ کا
معنی - باغ، مراد باغ جہاں - جادہ، ماست، طریقہ، پگڈنڈی - فیتلہ - جتنی موٹی جتنی - زخم
پر جتنی بنا کر رکھی جائے۔

مطلب - فرماتے ہیں کوئی بھی چیز بلکہ ذرا سی جگہ بھی باغ جہاں کی بے کار نہیں۔ جو بظاہر راستہ
نظر آتا ہے وہ فیتلہ بن کر بقیہ زمین کو سیراب کرتا ہے جس طرح جتنی تیل کو روک دشتی بنانے میں
کام میں آتی ہے۔ اسی طرح لائے کا داغ فیتلہ بن کر وہی کام جادہ بقیہ باغ جہاں کی زمین
کے لئے کرتا ہے۔ جادہ بن کر فیتلے کا کام کرتا ہے۔
جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

بے مے کسے طاقت آشوبِ آگہی کیمنی ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایلیغ کا
معنی - آشوب، پریشانی، ہل چل، فتنہ و فساد۔ آگہی، خبر، علم۔ ایلیغ، پیالہ، جام، ساغر، وہ پیالہ
جس سے ماپ کا کام لیا جائے۔

مطلب - فرماتے ہیں بغیر شرابِ الہی کے کس میں یہ طاقت ہے کہ دنیائے معائب و الام کا مقابلہ کرے اور شخص
اپنے حوصلہ کے عجز سے یعنی اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق برداشت کرتا چلا جاتا ہے۔

بُبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہاتے گل کہتے ہیں جس کو عشق بھل ہے مانع کا
مطلب ۔ فراتے ہیں جس طرح دیوانے کی حالت پر لوگ ہنستے ہیں ۔ اسی طرح بُبل کے پُپوں کے
گرد چکر لگاتے اور شارہ ہونے پر گل بھی ہنستے ہیں ۔ عشق میں انسان و حیوان سب اپنے حواس
کھو بیٹھتے ہیں ۔

تازہ نہیں ہے نقشہ فکر سخن مجھے تریاکی قدیم بوں دو چرخ کا
معنی ۔ تریاک ، افیون ، چنڈو کا چھینٹا ۔ قدیم ، بہت پرانا ، ازل سے ۔ دو چرخ ، چرخ کا دھواں
مطلب ۔ فراتے ہیں فکر و سخن کا نقشہ یا نہیں ہے ۔ بلکہ میں توازل سے سنا تھا لایا ہوں جیسے تریاک
جدا کر لوگ حق کی طرح سانس کھینچتے ہیں اور دھواں کے ذریعہ اپنا نشہ حاصل کرتے ہیں یہی
شمع جلا کر رات کے حصے میں فکر سخن کرنا ہوں ۔

سویا رست بد عشق سے آزاد ہم ہوئے پر کیا کریں کہ دل ہی عد ہے فراغ کا
معنی ۔ بند عشق سے مراد دنیا کے دھندے ۔ فراغ ۔ فراغت
مطلب ۔ فراتے ہیں بارگاہ دنیا کے فکروں اور غموں سے چھٹکارا حاصل کیا ۔ پر کیا کریں یہ ہمارا دل
دشمن ہے فارغ رہنے کا ۔ اس کو کوئی نہ کوئی غم چاہیئے ۔

بے خون دل جہنم میں موج نگہ غبار یہ کدہ غرابیئے کے سراغ کا
مطلب ۔ فراتے ہیں جو آنکھ بے خون ہے اور اپنے معشوق کی یادیں آنسو نہیں بہاتی وہ آنکھ بہت
بے دلتی ہے خوبصورتی نام کو نہیں رہتی ۔ اور وہ ایسا میکہ ہے جس میں شراب ہی نہیں یعنی
ویران ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں کا دُعا دھونا اچھا لگتا ہے اور دعاؤں کے
مقبول ہونے کا ذریعہ ہے ۔

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل ابر بہارِ خرم کدہ کس کے داغ کا
مطلب ۔ فرماتے ہیں تیرے باغِ حسی کی بہار میرے غنچہِ خاطر کے لئے نہیں ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے
چونکہ تیرا باغِ حسن ہمیشہ ہر بہار رہنے والا ہے۔ دوسرے باغوں کی بہار دنیاوی سے گساروں کے
لئے ہوگی۔ مری اس سے غف اندوز ہوتے ہوں گے۔ مجھے تو بس تیری بہار چاہیئے۔

غزل ۳۴

وہ مری چہیں جہیں سے غم نہاں سمجھا رازِ مکتوب بہ بے لطفی معنواں سمجھا
معنی ۔ چین، شکن، سلوٹ ۔ غم نہاں، یہاں معنیِ بخشش کے ہیں جہیں، پیشانی
مطلب ۔ فرماتے ہیں جن طرح خط کا مضمون اس کی ابتداء ہی سے بھانپ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح
میرا محبوب میرے غم نہاں کو میری پیشانی پر پڑی ہوئی شکنوں سے جان گیا۔

یک الف سہیں نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریباں سمجھا
مطلب ۔ فرماتے ہیں میں بھی اپنے آئینہ دل کو گریباں چاک کر کے مصفیٰ کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ ایک
کیر سے زیادہ صاف نہیں ہوا جس طرح صوفیا سانس کو ناف سے کھینچ کر دائیں جانب قلب
پر ضرب لگاتے ہیں اور خیالی طور پر **إلا اللہ** کہتے ہیں۔

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
مطلب ۔ فرماتے ہیں میری گرفتاریِ خاطر کے سبب تفصیل کے ساتھ نہیں بتائے جاسکتے بس اتنا جان
لو کہ میرا دل تنگ ہو گیا ہے اور میں اس کو زنداں سمجھا ہوں۔

بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام رُخ پہ ہر قطرہ عرق، دیدہ حیراں سمجھا
مطلب۔ فرماتے ہیں میری بدگمانی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میرا محبوب دیر تک سرگرم خرام رہے
اور اس کو پسینہ آکر اس کی پیشانی پر قطرات رقیب کے دیدہ حیراں نظر آنے لگیں۔

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا نبضِ خس سے پیشِ شعلہ سوزاں سمجھا
مطلب۔ عجز کو خس سے اور بدخو کو شعلہ سے تعبیر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی عاجزی اور اس کی بدخوئی
سے یہ سمجھ لیا ہے کہ جیسے شعلہ خس کو جلا دیتا ہے اسی طرح بدخوئی ہے یعنی غصہ میری تباہی اور قتل کا باعث ہو کر ہے گا۔

سفرِ عشق میں کی ضعف نے رحتِ طالبی ہر قدم سایہ کو میں اسے شبِ تاں سمجھا
مطلب۔ فرماتے ہیں جب عشق کے سفر میں چلتے چلتے تھکان محسوس ہوئی اور میرے ضعف نے
آرام کا مطالبہ کیا۔ تو میں نے اپنے سامنے کو اپنا شبِ تاں سمجھ لیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب
پے درپے ناکامیاں ہونیں۔ تو پھر انہی محرومیوں کو اپنا ساتھی سمجھ لیا۔

تھا گریزاں مژدہ یار سے دلِ تادمِ مرگ دفعِ پیکانِ قضا، اس قدر آساں سمجھا
مطلب۔ فرماتے ہیں میں مرگ کا یار سے ہمیشہ ہی ڈرتا اور بھاگتا رہا ساری عمر اور سمجھا رہا کہ جان
بچ گئی اور مژدہ یار کے بالمقابل پیکانِ قضا کا دفعیہ بہت آسان سمجھا۔ یا
یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ مژدہ یار سے ساری عمر ڈر کے بھاگتا رہا اور اس کو پیکانِ قضا
کا دفعیہ بہت آسان دیکھ کر یہ میری نادانی تھی۔ مژدہ یار کے پیکان سے کس کو ڈر ہے۔

دلِ دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسد غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ اسے اسد تم نے اپنا دل اس کو وفادار سمجھ کر دیا۔ اگر دینا ہی تھا تو اس کو
بے وفا سمجھ کر دیا ہوتا۔ تم نے کس طرح کافر کو مسلمان سمجھ لیا۔ یعنی مسلمان کی شان تو یہ ہے
کہ وہ ہمیشہ وفادار ہوتا ہے اور کافر بے وفا۔

غزل ۳۵

پھر۔ مجھے دیدہ تر یاد آیا دل جگر تشنہ فریاد آیا

مطلب۔ فراتے ہیں پھر مجھے اپنا دیدہ تر یاد آیا جس کے فدیے سے میں اپنے دل کی بھڑاس نکال کر اپنے دل کو تسکین دے یا کرتا تھا۔ دیدہ تر یاد آتے ہی دل جگر تشنہ فریاد ہو گئے۔ یعنی آرزو مند فریاد ہو گئے۔ جب وہ نیرنگ نظر یاد آیا : دردِ دل زخمِ جگر یاد آیا (شرح)

دم یا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

مطلب۔ دوست کو جدا کرتے وقت جو کیفیت گزری تھی اس کا بار بار آنے کا اظہار کرتے ہیں۔ دم یا تھا نہ قیامت نے ہنوز۔ یعنی کوئی دفعہ نہ ہوا تھا کہ قیامت پر قیامت بپا ہو رہی ہے اور نیرازِ خست ہونا بار بار یاد آ رہا ہے۔

بہادگی ہائے تمنا یعنی پھر وہ نیرنگِ نظر۔ یاد آیا

مطلب۔ فراتے ہیں میری آرزوں اور تمناؤں کی سادگی تو دیکھو کہ پھر نگاہ یار کی نیرنگیوں کا تماشا چاہتی ہیں۔ لیکن خود ہی سمجھتے ہیں کہ آرزوں کا حاصل کچھ نہیں فقط نگاہ یار کی نیرنگیوں کا فریب۔

عذبہ و ماندگی اسے حسرتِ دل نالہ کرتا تھا جب گریہ یاد آیا

معنی۔ و ماندگی سے ہے و ماندگی، تھک جانا، تھکاوٹ۔ بے کار۔

مطلب۔ اسے حسرتِ دل میں معذرت خواہ ہوں کہ تیری خواہش کے مطابق نالہ نہ کر سکا۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ نالہ کرنے سے کہیں میرے جگر کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

حسرتِ گریہ و نالہ تھی بہت : دل جگر اپنا گھر یاد آیا (شرح)

زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

مطلب۔ فرماتے ہیں بغیر عشق و محبت کے بھی زندگی گزر جاتی۔ آخر زندگی نے تو گزرنا ہی ہے۔ ہزاروں لوگ بغیر عشق و محبت کے رہتے ہیں لیکن نہ جانے ہیں کیا خیال آیا۔ کس نے تیرے حسن و احسان کی داسن سنائی۔ ہم تیری راہ گزر پر آ بیٹھے۔ پھر حجب تیرا حسن و جمال دیکھ لیا تو اب تیرے بغیر چین نہیں آتا۔

کی ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خلد میں گرہ یاد آیا

مطلب۔ فرماتے ہیں ہم تیرے والد دشیدہ ہیں۔ لہذا خطرہ ہے کہ رضواں سے ہماری خوب لڑائی ہوگی۔ ہم تیرے گھر جانا چاہیں گے اور وہ ہمیں روکے گا۔ چونکہ اس کا فرض منصب یہی ہے کہ جو داخل جنت ہے وہ وہاں سے نہ نکل پائے۔ دوسرے معنی یہ بھی ممکن ہیں کہ رضواں کو یہ بات پسند نہ آئے گی کہ اس کی جنت کے مقابلہ میں تیرے گھر کی تعریف تو بصیغہ کی جائے۔

آہ وہ جبرائیلؑ میرا یاد کہاں دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

مطلب۔ جگر کے ہوتے ہوئے تو بہت ہمت تھی۔ نالہ کرتے تھے پہلے اثر ہو یا نہ ہو۔ مگر اب تو جگر نہیں ہے اور دل مجبور کرتا ہے کہ آہ و فغاں، نالہ و فریاد جاری رکھی جائے۔

پھر ترے کوپے کو جاتا ہے خیال دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

مطلب۔ فرماتے ہیں تیری گلی کا خیال بار بار آتا ہے چونکہ ہم نے اپنا دل دیں کھو یا یعنی تجھ پر عاشق ہوئے تھے۔ تو نے ہمارا دل اپنی گلی میں لوٹ لیا تھا۔ مگر براہِ راست معشوق کو شرمندگی کی وجہ سے نہیں کہتے۔ دلِ گم گشتہ کا ذکر کرتے ہیں۔ شاید ہم کو اپنا کھو یا ہوا دل یاد آیا جسے ہم سمجھتے ہیں کہ تیرے کوپے ہی میں کھوئے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! دشت کو دیکھ کے گھریا د آیا
مطلب۔ فرماتے ہیں ہم توجہ من عشق میں گھر چھوڑ کر نکل آئے تھے مگر دشت کی ویرانی کو دیکھ کر ہمیں
اپنے گھر کی ویرانی کا خیال آیا جس سے آپ گھر کی ویرانی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد سنگ اٹھایا تھا کہ سر یا د آیا
مطلب۔ فرماتے ہیں نادانی سے لڑکوں کی دیکھا دیکھی لڑکپن میں میں نے بھی ایک دفعہ مجنوں کو
مارنے کے لئے پتھر اٹھایا تھا۔ مگر مارنے سے پہلے ہی مجھے اپنا سر پا د آیا کہ آج تم اس کو
مارتے ہو۔ کل کو اگر تم ہی عشق کی اس منزل میں پہنچ گئے تو کوئی تمہیں بھی پتھر مارے گا مطلب
یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ برا کرنے سے پہلے سوچ لو کہ یہ ہی معاملہ تمہارے ساتھ ہوا تو
تم پر کیا گزرے گی۔ یہ حشر کا خوف۔ ملاحق ناصر بن فضل مولا کا گھریا د آیا (شرح)

غزل ۱۷۶

ہوئی تاخیر، تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے، مگر کوئی غناں گیر بھی تھا
معنی۔ غناں گیر۔ روکنے والا۔
مطلب۔ فرماتے ہیں وعدہ کے مطابق آتے گئے لیکن دیر سے آئے۔ کیا اس تاخیر کا سبب قریب
تر تھا کہ آپ کو روک رہا ہو۔

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تبہی کا گلہ
اس میں کچھ شبہ خوبی تقدیر بھی تھا

معنی - طنزاً، خوبیِ تقدیر، شومیِ تقدیر۔ شائبہِ حقیقتہ
مطلب - فرماتے ہیں تم سے اپنی تباہی کا گلہ کرنا نامناسب ہے چونکہ اس میں آپ کا قصور نہیں
ہے بلکہ کچھ میری بد قسمتی کا بھی ہاتھ ہے ۔

تُو مجھے بھول گیا ہو تو پستابلا دوں کبھی فتراک میں تیرے کوئی بچیر بھی تھا
معنی - فتراک - وہ رستہ جو گھوڑے کی زین کے ساتھ گھوڑے پر رکھتے ہیں۔ بچیر، شکار
مطلب - فرماتے ہیں میں وہی اک تیرا شکار ہوں جس کو تو نے حقیر جان کر اپنے فتراک سے کھول
کر پھینک دیا تھا

قید میں ہے تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا
مطلب - فرماتے ہیں تیرے وحشی کو جبکہ وہ تیرا قیدی تھا تری زلف کی یاد ستاتی ہے ہاں مگر
اس یاد کے ساتھ کچھ نکالیف کچھ مصائب، کچھ ناکامیاں نامرادیاں بھی تھیں مگر وہ تری
زلف کے مقابلہ میں میچ تھیں ۔

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہیں لب تشنہ تقریر بھی تھا
مطلب - فرماتے ہیں میرے دلیر تیرا آنا فنا آنا تو بجلی کوند نے کے مترادف ہے تیری صورت
دیکھی تیرا جلوہ نصیب ہو کر باہمی شمسرت و شادمانی ہوا لیکن میں تشنہ دیدار ہی نہ تھا بلکہ
لب تشنہ تقریر بھی تھا۔ تھوڑی بہت گفتگو کرتے تو کیا ہوتا ۔

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا
معنی - لائقِ تعزیر ہونا، سزا کا مستحق ہونا ۔

مطلب - فرماتے ہیں میرے یوسف اس کو کہنے میں خیر ہوگی۔ چونکہ یوسف حسین جیل ہونے کے

علاوہ ایک وقت غلام ہو کر بازار میں بھی بکے ہیں۔ اگر وہ ان ہی معنی میں میرا کلام سمجھتے اور اور مجھ پر خفا ہوتے تو میں سزاوار تھا۔

دیکھ کر غمگین ہو کیوں نہ کیلچہ ٹھنڈا نالہ کرتا تھا وہ لے مطالب تاثیر بھی تھا
معنی۔ کیلچہ ٹھنڈا ہونا۔ صبر آنا۔

مطلب۔ فراتے ہیں جس نے ہم پر ظلم کیا۔ اب اس پر ہور ہا ہے اب وہ بھی نالہ و فریاد کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نالہ پڑا اثر ہو جائے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ہمارا کیلچہ ٹھنڈا ہوا ہے۔

پیشے میں عیب نہیں دکھائے نہ فریاد کو نام ۔ ہم ہی آشفۃ مسروں میں وہ چوں میر بھی تھا
مطلب۔ فراتے ہیں پیشے میں کوئی عیب نہیں فریاد اگر عشق میں کو کہن بھی بن گیا تو کیا ہوا۔ آخر ہم عاشقوں کے گمراہ میں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔

ہم تو مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی آخر اس شوخ کے کش میں کوئی تیر بھی تھا
مطلب۔ فراتے ہیں ہم تو جان قربان کر کے لئے، ماننے آکھڑے ہونے تھے مگر اس نے ہمیں بغیر سہے کر ہم سے نگاہیں چار نہ کیں۔ اگر پاس آنا اس کی کسرِ شان تھی تو دور سے ہی کوئی تیر اپنے کش میں سے نکال کر ہماری طرف پھینک دیتا۔ یعنی اپنی ادا و ناز سے شکار کر لیتا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پڑنا حق آدمی کوئی ہم را دم تحریر بھی تھا
مطلب۔ فراتے ہیں کو آتا کا تبین کے لکھے پر کیوں ہمارے گناہوں کا شمار یعنی حساب و کتاب رکھا گیا۔ وہ تو فرشتہ ہیں ہمارے جذبات احساسات سے بے خبر ہیں۔ ان کو صبح اذانہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ گھنٹے کے وقت ہمارا بھی کوئی نمائندہ ضرور ہونا چاہیے تھا۔

ریختے کہتے ہیں اُستاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
مطلب۔ کہتے ہیں اُستاد شاعری میں تم ہی اُستاد نہیں ہو بلکہ مشہور ہے کہ تم سے پہلے فن سخن میں
کوئی میر بھی تھا۔ غالب نے اپنے آپ کو میر کا معتقد ٹھہرایا ہے۔ ایک دوسری جگہ اس طرح
اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔۔۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

غزل ۳۷

لبِ خشک، درخشنگی مردگاں کا زیارت کدہ ہوں، دل آزد دگاں کا
مطلب۔ فرماتے ہیں لبِ خشک ہوں ان لوگوں کا جو جاہِ عشق میں پہلے سے ہی گزر گئے اور زیارتِ محابہ بند گئے
یعنی ان لوگوں کا جو عشق میں ناکام و نامراد ہیں۔ دل آزد دگاں سے مراد عشاق ہیں۔

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی میں دل بھول، فریبِ وفا خور دگاں کا
مطلب۔ فرماتے ہیں میں سراسر ناامید، اور بدگمان کی تصویر بن گیا ہوں۔ اسی لئے اب میں ان لوگوں
کا نمائندہ ہوں جو معشوقوں کے فریب کھاتے رہے اور ہمیشہ نامراد و ناکام ہی رہے۔

ناقصہ وفا میں بڑھو حوصلہ کے ساتھ
آئے جو تم ہو جان کا سودا کئے ہوئے

(شرح)

غزل ۳۸

تو دوست کسی کا بھی ستم گز نہ ہوا تھا ادول پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
معنی - ادول سے مراد رقیب ہیں۔

مطلب - فراتے ہیں تو کسی کا بھی دوست نہیں بنا۔ اور تیرے جو دوست مجھ پر ہی نہیں بلکہ سب پر یکساں
ہیں۔ مگر ایک یہ بھی معنی نکلتے ہیں کہ تو دوست کسی کا بھی نہیں۔ نہ میرا نہ قیسوں کا مگر تیرے ظلم و ستم
ادول پر مجھ سے زیادہ ہیں اس لئے میرے دل میں آتش و شک بھڑک رہی ہے۔

چھوڑا میرے خشک کی طرح دستِ قضا نے خورشید مہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
معنی - میرے خشک و درخت چاند جو مصنوعی تھا اور خشک ابنِ عطائے کچھ ادویات سے تیار کر کے پاہ میں چھوڑا
تھا۔ وہ کچھ دنوں روشنی دے کر ختم ہوا۔

مطلب - فراتے ہیں دستِ قضا نے میرے دل کو روشنی ہونے سے پہلے ہی چھوڑ دیا۔ اس میں ابھی
روئے یار کی پوری تصویر نہیں آتی تھی اور وہ ابھی خورشید نہیں بنا تھا۔

توفیق باندازہ ہمت سے ازل سے آنکھوں میں ہے قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
مطلب - فراتے ہیں جس قدر عانی ہمت کسی کی ہو تو ہے، اسی کے موافق اس کو تائیدِ غیبی حاصل ہوتی
ہے اور ثبوت یہ دیتے کہ آنکھوں میں جو قطرہ ہے اگر وہ دریا میں موتی بن جائے پر قناعت کرتا
تو اس کو عاشق کی آنکھ کا اشک بننے کا شرف حاصل نہ ہوتا۔

دریائے معاشی تنک آبی سے ہوا خشک میرا سدا من بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
مطلب - فراتے ہیں گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریائے معاشی

خٹک ہو گیا۔ مگر ابھی ہمارے دامن کا کوئی تک بھی نہیں بھینکا۔ مراد یہ بھی ہے کہ انسان ہوس کو
پنڈ ہے۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قریار کا عالم میں معتقدِ فتنہ عشر نہ ہوا تھا
معنی۔ قریار۔ کو ہمیشہ فتنہ عشر۔ سرور و شہاد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

مطلب۔ فرماتے ہیں میں نے جب تک قریار کو نہ دیکھا تھا میں عشرِ خرامی کا قائل نہ تھا نہ میرا
ایمان تھا اب جبکہ دیکھ لیا تو اب ایمان لے آیا میں آصف میں قریار سے مراد صفات
باری تعالیٰ ہیں۔ میں نے جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کیا تو میں عشرِ خرامی (اسکی قدرت پر ایمان لے آیا۔
میں سادہ دل آئندہ کی یار سے خوش ہوں یعنی سبقِ شوق مکرر نہ ہوا تھا

معنی۔ سادہ دل یا سادہ لوح۔ بیوقوف کو کہتے ہیں۔

مطلب۔ فرماتے ہیں میں سادہ دل ہوں اور یار کے آئندہ ہونے سے بھی خوش ہوں سمجھتا ہوں
کوئی بات نہیں ایک دن ہلع ہو جانے پر دوبارہ سبقِ شوق لیں گے۔ سادہ دل ہی جو ٹھہرے۔

جاری تھی اس داغِ جگر سے مری تحصیل آتش کہہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

معنی۔ سمندر۔ ایک کیڑا جو آگ میں ہوتا ہے۔

مطلب۔ فرماتے ہیں میں اپنے داغِ جگر سے لذتِ آزار کی تحصیل اُس زمانے سے کر رہا ہوں جبکہ
آتش کہہ ابھی سمندر کی ملکیت نہیں بنا تھا۔

غزل ۳۹

شب کہ وہ مجلسِ فروزِ خلوتِ ناموس تھا رشتہ ہر شمع، خار کہ دستِ خالوس تھا

معنی۔ خلوتِ ناموس۔ شرم و حیا کی محفل۔ رشتہ ہر شمع۔ موم جی کا دھاگہ۔ کسوت، لباس

مطلب۔ فرماتے ہیں رات ہمارا معشوق شرم و حیا کی مجلس میں جلوہ افروز تھا۔ اُس کے سلسلے شمعِ خجالت

سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ رشتہ شمع اس کے حق میں غارِ پیرا بن ہو گیا تھا۔

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جواگتی ہے حنا کس قدر یارب! ہلاکِ حسرتِ پاپوس تھا
معنی۔ مشہد۔ شہیدوں کا قبرستان۔ ہلاکِ حسرت۔ پاپوس۔ قدموں کو چومنے کی حسرت دکنے والے
مطلب۔ فرماتے ہیں عشق کو پاپوسی کی کس قدر خواہش تھی جی تو کوسوں تک ان کے قبرستان سے
ہندی آگ رہی ہے تاکہ معشوق اسے اپنے پیروں میں لگائیں۔
شاید اسی طرح عاشق کو اپنے معشوق کی قدم پوسی کا موقع مل جائے خواہ وہ مرنے
کے بعد ہی ہو۔

حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو دل بد دل ہویت گویا اک لبِ افسوس تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں عشق و محبت کا انجام سوائے ناکامی آرزو کے اور کچھ نہ دیکھا اگر دل مل بھی گئے
تو وہ بھی لبِ افسوس ہی کا ایک شکل تھی۔

کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیان جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیوس تھا
معنی۔ کیوس، جگر
مطلب۔ بیماریِ غم کی فارغِ ابالی کا کیا بیان کرو۔ جو کچھ بھی کھاتا ہوں وہ خونِ جگر ہے۔ بے منتِ کیوس
ہے یعنی جگر کو ہضم کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ لہذا مجھ پر بھی جگر کا کوئی احسان نہیں ہے

غزل ۴۰

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے صاحبِ کوبل ندینے پہ کتنا غرور تھا
مطلب۔ فرماتے ہیں آپ تو میرے پر تعجب کرتے تھے کہ میں نے آپ پر ندامت کو کہ اپنا دل آپ کو کیسے

دے دیا۔ اب بتاؤ کہ تم خود ہی آئینہ دیکھ کر اپنے آپ پر کیسے عاشق ہو گئے۔ اب وہ دل نہ دینے کے غرور کا کیا ہوا۔

قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا
مطلب۔ بوجہ رشک عاشقی نہیں چاہتا کہ معشوق کے ہاتھوں کوئی اور مارا جائے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ
قاصد کی کوئی خطا نہیں جو کچھ قصور ہے وہ میرا ہے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالو کیونکہ
نامہ محبت دے کر میں نے اس کو بھیجا تھا۔

غزل ۴۱

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
مطلب۔ فراتے ہیں میرا دل عشق کی نیاز مندی کے قابل نہیں رہا۔ چونکہ غمِ عشق میں جو صدمات برداشت
کر نہ پڑے ان سے میرا دل اس قابل نہیں رہا کہ محبت کا اظہار کر سکے۔

جاتا ہوں داغِ حسرتِ سستی لئے ہوئے ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا
معنی۔ شمعِ کشتہ بجھتی ہوئی شمع

مطلب۔ فراتے ہیں میں اس دنیا سے مجبوراً جاتا ہوں۔ جانے کو دل تو نہیں چاہتا، مگر قضا سے
ہر کوئی مجبور ہے اور دیے بھی اب میں بجھتی ہوئی شمع ہوں جو محفل کے کسی کام کی نہیں رہتی اور
اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے۔

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں شایانِ دستِ بازو سے قاتل نہیں رہا

مطلب۔ فراتے ہیں مجھ (عاشق) کی خستہ حالت، زار و زار پر معشوق کو رحم آگیا اور اس نے مجھے
قتل کرنے سے ہاتھ اٹھایا۔ اب مجھے مرنے کے لئے کچھ اور ہی تدبیر کرنی چاہیے۔

بروئے شش چہت در آئینہ باز ہے یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
مطلب۔ جیسے آئینہ اچھا بُرا کس قبول کر لیتا ہے۔ دل عارف میں بھی اجینہ اسی طرح تصویر
اُتر آتی ہے جس قدر دل کا آئینہ صاف ہو گا۔ اسی قدر تصویر صاف ہوگی۔ یعنی (اسرار الہی)

دا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقابِ حسن غیر از نگاہِ اسب کوئی حائل نہیں رہا
مطلب۔ شوق خود نمائی نے نقابِ حسن کے بند کھول دیئے ہیں۔ یعنی ہر طرف خوب حسن ہے اب بھی
اگر محبوب کو کوئی نہ دیکھ پائے تو اس کی اپنی نگاہ کا قصور ہے۔ وہی درمیان میں پردہ بن کر حائل
ہے چشمِ باطن کھل جانے تو محبوب حقیقی کا جلوہ ہر طرف نظر کرنے لگتا ہے۔

گو میں رہا رچیں ستم مارے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
مطلب۔ فرماتے ہیں بادیوار اس کے کہ دنیا کے آلام و مصائب میں ہمیشہ ہی گرفتار رہا لیکن اے
میرے محبوب میں تجھے کسی دقت کسی حالت میں بھی نہیں بھولا۔ ہر وقت تیرا ذکر میرے دل کی
راحت بنا رہا۔

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں حائل سوائے حسرتِ حائل نہیں رہا
معنی کشتِ وفا، باغِ وفا۔
مطلب۔ فرماتے ہیں اب میرے دل سے باغِ وفا کی آرزو مٹ گئی ہے اور یہ اس لئے کہ وفا کے
بعد وفا کا صلہ حسرت و افسوس کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر است جس دل پہ ناز تھا مجھ وہ دل نہیں رہا
مطلب۔ فرماتے ہیں اے است میں عشق میں جو رکستم سے نہیں ڈرتا بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ظلم

بہنے والا دل ہی میرے پہلو میں نہیں رہا جس پر میں نمازاں تھا۔

غزل ۴۲

رُشک کہتا ہے کہ اس کا غیرے اخلاص حیف! عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
مطلب۔ فراتے ہیں کہ رُشک تو یہی کہتا ہے کہ اُس کا ملنا جلنا غیرے نہیں ہونا چاہیے۔ مگر عقل یہ کہتی
ہے کہ جب وہ بے مروت ہمارا نہیں ہوا تو وہ کسی دوسرے سے بھی محبت کرنے والا نہیں۔

ذَرّہ سا غر مے خانہ نیرنگے گردشِ مجنوں، جھپٹک ماٹے سنی آشنا
معنی۔ خانہ نیرنگ، مکرو فریب کا گھر۔ جھٹک
مطلب۔ فراتے ہیں دنیا کا ہر ذرّہ مکرو فریب کے میخانہ کا سا غر ہے۔ دیکھ جی تو مجنوں سیل کے
برائے پرنا چتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا مکرو فریب سے بھری پڑی ہے اور اہل دنیا اُس پر
کیڑوں کی طرح سے چٹے ہوئے ہیں۔

شوق ہے سماں طرازِ نازِ شِ اربابِ عجز ذرّہ محرا دت گاہ و قطرہ دریا آشنا
معنی۔ اربابِ عجز، عاجزی والے۔ طراز، زینت۔ ذرّہ
مطلب۔ فراتے ہیں عجز اختیار کرنے والوں کا سرمایہ نازِ عشق ہے جبکہ وجہ سے ایک ذرّہ ناچیز
محرا بن جاتا ہے اور قطرہ دریا بن جاتا ہے۔ یہ سب کچھ عشق کی بدولت ہے مطلب یہ ہے کہ ایک
مٹی کا پتلا ترقی کر کے عشقِ انہی کے مراحل طے کر کے محبوبِ خدا بن جاتا ہے۔ گویا ایک ذرّہ محرا میں
اور ایک قطرہ دریا میں تبدیل ہو گیا ہو۔

میں ادراک آفت کا ٹکڑا وہ دل جوشی کہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
مطلب۔ فرماتے ہیں میرا دل آفت کا ٹکڑا ہے اور اس جوشی سے میرا پالا پڑا ہے۔ یہ عافیت کا دشمن
مجھے آرام نہیں کرنے دیتا۔ عشق کی دنیا میں مجھے آوارہ لئے پھرتا ہے۔

شکوہ سنج رشک ہم دیگر نہ رہنا چاہیے میرا زانو نموس اور آئینہ تیرا آشنا
مطلب۔ ذرا تے ہیں شکوہ اور بدگمانی دونوں بے لطف چیزیں ہیں ان دونوں کو باہم نہیں ہونا چاہیئے۔
اسی لئے میرا سر زانو رہتا ہے اور آئینہ تمہارا آشنا ہے۔ تم شکوہ کرنا چھوڑ دو اور میں رشک کرنا
چھوڑ دوں گا۔

رابطہ یک شیرازہ وحشت میں اجڑاتے بہار سبز بیگانہ صبا آوارہ گل با آشنا
مطلب۔ فرماتے ہیں اجڑانے بہار کے ضروری عنصر کو ایک لڑی میں پر دو جیسے بہار سبز بیگانہ صبا آوارہ گل کا اور
گل با آشنا کو ایک ہی جگہ نظم کر دیتی ہے۔ تو سب بہار کا جزو بن کر بہار ہو جاتے ہیں۔

کوہ کن ز نقاش یک تمثال شیریں تھا اسد سنگ سرور کر ہوئے نہ پیدا آشنا
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ کن جب پتھر پر کمال چلا تا تھا تو پتھر سے جو چنگاری نکلتی تھی اس میں فرما دو
شیریں کی تصویر نظر آتی تھی لیکن اس طرح پتھر ٹوٹنے سے تو اصلی محبوب حاصل نہیں ہو سکتا۔

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں : بت شیریں سے بہلایا گیا وہ
(تسارح)

غزل ۴۳

ذکر اس پری و شس کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر محتاجِ رازِ داں اپنا
مطلب۔ فراتے ہیں نہیں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا کہ میں نے اپنے رازِ داں کے سامنے اپنے محبوب کے
خُسن کی تعریف اس دنگ میں کر مینا کہ وہ بھی میرے معشوق پر ناویدہ عاشق ہو گیا اور میرا رقیب بن
گیا۔ حالانکہ وہ میرا رازِ داں اور دوست تھا۔ لیکن اک تو میرا بیانِ خُسن اور وہ بھی اس پری و شس کے
خُسن کا بیان یعنی سونے پر سہاگ ۔

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب آج ہی بُنوا منظور اُن کو امتحانِ اپنا
مطلب۔ فراتے ہیں اگر انہوں نے اپنی غایِ ظرفی کا امتحان لینا تھا تو بزمِ غیر میں کیوں زیادہ مے پی۔
یہ میرے لئے بے حد باعثِ رشک ہوا۔ ایسا امتحان ہی لینا تھا تو میری بزم میں پیتے تاک میں ان
کی بے خودی اورستی سے لطف اندوز ہوتا۔

منظر اک بلند ی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے اُدھر ہوتا کاشش کہ مکاں اپنا
مطلب۔ فراتے ہیں ہم اپنی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکے اور نہ ہی تیرے متعلق ہیں زیادہ علم
ہوا۔ کاشش عرش سے ہے ہوتا ہمارا ٹھکانہ تا ہم دیکھ سکتے۔

دے وہ جس قدر ذلت ہم پہنسی میں ٹالیں گے بائے آشنا نکلا اُن کا پاسِ باں اپنا
مطلب۔ فراتے ہیں بہت ہی اچھا ہوا۔ اُن کا پاسِ باں ہمارا دوست نکلا۔ اگر وہ ہماری حقیر و ذلیل ہی
کو دے گا تو ہم اس کو مذاقِ کارِ دنگ دیتے رہیں گے۔ اور ظاہر کریں گے کہ پاسِ باں ہمارا پرانا
اُشنا ہے ۔

دردِ دل کھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں

”انگلیاں رنگار اپنی، خامہ خوشچکاں اپنا
مطلب۔ فرماتے ہیں خط میں دردِ دل کب تک کھتا رہوں گا مجھے چاہیئے کہ ان کے پاس جا کر ان کو
اپنی انگلیاں اور خون آلود قلم دکھلاؤں تاکہ ان کو بھی میرے دردِ دل کا کچھ احساس ہو جائے۔

گتے گتے لٹ جاتا آپ نے عبت بدلا ننگِ سجدہ سے میرے ننگِ استلا اپنا

مطلب۔ فرماتے ہیں آپ نے اپنا ننگِ استلا عبت بدلا۔ اس لئے کہ وہ میرے سجدوں سے غلب
یانا پاک ہو گیا تھا۔ کیا ضرورت تھی وہ تو میرے سجدوں سے خود ہی گس جاتا۔ پھر بدل دیتے

تا کرے نہ غمازی، کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شکایتیں، ہم نے ہم زبان اپنا

مطلب۔ فرماتے ہیں ہم نے دوست کی شکایت دشمن کی زبان سے نکل والی ہے۔ اب وہ ہمارے
دوست سے جا کر جھلی نہ کر سکے گا۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں بیکتا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

مطلب۔ کس نفسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم تو نہ دانا تھے نہ کسی ہنر میں بیکتا تھے پھر آسمان ہمارا
کیوں دشمن ہو گیا۔ وہ تو اہل کمال کا دشمن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آسمان ہمارا دشمن ہے
تو ہماری دانائی اور کیا ہونا مستم ہو گیا۔ سبحان اللہ کس دانائی اور ہنر مندی سے اپنا کامل فن اور
بیکتا ہونا ظاہر کیا۔ قطع کی تعریف نہیں کی جاسکتی

خوشی اپنی نہ غم اپنا نہ اندازِ دعاں اپنا ۛ کہاں پر چھوڑ گئے ہم زمین و آسمان اپنا

(شارح)

غزل ۴۴

سہ سہ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے کہ رجبے چشم خریدار یہ احساں میرا
مطلب ۔ فراتے ہیں میرے کلام کا فیض و لطف عام ہے جو چاہے اس سے فیض یاب ہو اور اس سے
میری غرض یہ ہے کہ خریدار پر میرا احسان رہے ۔ (یہ شعر اپنے کلام کی تعریف میں ہے)

خصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا
مطلب ۔ فراتے ہیں میں نہیں نالہ کرنے کی اجازت دے ورنہ ضبطِ غم سے ہمارا دل دھواں دھار ہو جائے
گاہ اس کا یہ اثر تیرے تک پہنچ جائے گا۔ چونکہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ میں تجھے غمزدہ دیکھنا
نہیں چاہتا۔

غزل ۴۵

غافل، یہ وہم ناز خود آ رہا ہے، ورنہ یاں بے شائد صبا نہیں طرہ گیاہ کا
معنی ۔ خود آرا، خود پسند، فخر و غرور کرنے والے ۔ بے شائد صبا، بغیر لطفِ الہی ۔
طرہ گیاہ، گاہ اس کا تنکا

مطلب ۔ ذہنتے ہیں اہل دنیا حقیقت سے نادانف ہیں ۔ اپنے کئے پر غرور کرتے رہتے ہیں ۔ حالانکہ
بغیر حکمِ الہی گھانس کا سرا بھی نہیں ہلتا، شائد صبا کو لطفِ حکمِ الہی سے تشبیہ دی ہے ۔

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ صیدِ زدام جستہ ہے اس دامنِ گاہ کا
معنی ۔ بزمِ قدح ۔ بزمِ شراب ۔ صیدِ زدام جستہ، وہ شکار جو جال میں پھنس کر نکل گیا ہو۔ دامنِ گاہ، مراد دنیا
مطلب ۔ فراتے ہیں بزمِ شراب سے عیشِ تمنا نہ رکھ چونکہ یہ رنگ تیرے چہرے سے جلد چلا جائیگا جیسے

نکارِ مال میں پیش کر نکل بیگا تھا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کی ہر لذت عارضی دنیا پائیدار ہے یہاں
کی کسی چیز کو دوام نہیں ہے۔ بس نئے دنیا کے میش داؤم گھٹے کا سودا ہیں۔ دام گاہ کو بزمِ قدح
سے نشیہ دی ہے۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گستاہ کا
مطلب۔ فراتے ہیں گناہ کا عذر کرنا آسان بات ہے۔ مگر بوجہ شرم و زاریت گناہ کا عذر نہیں کرتا مگر
امید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم ہے وہ خود ہی رجوعِ رحمت ہو گا۔

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہے پُر گل خیالِ زخم سے دامنِ نگاہ کا
مطلب۔ فراتے ہیں میں شوقِ شہادت میں قتل گاہ کو خوشی خوشی جاتا ہوں جیسے کوئی دوا لعل شادی کرنے
جاتا ہے۔ میں نے اپنے دامنِ نگاہ کو خیالِ زخموں سے خوب بھر لیا ہے۔

جاں در ہوا تے یکہ بنگہ گرم ہے اسد پروانہ ہے کیل اترے داد خواہ کا
مطلب۔ فراتے ہیں اسدِ جان دینے کی شوق و آرزو رکھتا ہے تاکہ تو نگاہِ گرم سے اس کی جان لے
لے۔ اسی لئے پروانہ کو کیل بنا کر تیری بزم میں بھیجتا ہوں تاکہ تو دیکھے کہ پروانہ شمع پر جل کر
کس طرح جان سے رہا ہے۔

حسنِ عالم سوز کے دنیا میں دیوانے بہت
شمع رکشی ہو تو آجالتے ہیں پرولنے بہت
محمود دہلوی

غزل ۴۶

جور سے باز آئے پر، باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا
مطلب - فراتے ہیں وہ جور سے کب باز آنے والے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم باز آگئے۔ مگر ستھر ہی یہی
کہہ رہے ہیں کہ اب ہم شرمندگی کی وجہ سے تجھ کو منہ نہ دکھائیں گے۔ عاشق سے منہ چھپانا
ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ گھبرا ئیں کیا
مطلب - توکل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب کسی شے کو قیام ہی نہیں۔ رات دن زمین و آسمان
گردش کر رہے ہیں تو ہمارے حالات بھی یکساں نہیں رہیں گے۔ لہذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں، لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
معنی - لگ معنی تعلق، دشمنی، بیر۔
مطلب - فراتے ہیں اگر ہمارے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق ہوتا تو ہم اس تعلق کو منسب سمجھ لیتے یا دشمنی سمجھ لیتے
یا بیر سمجھ لیتے۔ جب کسی قسم کا تعلق ہی نہیں تو پھر ہم کیسے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔

ہو لئے کیوں نامہ بُر کے ساتھ، ماتھ یارب! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
مطلب - فراتے ہیں اشتیاقِ جواب کی خاطر نامہ بُر کے ساتھ ہی پل پڑے۔ جب ہوش آیا تو
کہتے ہیں یہ تو شرم کی بات ہے کہ ہم اپنا خط آپ ہی پہنچائیں۔ دوسرے مصرعہ میں
تعبیب کا اظہارِ لطف سے خالی نہیں۔

موجِ خوں سر سے گز رہی کیوں نہ جانے آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا
مطلب : فراتے ہیں یہیں چاہے جس قدر تکلیف پہنچے چاہے جتنے ستم ہوں۔ ہم عاشق صادق
کی طرح آستانِ یار کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

عمرِ مجھ رو دیکھا کینے مرنے کی راہ مر گئے، پر دیکھتے دکھائیں کیا
مطلب : فراتے ہیں عمرِ مجھ مرنے کی راہ دیکھتے رہے اب خدا کرے ہم مرے ہیں، دیکھنے
ہمارے اعمال ہمیں کیا نظارہ دکھاتے ہیں۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے کوئی بستلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا
مطلب : فراتے ہیں وہ جانا چاہتے ہیں کہ غالب کون ہے ہم کیسے بتائیں کہ وہ ہی ہمارا عاشق
ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں لیکن پھر تجاہلِ عارفانہ سے پوچھتے ہیں۔
اور اگر غالب کے معنی فتح پانے والا اپنے ہم عصروں پر سبھا جائے۔ تو فراتے ہیں کہ اس کا فیصلہ
تو کوئی اور ہی کرے۔ ہم اپنے منہ میاں بیٹھو کیسے نہیں۔

غزل ۷۷

لطفِ بے کثافتِ جلوہ پیدا کر نہیں سکتی چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا
مطلب : فراتے ہیں لطفِ بغیر کثافت کے کوئی لطف نہیں دیتی۔ بھوک ہو تو کھانا اچھا لگتا ہے۔
پیاس ہو تو پانی اچھا لگتا ہے۔ جیسے ہونے کو آرام میں مرزا آتا ہے۔ یعنی بادِ بہاری کا جلوہ چمن
کے ذریعہ نمودار ہوتا ہے۔ گویا چمن اپنی سبزی کے اعتبار سے آئینہ بادِ بہاری کا زنگار بن جاتا
ہے۔

حریفِ بخشش دریا نہیں غمِ داریِ ساحل جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ پارسانی کا

مطلب فرماتے ہیں دریا جب طغیانی پر آتا ہے تو خود داریِ ساحل کام نہیں آسکتی اور ساحل اپنے آپ کو محفوظ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر تو ساقی ہے تو پھر شراب پینے سے پار سے پار کا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ شعر حقیقت و محیِ زندوں پر یکساں اطلاق پاتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک حقیقت پر زیادہ جہاں ساقی مرنے کے اوصاف بنائے ہیں کہ جہاں ساقی نل ہی مراد ہے۔

غزل ۴۸

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرتا ہے دوا ہو جانا

مطلب فرماتے ہیں جب درد حد سے گزر جائے گا تو فنا ہو جائیں گے اور یہی مقصود ہے جیسے قطرہ دریا میں مدغم ہو کر دریا بن جاتا ہے۔ پس درد کا حد سے گزرنا بھی درد کی دوا ہے جس کے نتیجے میں موت کا فرشتہ ساری تکالیف سے نجات دے دیتا ہے۔ حضرت امیر میتائیؒ کیا خوب فرماتے ہیں

ہے مدت سے امیر کُوس سے ملنے کی تنا تھی
کج آنس نے بلایا ہے لینے کو قفسِ آنی

تجھ سے قسمتیں مری صورتِ قفلِ ابجد تھا لکھا بات کے ہفتے ہی جدا ہو جانا

معنی۔ قفلِ ابجد۔ حروفِ آپس میں ملیں تو نالا کھل جائے ورنہ نہیں۔ جیسے تجوری یعنی سیف میں ہوتے ہیں۔ مطلب فرماتے ہیں میرا تو شہِ قسمت، قفلِ ابجد کی طرح واقع ہوا ہے یعنی جب تجھ سے تعلق و ربط کی صورت بنی تو پھر فوراً جدائی کی صورت پیدا ہو گئی۔

دل ہوا کشمکشِ چارہ زحمت میں تمام مرنٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا دوا ہو جانا

مطلب فرماتے ہیں علالتِ دل کرنے میں جن مسائب کا سامنا کرنا پڑا۔ تدبیروں میں مہینے رہے ماسی

رحمت میں دل تمام ہو گیا یعنی ختم ہو گیا جس طرح کسی گرہ کو کھولنے کھولتے ڈورا بھی گھس جاتا ہے۔ اور وہ مثل صادق آتی ہے کہ نہ بانس رہا نہ بانسری۔

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ اللہ! اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
مطلب۔ بہت پیارا شعر ہے۔ فرماتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ ہم پر طرح طرح کے لطف و عنایات تھیں
اور اب یہ وقت آ گیا کہ ہم سے جفا ہی کرنا انہیں گوارا نہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ہم جیسے وفاداروں
کے اس قدر دشمن ہو گئے کہ وفا کرنا تو دور کی بات ہے انہیں جفا کرنے سے بھی گریز ہے یعنی کسی
قسم کا تعلق انہیں نہ تھا اور نہیں۔

ضعف گریہ مُبدل بہ دمِ سرد ہوا باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جوا
مطلب۔ فرماتے ہیں ہم میں کمزوری کی وجہ سے گریہ و زاری کی طاقت بھی نہ رہی اور سونے سرد سرد آؤں
بہرنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ اب ہمیں یقین ہوا کہ پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔

دل سے مٹنا تری انگشتِ جنائی کا خیال ہو گیا، گوشتِ تن سے ناخن کا جدا ہو جانا
مطلب۔ فرماتے ہیں بھلا کہیں گوشت سے ناخن بھی جدا ہوتے ہیں۔ ہمارے دل سے تیری سنا آلود
انگلی کا خیال کیسے مٹ سکتا ہے۔

بے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
مطلب۔ فرماتے ہیں جس طرح موسمِ بہار میں بادل برس کر پھٹ جاتے ہیں تو مطلق صاف ہو جاتا ہے
اسی طرح میں بھی غمِ فرقت میں روتے روتے فنا ہو جاؤں گا۔

گر نہیں نکھستِ گل کو ترے کوپنہ کی بوس کیوں نہ لگ رہا ہو لافِ مسرب۔

مطلب - فراتے ہیں اگر بونے گل کو ترے کوچے کی ہوس نہیں ہے تو یہ کیوں باد صبا کے ساتھ
ساتھ چمک کاشتی ہے ۔

تاکہ تجھ پر کھلے اعب ز ہوائے صقیل دیکھ برسات میں سبز آنے کا ہو جانا

مطلب - فراتے ہیں موسم بہار کی ہوا سے فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ ہر چیز متاثر ہو جاتی ہے
حتیٰ کہ فزادہ آئینہ بھی رنگار سے سبز ہو جاتا ہے۔ لہذا تجھے موسم بہار کے اعجاز کا نائل ہو جانا چاہیے۔

نئے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب چشم کو چاہتے ہر رنگ میں وا ہو جانا

مطلب - فراتے ہیں اے غالب رنگ برنگ کے پھول جب اپنی بہار دکھاتے تو ان کو دیکھ کر دل
بہلانے کا ذوق بڑھ جاتا ہے۔ لہذا چشم انسان کو چاہیے کہ وہ ہر رنگ میں کھلی رہے حقیقت اور
مجاز دونوں کے مزے لوٹے۔

اداؤ ناز کی یادیں لگائے سینہ سے بے لگاؤ شوق مری کب سے داہے کیا کیئے (شارح)

ب

غزل ۴۹

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب دے بٹھے کو دل و دست ثنا موج شراب

معنی - ثنا، پانی میں تیرنا۔ بال - پندوں کے پر۔ بٹھے، شراب کی صراحی ۔

مطلب - فراتے ہیں کہ وقت ہو گیا ہے کہ موج شراب اڑنے کے لئے اپنے بازو کھولے اور بٹھے
کو تیرائی رکھنے والا دل عطا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ موسم بہار آگیا ہے اور عیش کا زمانہ ہے۔

پوچھ پرت وجہ یہیستی اربابِ حین سایہ ناک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

معنی - ارباب چین ، درختان چین - موج شراب ہونا ، نشاط انگیز ہونا ، تاک ، انگور کی پل بستی نہ ہونا۔
مطلب - فراتے ہیں تاک کے سایہ میں ہوا بے حد نشاط انگیز ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ارباب چین
مست ہیں اور خوب بھوم رہے ہیں۔

جو ہوا غرقۂ بحرِ بخت رسا لکھا ہے سر سے گزے پہ بھی ہے بالِ ہوا موجِ شراب
مطلب - فرماتے ہیں جس نے اپنے آپ کو شراب میں غرق کر لیا اور پوش و حواس کھو بیٹھا تو وہ
بادشاہی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی جیسے ان کے سر سے بالِ ہوا گزر گیا اور وہ بادشاہ
بن گئے۔ اُمرؤۃ نہ تو عمر ، نہ عرق نہ کچھ۔ تو بہت اردوں ہو۔ وہ ہلے عافان میں برونق ہوتے
ہیں وہی سون بادشاہت نہ سہکتے۔

نہ ہے یہ برسات و موسم کہ عجیب کیا ہے اگر موجِ ہستی کو کسے فیض ہوا موجِ شراب
مطلب - فراتے ہیں برسات کے موسم میں زمینوں میں بھی سبزہ آگ آتا ہے۔ کیا عجیب ہے کہ بادِ پہلی
موجِ ہستی کو بھی فیضیاب کرے اور ہماری طبیعتوں میں نئے نئے جوش اور ولولے پیدا ہوں
اور نشاط کی لہریں دوڑ جائیں۔

چار موجِ اٹھتی ہیں طوفانِ طرب سے ہر سو موجِ گل موجِ شفق ، موجِ صبا موجِ شراب
مطلب - فراتے ہیں جوشِ طرب طوفانِ خیز ہے جس میں یہ چار موجیں اپنا اپنا طوفان بپا کر رہی ہیں۔
موجِ گل ، موجِ شفق ، موجِ صبا اور موجِ شراب۔

جس قدر رُوحِ نیاتی ہے جگر تشنہ ناز دے تے تکیں ہم آبِ اقا موجِ شراب
مطلب - فراتے ہیں جس طرح بارش درختوں میں قوتِ نشوونما کو بڑھاتی ہے اسی طرح موجِ شراب
سے خدوں کے دل و دماغ میں آرزوؤں اور تمنائوں کا جوش لے آتی ہے۔

بس کہ دوڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر شہپر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب
مطلب۔ فرماتے ہیں انگور کی بیلوں میں مرقی انگور اسی طرح دوڑتا ہے جیسے انسان کے جسم میں
خون گردش کرتا ہے۔ اور انسان کا چہرہ گل ٹٹک نظر آتا ہے۔ اسی طرح انگور کی بیلیں
سبز و شاداب ہیں۔ یعنی سبزی و شادابی کو نمین پرانا حاصل ہوئی ہے۔

موجِ گل سے چراغاں ہے گزر گاہِ خیال ہے تصویر میں زبس جلو نما موج شراب
مطلب۔ فرماتے ہیں رنگ برنگ کے جو پھول کھلے ہیں انہوں نے ہماری سوچ سمجھ کی گزر گاہوں
میں چراغاں کر دیا ہے۔ نئے نئے خیالات نئے مضمون دماغ میں آتے ہیں اور یہ سب اس
وجہ سے ہے کہ ہمارے خیال میں موج شراب بس گئی ہے۔

نشے کے پردے میں ہے جو تماشاے دماغ بس کہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب
مطلب۔ فرماتے ہیں موج شراب نشے کے پردے میں تماشاے دماغ میں محو رہتی ہے اور یہ اس وجہ
سے ہے کہ موج شراب میں ترقی خیال پیدا کرنے کا مادہ پوشیدہ ہے۔

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل موجِ سبزہ نو خیز سے تا موج شراب
مطلب۔ فرماتے ہیں کیفیتِ فصل بادی بہاری اور کیفیتِ موج شراب کا تمام عالم میں اثر طوفان
کی طرح پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نئے اگلے ہوئے سبزہ پر بھی رونق آجاتی ہے اور شراب کا
نشہ بھی دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

شرح ہنگامہ ہستی ہے نہ ہے موسمِ گل رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ موسم بہار میں زندگی کے تمام مشاغل میں ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی

ہے اور شراب کا نشہ اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ پینے والے کی طبیعت میں بھی اُبال آ جاتا ہے اور وہ اپنے اندر دریا کی سی طغیانی محسوس کرنے لگتا ہے۔

ہوش اُٹتے ہیں مرے جلوہ نگل دیکھ اسد پھر نوا وقت اکہ ہوا بال کش موج شراب
مطلب۔ فراتے ہیں اسے اس جلوہ نگل دیکھ کر میرے ہوش اُڑنے لگے ہیں چونکہ وہ وقت آ رہا ہے کہ موج شراب اپنے بازوؤں کو کھول کہ ہوا میں اُڑنے لگے اور ہر طرف شراب ہی کے دھبے پاتے نظر آئیں۔

ت

غزل ۵۰

افسوس اکہ دیدال کا کیا رزق فلک نے جن لوگوں کی تھی درخورد عقد گہرا نگشت
مطلب۔ فراتے ہیں افسوس ہے کہ جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کے پھلتے پہنے ہوئے تھے ان کو مرنے کے بعد کیڑوں کا رزق بنا دیا ہے۔

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت
مطلب۔ فراتے ہیں کہ محبوب نے بوقت سفر چھلے بطور نشانی دینے کی بجائے مجھے صرف اپنی انگلی کا اشارہ کر دیا جو میرے لئے چھلے سے زیادہ یادگار رہے گا۔

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم تار کہ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت
معنی۔ حرف پر انگلی رکھنا۔ کلام میں عیب جوئی کرتا۔ سخن گرم۔ تند و تیز کلام
مطلب۔ فراتے ہیں میں جلے دل سے ایسے تند و تیز اشعار کہتا ہوں کہ کوئی ان میں عیب نہیں نکال سکتا۔
اور اگر کسی حرف پر انگلی رکھے گا تو وہ گرمی کلام سے جل جائے گا

غزل ۵۱

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
مطلب۔ فرماتے ہیں مرنا لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص قیامت تک بھی زندہ رہے یا لمبی عمر پائے تو پھر بھی
موت یقینی ہے۔

جگر کو مرے عشق خوں نابہ مشرب لکھے ہے خداوند نعمت سلامت
مطلب۔ فرماتے ہیں عشق کی خوراک خون ہے۔ مرے جگر کا خون پی کر عشق پلا ہے۔ اسی لئے اس نے
میرے جگر کو خداوند نعمت کا خطاب دے کر سلامتی کی دعا دی ہے۔

علی الزنم دشمن شہید وفا ہوں مبارک مبارک سلامت سلامت
معنی۔ علی الزنم۔ برعکس، برخلاف
مطلب۔ فرماتے ہیں میں بواہوس عاشق نہیں ہوں بلکہ میرا مشرب شہید وفا ہونا ہے اور یہ بڑے
فخر کی بات ہے جو مجھے مبارک ہو۔

نہیں گر، سرو و برگِ ادراکِ معنی تماشا تے نیرنگِ صورت سلامت
مطلب۔ فرماتے ہیں، اگر تمہاری توفیق درساںِ ادراک کے سرو سامان تک نہیں ہے۔ نہ ہی۔
نیرنگی صورت کا نئی دشانی ہے۔ ظاہر کا دیکھنا ہی کافی ہوگا۔ اثر موثر کا پتہ دیتا ہے مخلوق
خالق کا عشق مجازی سے عشق حقیقی پیدا ہونا چاہیے۔

غزل ۵۲

مندگشیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غائب یار لائے میری بالیں پُٹے پر کس وقت !
مطلب ۔ فراتے ہیں ۔ میرے یار میرے محبوب کو اس وقت میری بالیں پُٹ لائے جب میں نزع کی
حالت میں تھا ۔ آنکھیں کھولتے ہی کھولتے بند ہو گئیں مطلب یہ ہے کہ دوستوں نے ہمدردی
تو کی لیکن بہت تاخیر سے ۔

غزل ۵۳

آئینہ خط سے ہوا ہے سروا جو بازارِ دوست دو شمع کُشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
مطلب ۔ فراتے ہیں رخسارِ دوست پر سبزہ آنے کی وجہ سے گرہنی حسن کی سروا بازی ہو گئی ہے ۔
اس کا مطلب ہے کہ خطِ رخسارِ دوست بھی ہوئی شمع کا دھواں تھا جس کے ظاہر مہلے سے
حسن کے بازار میں اندیرا چھا گیا ۔

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
مطلب ۔ فراتے ہیں اے میرے دلِ ناعاقبت اندیش مت بن ضبطِ شوق سے کام لے جلوۂ دیدار
دوست کی برداشت کس میں ہے کیا تو بھول گیا کہ دُش کے ساتھ طور پر کیا ہوا تھا ۔

خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست
مطلب ۔ فراتے ہیں حیرت کی خانہ ویرانی کو ملاحظہ کیجئے ۔ ہم حیرت میں پڑ کر اپنے گھر کو بھول بیٹھے ہیں
اور ہمارا گھر بار بے بغیر ویران ہے ۔ ہم نے دوست کی رفتار کا تماشا دیکھا تھا پھر ہم اسی کے

ہو گئے اور خود کو مجھول گئے یعنی نقشِ قدم کی مانند بے جان ہو گئے۔

عشق میں بیدارِ رشکِ غیر نے مارا مجھے گشتِ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں دوست کی فرقت نے مجھے بیمار کر دیا تھا لیکن میں زندہ تھا۔ لیکن رشکِ غیر
کی بیدار نے مجھے مار ڈالا۔

چشمِ مارِ روشن کہ اُس نے رو کا دل شاد ہے دیدہ پر خوں ہمارا، ساغرِ سرشارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں بادیِ جو یکہ ہم خون کے آنسو رو رہے ہیں لیکن اس وجہ سے اُس بیدار کا دل
ہمارے رونے سے شاد ہے۔ اس لئے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ چشمِ مارِ روشن یعنی ہم بھی اپنے خون
کے آنسو بہانے پر خوش ہیں۔ ہمارا دیدہ پر خون۔ ساغرِ سرشار۔ دوست ہے اور محبوب کے خوش ہونے
سے ہم بھی خوش ہیں۔

غیر یوں کرتا ہے میری پریش اس کے بھر میں تے لکفِ دوست ہو جیسے کوئی غمِ خوارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں غیر اس طرح سے میری پریش کرتا ہے جیسے وہ تے لکفِ دوست ہو یا حقیقی
غمِ خوار۔ حالانکہ وہ دشمنی کے ساتھ شین بھی بھارتا ہے اور منافقت بھی کرتا ہے۔

تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رانی اں تک مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں جس غیر کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ وہ یہ بھی جتنا چاہتا ہے کہ اُس کی رانی میرے
محبوب تک ہے اور وہ پیامِ وعدہ دیدارِ دوست بھی دیتا ہے۔

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ دماغ سر کر سے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبرِ یارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں اس کی شینیں سن کر حیب میں ضعیفِ دماغ کا غم کرتا ہوں یعنی یہ کہتا ہوں کہ

یہ تیری فضول شیئیاں ہیں۔ بند کر میرا سر کیوں کھانا ہے۔ تو وہ تو رازِ آفاقِ جنبر یا دوست کا بیان شروع کر دیتا ہے۔

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں مجھے چپکے چپکے سے روتے دیکھ کر بیانِ شوخی گفتارِ دوست کرنے لگتا ہے یعنی مجھ ستانے کے لئے۔

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے یا بیاں کیجئے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں دشمن کی دشمنی سے بھری ہوئی مہربانیوں کی شکایت کر دوں یا دوست کے بھرپور دشمن کی تعریف کر دوں۔

یہ غزل اپنی مجھ جی سے پسند آتی ہے آپ ہے رولیفِ حرمیں غالبِ لبسِ مکرارِ دوست
مطلب۔ فرماتے ہیں اسے غالب یہ غزل بہت پسند آتی ہے چونکہ اس رولیف میں دوست کی تمکیر ہے۔

ج

غزل ۵۴

گلشن میں بند و لبستِ بزمِ گر ہے آج قمری کا طوقِ حلقہ بیرون در ہے آج
معنی۔ حلقہ بیرون در۔ دروازے کی محراب

مطلب۔ فرماتے ہیں بہار کے آنے سے گلشن میں تبدیلی آگئی ہے اور اس تبدیلی کے اثر نے قمری کو بھی

طوق سے آزاد کر دیا ہے۔

آتا ہے ایک سپارہ دل ہر فغاں کے ساتھ تارِ نفس کس نہ شکارِ اثر ہے آج
مطلب۔ فراتے ہیں میری ہر آہ کے ساتھ میرے دل کا اک ٹکڑا باہر نکل آتا ہے اور اس آہ و زاری
کی وجہ یہ ہے کہ تارِ نفس کی کندہ نے اثر کو شکار کر لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری آہ و زاری میں
تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ اس واسطے مجھے اپنی آہوں پر بھروسہ ہو گیا ہے یا اُمید ہو گئی ہے۔

غزل ۵۵

لو ہم مریضِ عشق کے تیسار دار ہیں اچھا اگر نہ ہو تو بیساکا کیا علاج
مطلب۔ فراتے ہیں معشوق کا یہ الزام ہے ہونکہ مریضِ عشق کی تیسار داری دیکھ بھال نہیں ہو رہی
ہے اس وجہ سے مریضِ عشق کی حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مرزا صاحب فراتے ہیں۔ ہم
مریضِ عشق کے تیسار دار بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی سچے ہوئی چاہیے کہ اگر دولہے وصل سے
بھی مریض اچھا نہ ہو تو پھر سیساک کی کیا مرزا ہوگی۔ چند روز بعد وہ مریض سے رنج و غش ہو کر
وصل سے بھی اچھا نہ ہو۔ جبکہ معشوق کا ہنسنا نہیں اگر بھی دیر تو یہی ہو تو مریض سے رنج و غش ہو کر
اے عافیت کنارہ کر اے انتظامِ حل سیلابِ گریہ درپے دیوار و در ہے کج
مطلب۔ فراتے ہیں۔ اے عشق و آرام کے زمانے یہاں سے جا اور اے انتظامِ آبِ تیرا بھی یہاں
ٹھکانہ نہ ہو گا چونکہ میرے اشکوں کا طوفان آ رہا ہے جو در و دیوار کو بہا کر لے جائے گا۔

سارا جہاں ہے ظلم و ستم کا پلیٹ میں
کیسے نہ لرزے دل مرا، ٹکڑے جگر نہ ہو

(تشریح)

معراج

غزل ۵۶

نفسِ نہاںِ آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
مطلب۔ فراتے ہیں اسے میرے نفس مجھے آرزو کی بزم سے باہر نہ کھینچ۔ یعنی تاکامی و نامرادی کی محفل
میں نہ لے جا۔ اگر شراب نہیں ملتی تو انتظارِ ساغر میں مشغول ہو جا۔ مطلب یہ ہے کہ ناامید کی ہرکا
بلا ہے اس سے بچنا چاہیے اور امید کا دامن کسی حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔ لا فتناء و من
رحمة اللہ

کمالِ گرمی سعی تلاشِ دیدِ نہ پوچھ بربگِ خار مرے آنے سے جو ہر کھینچ
مطلب۔ فراتے ہیں میری کوششوں کی گرمی کمال کا حال مت پوچھ وہ تو اہل نظر اور اہل کمال کی جستجو
میں تنگ گئی۔ یہ حد تکالیف اٹھانی ہیں اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی میسے مل سے میرا جوہر
آئینہ خار کی طرح سے باہر نکال کر پھینک دے۔

تجھے بہانہ راحت ہے انتظارِ دل کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ لیستِ کھینچ؟
مطلب۔ فراتے ہیں بسترِ پرلیٹ کر محبوب کا یا نیند کا انتظار کھینچنا راحتِ قلبی کے سوا اور کیا ہے۔ یہ
نامناسب ہے کہ عاشق بسترِ پرلیٹ کر بستر کے ناز اٹھائے اسے چاہیئے کہ بچائے راحتِ قلبی
کے انتظارِ محبوب میں غرقاب رہے۔

تری طرف سے حسرتِ نظارہ نرگس بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ
مطلب۔ فراتے ہیں نرگس بہ نگاہِ حسرت، تیری طرف دیکھ رہی ہے اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ تجھے

کوئی دیکھے مجھے احساسِ رقابت گھیر لیتا ہے مگر شکر ہے کہ زکس دل کی بھی اور آنکھ کی بھی اندھی ہے اور اس خوشی کے موقع پر شراب نوشی سے دل کو خوش کرنا چاہیئے۔

بنیم غمزہ ادا کر حق و دلیعتِ ناز نیام پر دہ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
فرماتے ہیں۔ اے میرے عشق تیرے ادا و نازاں خدا تعالیٰ کی عطا ہیں لہذا اس (عطا) امانت کا حق بنیم غمزہ سے
ادا کرو اور اگر تو پسے ہو، سے کر لگا تو عاشق فوراً جان دے دیکھا جیسے وار کرنے کے بعد خنجر زخم سے نہ نکالا
جاتے تو بسمل درجئے گا لیکن اگر نکال لیں تو مجروح کے اچھا ہونے کا امکان ہے۔

مرے قدح میں ہے صبا آتشِ نہاں بڑے غمرو، کبابِ دلِ سمندر کھینچ
مطلب۔ فرماتے ہیں میرے پیالے میں شرابِ عشق چھپی ہوئی ہے جس کی گرمی آتشِ سیال سے بہت
زیادہ ہے لہذا اس کی مناسبت سے کباب بھی دلِ سمندر کا ہونا چاہیئے۔ (سمندر ایک کیرٹے کا
نام ہے جو آگ میں رہتا ہے)۔

د

غزل ۵۷

حسنِ غمزے کی کشاکش سے چٹھائے میرے بعد بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد
مطلب۔ فرماتے ہیں۔ حسنِ ناز و انداز کی کشاکش سے میرے مرنے کے بعد چوٹ گیا۔ جب تک میں زندہ
خاصیتِ نازِ جہاں کو مجھے فریفتہ کرنے کے لئے ہر قسم کے ناز و اداسے کام لینا پڑتا تھا۔ اب وہ
سب آرام سے ہیں۔

منصبِ شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا ہوئی معز و لی انداز و ادا میرے بعد
مطلب۔ فرماتے ہیں محبوب کے انداز و ادا پر شیفہ اور شار ہونے والا مجھ جیسا عاشق جب دُنیا سے
رخصت ہو گیا تو پھر میرے محبوب نے بھی ناز و ادا کے تیر چلانے بند کر دیئے۔

شمع بجتی ہے تو اس میں دھول اٹھتا ہے شعلہٴ عشق سے پوش ہوا میرے بعد

مطلب۔ فرماتے ہیں شمع کے بجتے وقت جو شعلہ مجھ کو دھواں بن جاتا ہے۔ وہ دھواں نہیں ہوتا بلکہ شمع کے کُشت ہو جانے پر سیاہ پوش ہو کر شمع کا ماتم کرتا ہے اور اسی طرح عشق کا شعلہ میرے مرجانے کے بعد غم میں سیاہ پوش ہو گیا ہے

خون ہے دل خاک میں احوالِ تباں پر یعنی اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد مطلب۔ فرماتے ہیں خاک قبر میں میرا دل خون ہو گیا۔ اس غم میں کہ محبوبوں کے ناخن محتاجِ حنا ہو گئے۔ جب میں زندہ تھا تو وہ جو رو ستم کرتے تھے۔ میرا دل نوچ کر اپنے ناخنوں کو رنگ دار کر لیا کرتے تھے۔

دورِ غرض نہیں، جو ہر بے داد کو، جا ننگہ ناز ہے سرے سے تھا میرے بعد مطلب۔ فرماتے ہیں جو ہر بیداد کے ظاہر کرنے کا موقع میرے مرنے کے بعد نہیں رہا، اسی لئے ننگہ ناز یعنی مینوں نے بناؤ سنگھار چھوڑ دیا ہے اور سر نہ لگانے سے بھی بے نیاز ہو گئے ہیں۔

بے جنوں، اہل جنوں کھیلنے اغوشِ دواع چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد مطلب۔ فرماتے ہیں دیوانے جو اپنے گریبانوں کو چاک کیا کرتے تھے۔ اُن سے چاک گریباں جدا ہو گیا ہے یعنی میرے مرنے کے بعد کوئی گریباں چاک نہیں کرتا۔ اب جنوں اہل جنوں سے بٹ کمرے لئے بخت ہو گیا

کون ہوتا ہے رفیقِ مر دانگنِ عشق ہے مکرر لبِ ساقی پہ صفا میرے بعد مطلب۔ عشق ایک ایسی شراب ہے جو قوتِ ارادی رکھنے والوں کو بھی اپنا متوالا بنا لیتی ہے اس کا متحمل ہر کس و نامس نہیں ہوتا۔ اس لئے عاشقِ صادق کے مرنے کے بعد ساقی بار بار اعلان کرتا ہے کہ سے کوئی شرابِ قیمتی کا متحمل ہونے کے

یہ توبہ اپنے بلاؤں کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

غم سے ترنا ہوں کہ اتنا نہیں دُنیا میں کوئی کہ کرتے تعزیت بہر و وفا میرے بعد
مطلب۔ فراتے ہیں اس غم میں میری جان گھل جاتی ہے کہ میرے مرجانے کے بعد کوئی ایسا نہیں جو ہر فنا کی
تعزیت ہی کر سکے جو میرے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گئے۔

آئے سب سے کسی عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد
مطلب۔ اے غالب مجھے عشق کی بیکسی پر رونا آتا ہے کہ میرے مرجانے کے بعد اس کی بیزاری
کون کرے گا اور یہ سیلاب بلا کس کے گھر جائے گا۔



غزل ۵۸

بلا سے میں، جو یہ پیش نظر در و دیوار نگاہ شوق کو نہیں، بال و پر در و دیوار
مطلب۔ فراتے ہیں میرے سامنے جو در و دیوار ہیں یہ میری نگاہ شوق کے درمیان مائل نہیں ہو
سکے بلکہ جلنے میں مدد بنے ہوئے ہیں لیکن میری نگاہ شوق کے لئے یہ میرے خیال اور میرے
تصور کو بھی تقویت دے رہے ہیں اور میری نگاہ شوق کے لئے بال و پر بن گئے ہیں جن کی مدد
سے میری نگاہ شوق محبوب کے حُسن کا نظارہ کھد ہی ہے۔

دُورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ کہ ہو گئے مرے دیوار و در و دیوار
مطلب۔ فراتے ہیں میرے جوش اشک نے میرے گھر کا بڑا حال کر دیا کہ دیوار جگہ جگہ سے گر کر
دروازہ بن گئی ہے اور دیوار اینٹوں کا طبع ہو گئی ہے۔

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوبہ مقدم یار گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں یہ سایہ دیوار نہیں ہے جو کچھ آگے بڑھا ہوا نظر آ رہا ہے بلکہ خود میرے در و دیوار
چند قدم آگے بڑھ کر یار کا غیر مقدم کر رہے ہیں۔ کیونکہ در و دیوار کے کانوں نے ہی
محبوب کے آنے کی خبر سن لی تھی۔

ہوئی ہے کس قدر ازانی مئے جلوہ کہ سست تیرے کوچے میں ہر در و دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں تیرا شراب جلوہ اس قدر سستا یعنی عام ہو گیا ہے کہ ترسے کوچے میں در و دیوار
بھی شراب جلوہ سے سست ہو گئے ہیں۔

جو ہے تجھے میر سودائے انتظار تو، آ کہ ہیں دکان متاع نظر در و دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ اے محبوب اگر تجھے انتظار کا سودا خریدنے کا خیال ہے تو میری طرف آ۔ اور
دیکھ کہ میرے مکان کے در و دیوار تک متاع نظر کی دکان بنے ہوئے ہیں۔

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے؟ کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں جب بھی میں نے دل کھول کر رونے کا ارادہ کیا تو فوراً میرے گھر کے در و دیوار میرے
پاؤں پر گر کر مٹی ہوئے کہ اپنے ارادے سے باز آ جاؤ ورنہ ہمارا حشر کیا ہوگا۔

وہ آ رہا مرے ہسائے میں تو سائے سے بکھوئے قدا در و دیوار پر در و دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں میرا محبوب جب میرا پڑوسی بن گیا تو میرے در و دیوار کا سایہ اس کے
در و دیوار پر قربان ہو رہا ہے۔

نظر میں کھٹکے ہے پن تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں تیرے فراق میں گھر کا آباد ہونا کھٹکتا ہے۔ اس لئے ہم درو دیوار کو دیکھ کر ہمیشہ
روتے رہتے ہیں۔ اور تنہائی کا احساس کر کے گریہ و زاری پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

نہ پوچھ بے خودی عیشِ مقدم سیلاب کہنا چتے ہیں پڑے سرسبز درو دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں سیلاب کی آمد کا خوشی نے مجھے ہی بے خود نہیں کیا بلکہ میرے گھر کے
درو دیوار میں ناچ رہے ہیں اور سیلاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں۔

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں نہانے میں حریفِ رازِ محبت مگر درو دیوار
مطلب۔ فرماتے ہیں رازِ محبت کو راز ہی رکھنا چاہئے۔ حتیٰ کہ درو دیوار سے بھی احتیاط لازم ہے کیونکہ وہ
بھی کان رکھتے ہیں۔ درمیانِ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غالب اب اس چہان میں موجود نہیں تو
درو دیوار سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ دکھا کر لے تاکہ دشمنوں کو خوشی کے ڈایانے بجائے کاموقع نہ ملے۔

غزل ۵۹

گھر جب بنا لیا ترے در پر اے بغیر جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر اے بغیر
مطلب۔ تیرا ہمیشہ یہ کہنا کہ ہم کیسے تیرے گھر آتے ہیں تیرے گھر کا پتہ ہی نہیں۔ مگر ہم نے تو اب
تیری اجازت کے بغیر ہی تیرے در کو ہی اپنا گھر بنا لیا ہے۔ کیا اب بھی تو نہ جانے گا کہ
میرا گھر کہاں ہے اور وہی پرانی رٹ لگائے رکھے گا۔

کہتے ہیں 'جب ہی مجھے طاقتِ سخن' جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر؟
مطلب۔ فرماتے ہیں کہ جب مجھ میں اتنی ہی طاقت کے باعث بدلنے کی طاقت نہ رہی تو میرا محبوب کہتا
ہے کہ مجھے کسی کے دل کا حال کیونکر معلوم ہو جب تک کوئی خود ہی نہ بتائے۔

کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں لیوے نہ کوئی نامِ ستمگر کہے بغیر
مطلب۔ فرماتے ہیں ایسے ستم شعار سے واسطہ پڑا ہے جس کو ہر شخص ستمگر جانتا اور کہتا
ہے ماب ایسے ستمگر سے کس طرح مطلب پاری ہو سکتی ہے۔

جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم سر جانیلے ہے نہ رہیں پر کہے بغیر
مطلب۔ فرماتے ہیں میرے دل میں کسی کے لئے کوئی بغض و عداوت نہیں ہے ہم صاف دل
رکھتے ہیں اور کسی کے خلاف کچھ ہو تو ہم صاف گو ہیں۔ فرما کہہ دیتے ہیں چاہے اس
سے ہماری جان کو خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔

چھوڑ دوں گا میں نہ اس بُتِ کافر کا پوجنا چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کہے بغیر
مطلب معنی صاف ہے جو شخص کسی بُتِ کافر کو پوجے گا دُنیا اُسے ضرور کافر کہے گی۔

مقصود ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کہے بغیر
مطلب۔ فرماتے ہیں دشمنہ و خنجر سے میری مراد ناز و غمزہ ہے یعنی محسوسات سے تشبیہ دیئے
بغیر کام نہیں بنتا۔ ہر کس و ناکس کو کہاں سمجھ آئے گی۔

ہرچند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو نبتی نہیں۔ ہے بادہ و ساغر کے بغیر
مطلب اس شعر میں بھی مندرجہ بالا شعر ہی کا مضمون بیان کیا ہے۔ یہاں بات کا انقطاع
کیا گیا ہے جس سے شعر کا حسن دو بالا ہو گیا ہے۔ فراتے ہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دیدار
کے شعلہ یی بات کریں پھر بھی بادہ و ساغر کہنے کی ضرورت ہے۔ اور شاعری کا ڈھنگ
ہی اسی طرح سے ہے کہ استعارہ اور تشبیہ کے بغیر کام نہیں چلتا۔

بہرائوں میں تو چاہیئے فنا ہوا لقاقت نسا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر
مطلب یہ شعر حسب حال ہے۔ غالب میاں کا آخری قصہ عمر میں تعلق سماعت بہت زیادہ ہو
گیا تھا۔ فراتے ہیں اگر میں بہرائوں تو آپ کو چاہیئے کہ مجھ پر آپ کا لطف اور بڑھ جائے۔
اور اب بلند آواز سے مجھ سے بات کریں۔

غالب یہ نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر
مطلب سب کچھ کہہ لینے کے بعد عرض حال بار بار نہ کر۔ ان کو تو تیرا حال بغیر کہے ہی سب کچھ
معلوم ہے۔

غزل ۱۰

کیوں مل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
مطلب فراتے ہیں رخ یار کی آب و تاب سے کیوں نہیں جلا تھے جل جانا چاہیئے تھا۔ اب میں (خدا)
طاقت دیدار سے جلا جاتا ہوں۔ یعنی کمال رشک نے میرے دل میں آگ لگا رکھی ہے۔

آتش پرست کہتے ہیں اہل جاہاں مجھے مسرگرم نالہ مانے شرر بار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں: میرے نالوں کی شرر بادی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ دنیا مجھے آتش پرست
کہنے لگی ہے۔

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں: تم نے جفا کو عام کر دیا ہے۔ عاشق اور بواہوس میں فرق ہی نہیں کرتے۔
دقیب جو کہ عاشق صادق نہیں اس پر بھی جفا کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں تم بے سبب آزار ہو۔
اور اسی وجہ سے میں تم سے کنارہ کش رہتا ہوں۔

آتا ہے میرے قتل کو پرچوش رشکے مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں: گو کہ وہ میرے قتل کرنے کو آ رہا ہے لیکن دستِ ناز میں تلوار دیکھ کر میں
پہلے ہی مارجا ہوں کہ جس ہاتھ میں تلوار ہے وہ ہاتھ تو میرے ہاتھ میں ہوتا۔ کمال رشک
کی تصویر کھینچی ہے۔

ثابت ہوا ہے گردن مینا یہ خونِ خلق لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں: مینا کی گردن پر خلقِ خدا کا خون ثابت ہو گیا ہے نہ تو شراب پیا وہ نہ یہ
تری مستانہ چال ہوتی۔ اب سارا الزام شیش کی گردن پر آگیا اس لئے موجِ مے
خوف سے لرز رہی ہے۔

وا حسرتاً کہ یار نے کیسنا ستم سے ہاتھ ہم کو حلیص لذتِ آزار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں: کس قدر افسوس ہے کہ اب ہمارے یار نے ہم پر ظلم و ستم کرنا بھی ترک کر

دیا ہے کیونکہ ہمیں اس کے جوہر و قسم میں بھی لذت آنے لگی تھی۔

پک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں ہم قدر دانوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔
پھر ہم خود ان کے قدر دان ہو جاتے ہیں۔ مرزا غالب جانتے تھے کہ ان کے اشعار سمجھنے
کے لئے غیر معمولی دماغ کی ضرورت ہے۔

زنار باندھ سب توڑ دانہ توڑ ڈال زہر و چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں کہ سوداؤں والی تسبیح کو توڑ دے اور صرف ایک دھلگے والے زنار کو باندھ لے
کیونکہ یہی مثلِ کافقہ ہے کہ راہِ دانش راستہ کو اختیار کرے جو میدانِ ہموار ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خوار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں ان پاؤں کے آبلوں سے میں گھبرا گیا تھا لیکن یہ دیکھ کر دل خوش ہوا
ہے کہ جنگل میں کانٹے بھرے پڑے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کسی سے عشق ہوتا ہے
تو کیسی ہی تکالیف کیوں نہ ہوں سب آسان لگتی ہیں۔

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں کہ میرا محبوب بھی کمالِ شک کا مریض ہے۔ مرے آئینے میں زنگار کو عکس
طوطی خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ طوطی کا عاشق ہو جاؤں گا۔ کیونکہ طوطی خوش نوا ہوتی ہے۔

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجسلی، نہ طور پر دیتے ہیں بادہ، طرفِ قدحِ خوار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمثیل کے ذریعہ قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے

شرایت کی لمانت جس میں عشق الہی بھی شامل ہے پہاڑوں پر پیش کی۔ انسان کے علاوہ ساری کائنات اس کا بوجھ نہ اٹھا سکی۔ جب انسان پر پیش کیا تو اس نے اس کو قبول کر لیا۔ چونکہ انسان میں صفت عشق متی، لہذا جو برقِ حقّی خدا نے انسان پر گرا دیا ہے اس کا انسان ہی مستحق تھا چونکہ بادہ قدحِ خوار کے ظرف کے مطابق ملتی ہے۔

سر پھوڑنا وہ غالبِ ثوریدہ حال کا یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
مطلب فرماتے ہیں تیری دیوار دیکھ کر وہ سارا منظر آنکھوں میں پھر گیا۔ جب غالب
ثوریدہ سر اس سے اپنا سر پھوڑا کرتا تھا۔ وہ وقت گزر گیا۔ وہ زمانہ ہاتھ سے نکل گیا۔
نہ جانے مرزا صاحب نے غلطی وہ وہیں اور کیا کیا مطالب سمودئے ہیں۔

غزل ۶۱

لنڈا ہے مرادل ز رحمتِ مہرِ درخشاں پر میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خاںِ بایاں پر
مطلب فرماتے ہیں آفتابِ قطرہِ ناچیز کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے کیسی سرگرمی لئے ہوئے
ہے اور پھر وہ قطرہ جو نوکِ خار پر ہو۔ اسے منظر کو دیکھتا ہوں تو میرادل اس عارضی اور
ناپائیدار ہستی کو سوچ کر لرزے لگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس زندگی میں چھوٹے سے
چھوٹا کام مشکل ہے اور اعتبارِ زندگی کچھ نہیں۔

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے ایں بھی خانہ آرائی سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
مطلب فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کو حسن و آرائش سے اس قدر لگاؤ ہے کہ زنداں جیسی
جگہ کو بھی سجانا چاہتے ہیں اور در دیوار پر سفیدی کر لی ہے یعنی والدِ ماجد کی تربیت اور

اور اس نود سے فائدہ اٹھا رہے جو یوسفؑ کے حق میں حضرت یعقوبؑ اپنی دُعاؤں کے ذریعے کر رہے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روتے روتے بے نور ہو گئیں تھیں اور آپ کی "خیمہ یعنی یوسفؑ کی تلاش میں در دیوارِ زنداں پر آگئیں تھیں۔ مگر یہ خیال باطل ہے۔ حضرت یعقوبؑ علیہ السلام نے اپنی آنکھیں نہیں کھوئی تھیں۔ اخلاقِ انبیاء ایسے روتے دھونے کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں۔ وہ صبر کرتے ہیں اور صبر کی ہی تلقین کرتے ہیں۔

فنا تعلیمِ درسِ بے خودی ہوں اُس زمانے سے کہ مجنوں اَلْاَلَف بکھتا تھا دیوارِ دبستان پر مطلب فرماتے ہیں میں نے فنا کی تعلیم اُس زمانے میں حاصل کر لی تھی کہ مجنوں ابھی لام اَلَف ہی مدرسہ کی دیوار پر کھسکا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میں مجنوں سے عشق میں بہت آگے نکل گیا ہوں۔ کیونکہ میرا محبوب شہرِ مطلق ہے میل نہیں۔

فراغت کس قدر بہتی مجھے تشویشِ مرجم سے بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر مطلب فرماتے ہیں مجھ کو مرجم کے سنے ڈھونڈنے اور مرجم کے بنانے میں جس قدر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے اُس سے چھٹکارا مل جانا اگر میرے دل کے زخم نمکداں پر صلح کر لیتے مطلب یہ ہے کہ کاشکش میں نے صبر و قناعت سے کام لیا ہوتا۔

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طواریزِ ناز ایسا کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہوئے مہرِ عنواں پر مطلب فرماتے ہیں اقلیمِ عشق و محبت میں کوئی کتاب کوئی دستاویز ایسی نہیں جس میں معشوق کے انداز و ناز جو روئے مست نہ کھے ہوں اور یہ بات نہ ثابت ہوتی ہو کہ عاشق صادق ہمیشہ ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ چاہے وہ قیس ہو یا فریادِ سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ سب معشوقوں نے انعامِ مالکِ کار برتا ہے۔

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا کہ فرقت میں تری آتش بستی تھی گلستاں پر
مطلب معشوق کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ مجھے اب ابر شفق آلود دیکھ کر وہ زمانہ یاد آگیا کہ تجھ
بن جب کبھی سیر باغ کو گیا اور گل دلالہ پر نظر پڑی۔ تو اب بالکل جیسے آگ برس رہی ہے
گل دلالہ کو آتش سے اور فرقت میں باغ کی سیر کو ناگوار ہوتا۔ بیان کیا ہے۔

بجز پر از شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا قیامت اک ہوائے تندہے خاکِ شہیداں پر
مطلب۔ فرماتے ہیں شہیدانِ ناز پر ہزاروں قیامتیں برپا ہو چکی ہیں۔ ہزاروں بار ہوائے تندہے
ان کی خاک اڑائی ہوگی۔ اب قیامت کے دن مردے زندہ ہوں گے تو شہیدانِ ناز کی
خاک اڑ چکی ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ تو پہلے ہی زندگی حاصل کر چکے ہیں ان
کو تو یہی خواہش رہ گئی ہے کہ وہ ایک بار تجھ پر پھر نثار ہو جائیں۔

نہ لڑنا صح سے غالب کیا ہوا اگر اسے شکت کی ہارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
مطلب۔ فرماتے ہیں اے غالب نامح کی سخت کلامی کی وجہ سے اس سے جھگڑا مت کر
خاموش ہو جا۔ صبر کر۔ ہم بھی جب یوں ہوتے ہیں غمگین ہوتے ہیں تو گریباں نہ ہاتے
ہیں اور اپنا زور دکھاتے ہیں۔

پھاڑا ہزار بار سے گریبانِ صبرِ میر
کیا کہہ گئی نسیمِ سحرِ گل کے کان میں (میر تقی میر)

غزل ۶۲

ہے بس کہ ہر اک اُن کے اشارے میں تشاں اور کیتے ہیں محبت، تو گزرتا ہے گماں اور
مطلب۔ فراتے ہیں ان کی کوئی بات بناوٹ، تصنع اور فریب سے خالی نہیں ہوتی۔ اس وجہ
سے اگر وہ محبت سے پیش آتے ہیں تو میں بدگمانی کرتے ہوئے دشمنی ہی سمجھتا ہوں۔
اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔

یارِ بادہ نہ سمجھیں نہ سمجھیں گے مری بات دے اور دل انکو جو دے مجھ کو زباں اور
مطلب۔ فراتے ہیں جو لوگ میرے کلام کو بے معنی سمجھتے ہیں میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن
کو سمجھنے والا دل عطا کرے۔ اگر مجھ کو دوسری عام فہم زبان نہیں دیتا۔
دوسرے معنی یہ بھی سمجھنے چاہئیں کہ مرزا صاحب معشوق کے متعلق اللہ تعالیٰ سے عرض
کر رہے ہیں کہ میرا معشوق میرا دلی مدعا نہیں سمجھتا اس کو میرا مدعا ہے دلی سمجھنے کے
لئے اک اور دل عطا کر دے میں تو مدعا ہے دلی کلمے اُفتادوں میں نہیں کہہ سکتا۔

ابرو۔ ہے کیا اس نگہِ ناز کو پیوند ہے تیر مقرر، مگر اُسکی ہے کہاں اور
مطلب۔ فراتے ہیں کہاں ابرو سے اُس نگہِ ناز کا کوئی تعلق نہیں ہے یعنی نگہِ ناز کے تیر
تو نشانہ پر لگتے ہیں مگر وہ دلی ارادہ سے لگتے ہیں۔ ان تیروں کی کہاں ابرو نہیں بلکہ
معشوق کا دل ہے کبھی وہ خوشی دے کر زخمی کرتا ہے کبھی غصہ کے پیکان سے ہلاک
کرتا ہے۔

پاتے ہیں ہر اک نقش میں جب اُس کا نشان اور
ایمان نہاں ہو کے بھی ہوتا ہے حیاں اور (تاریخ)

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم مجھیں گے لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور
مطلب . فراتے ہیں تمہارے شہر میں جوتے ہوئے ہر شخص اپنا دل و جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے
ہے اور تمہارے شوق میں گردن تار ہے لہذا دل و جان کی کوئی کمی نہیں سمجھتے چاہیں گے خرید
لیں گے بیچنے والے ہزاروں ہیں .

ہر چند بیک دست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہیں ہے سنگِ گراں اور
مطلب فرماتے ہیں کہ جب تک انا کا بُت (ہم) نہیں ٹوٹا کوئی فائدہ نہیں . ہیں بُت شکنی میں جس
قدر بھی بیک دستی حاصل ہے بیکلہ ہے اپنا وجود اپنی بہتی یا خرویدی دالانفس جب تک ہے
قربِ معشوق (الہی) حاصل نہ ہوگا .

ہے خونِ جگر جوش میں دلِ کمول کے روتا ہوتے جو کئی دیدہ خوں نابِ فشاں اور
مطلب فرماتے ہیں خونِ جگر اپنے پرے جوش میں ہے دل چاہتا ہے خوب کھل کے دھوؤں
اور آنسوؤں کے دیا بہا دوں . لیکن مجبور ہوں صرف دوا نکھیں ہیں کاش دیدہ خوں نابِ
فشاں کئی اند جوتے .

مرتزا ہوں اُس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے جلاؤ کو لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"
مطلب فرماتے ہیں معشوق کا یہ بار بار جلاؤ سے کہتا کہ "ہاں اور" "ہاں اور" مار اور وار کر اندر غم
لگا . مجھے کس قدر جلا لگتا ہے کہ اپنی جان کی مطلق پروا نہیں . لیکن میں اپنے محبوب کا آواز
منتاہم ہوں . کیوں مداتِ دُستِ کلمہ ہے انسانِ بچاؤ ؟ جس سے ملتی ہے کہتا ہے کہ "ہاں اور" (شائع)

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

مطلب فرماتے ہیں میرے دل جگر میں ہزاروں داغِ حسرت میں ہر روز میں لوگوں کو اک نیا داغ دکھاتا ہوں تو وہ ایسا دشمنِ ادب واضح ہے کہ لوگ اس کو خورشیدِ جہاں تاب سمجھ لیتے ہیں۔

لیتا۔ نہ اگر دل تمہیں دیتا۔ کوئی دم چین کرتا، جو نہ مرنا کوئی دن۔ آہ و فغاں اور مطلب فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہیں دل نہ دیتا تو کوئی دم چین لے لیتا اور کوئی دن آہ و فغاں کرتا اگر میں نہ مرتا۔ اب تمہارا یہ کہنا کہ میں کیوں نہیں لیتا آہ و فغاں کیوں نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ عاشق کے سوال پر کہا ہے۔

پاتے نہیں جب آہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے رگتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور مطلب فرماتے ہیں اگر پہنے کے لئے ندی نالوں کی راہ نہ ملے تو وہ چڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح میری طبع واقع ہوئی ہے۔ جب کچھ دن میں شعر نہ کہوں تو میری طبیعت خوب دوشِ باقی ہے اور مٹاں ہو جاتی ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا اسی اندازِ بیباں اور مطلب فرماتے ہیں ادب ہی شاعر ہیں جو اچھے ہیں جن کا کلام اچھا ہے مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ غالب کا ایک انوکھا اندازِ بیان ہے۔ مٹاں محالہ مرزا غالب کے مرثیے میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

طالب و عربی و نظیر و تکلم	÷	لوگ جو چاہیں اُن کو ٹھہرائیں
چمن نے سب کا کلام دیکھا ہے	÷	ہے ادب بشرطِ منہ نہ کھلوائیں
غالبِ نکتہ دال سے کیا نسبت		خاک کو آسمان سے کیا نسبت

غزل ۶۳

صفائے حیرت آئینہ ہے اماںِ رنگِ آخر تغیر آبِ برجا ماندہ - پاتا ہے رنگِ آخر
 فراتے ہیں صاف شفاف آئینہ اگر بیکار ڈال دیا جائے تو کچھ دن بعد اس پر رنگ آجائے
 گا۔ اسی طرح جہاں پانی بند ہو اس کا رنگ بدل جائے گا۔ بدبو پیدا ہو جائے گی۔ مطلب یہ
 ہے کہ دل و دماغ سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ انسان کو بیکار نہیں بیٹھنا چاہیے۔

نکی سامانِ پیشِ جاہ نے تدبیرِ وحشت کی ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر
 فراتے ہیں میری وحشت مزاجی کا علاج سامانِ پیش و عشرت نہ کر سکے یہاں تک کہ میرا زمرہ
 جامِ مجھے چیتے کا داغ نظر آنے لگا۔ مطلب سارے شعر کا یہ ہے کہ مال و دولت سے حقیقی خوشی
 حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے غنی دل عطا کرتا ہے وہ ہر مال میں مطمئن رہتا ہے
 خوش و خرم ہوتا ہے۔ بادشاہت مل گئی جس کو غنی دل مل گیا
 اس پہ آئی پھر جہاں جو گلشن میں نہیں (شارح)

غزل ۶۴

جنوں کی دستگیری کس سے ہو اگر ہو نہ عریانی

گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 فراتے ہیں میں اپنی عریانی کا احسان مند ہوں کہ میرے جنوں کی مددگار ہو گئی ہے۔ اس
 لئے چاکِ گریباں کا حق میری گردن پر ہو گیا ہے۔ اگر گریباں چاک نہ ہوتا تو جنوں کی کیسے دستگیری
 ہوتی۔ مطلب یہ ہے چاکِ گریباں ہونے سے ہی جنوں کا پتہ چلتا ہے۔

برنگ کاغذ آتش زدہ نیزنگ بیتابی ہزار آئینہ دل باندھے ہے یک بال تہیدن پر
مطلب فرماتے ہیں جس طرح جلا ہوا کاغذ روشن ہو کر بہت سے ستارے دکھاتا ہے اسی طرح نیزنگ
بیتابی نے میرے دل کے بازوؤں پر ہزاروں آئینے باندھ دیئے ہیں۔ ایک ہی تڑپ میں ہزاروں
داغ روشن ہو جاتے ہیں۔

فلک ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تھا ہے متاعِ بڑہ کو سمجھنے میں قرضِ رہزن پر
معنی۔ متاعِ بڑہ، نوٹی ہوئی متاع
مطلب فرماتے ہیں ہم فلک سے اپنی جیمنی ہوئی عیش و عشرت کا تقاضا کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے
لیا ہے وہ ہمیں واپس ملنا چاہیے جیسے کہ لوٹ لی گئی ہوئی پونچھی رہزن پر قرض ہوتی ہے مطلب
یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اچھے دن دیکھنے کے بعد بُرے دن دیکھتا ہے عیش خیال کرتا ہے کہ
فلک کو وہ سب کچھ اُسے واپس دینا چاہیے۔

ہم اور وہ بے سبب رنجِ آشنا دشمن کہ رکھتا ہے شعلِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر
مطلب فرماتے ہیں اُس بے سبب رنجِ آشنا دشمن سے پالا پڑا ہے کہ وہ شعلِ مہر کو بھڑکائی
نظر کہ کر میرے پر روزن میں سے جھانکنے کی تہمت مجھ پر لگاتا ہے مطلب یہ ہے کہ مشتوق
بے سبب شکایت کرتا رہتا ہے۔

فنا کو سوچ کر شاق ہو اپنی حقیقت کا فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوفِ گلشن پر
مطلب فرماتے ہیں اپنے آپ کو اس کی راہ میں ڈال دے فنا فی اللہ ہو جا۔ پھر سببِ قابلیت تجھے
اس کی معرفت اہیب ہوگی جیسے کڑے کرکٹ کو بمبئی جلا کر روشن کر دیتی ہے اور اس کی قابلیت
کے مطابق اُسے روشن کر دیتی ہے۔ سبحان اللہ کیا معرفت کا مضمون دو مصرعوں میں بیان فرما دیا۔

اسدیل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے کہ مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر
مطلب۔ فرماتے ہیں اسد پر تعجب آتا ہے کہ وہ کس طرح کا بسمل ہے کہ معشوق سے کہہ جاتا ہے
کہ تو مشق ناز اسی طرح جاری رکھ اور لوگوں کو اپنے ناز و انداز سے قتل کرتا رہ۔ خونِ دو عالم میری
گردن پر ہے تو کوئی پروا نہ کر۔۔۔ جو رجاء ناز سے کرتے ہیں وہ شبید
مرنا اگر یہی ہے تو مشکل نہیں، ۱۰ (شارح)

غزل

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں

تکلف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

مطلب۔ فرماتے ہیں میں تیرے ظلم و ستم مصلحت سے برداشت کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تجھ پر
حینانِ جہاں عاشق ہیں اگر تو مجھے نہ ملا تو کوئی جس پر تیرا خوب رنگ چڑھ چکا ہو گا وہ مجھے
مل جائے گا۔ تجھ سا رقیب آخر رقیب اس لئے کہا ہے کہ وہ تجھ پر عاشق ہو گا۔ (مراد کسی
مردِ غافل سے ہے۔)

غزل ۶۵

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
مطلب۔ یہ مرثیہ بعد از غزل ہے لیکن درحقیقت ایک قسم کا نوحہ یا مرثیہ کہنا چاہیے۔ زین العابدین کی
وفات پر کہی گئی ہے۔ مرزا صاحب کو زین العابدین خان عارف سے قربت داری بھی تھی اور چونکہ

خوش گرو خوش فکر نہایت محبت کرنے والے تھے جب وہ جوان قوت ہو گئے تو مرزا صاحب کو
بے حد ملن ہوا۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ تم پر واجب تھا کہ تم میرے ساتھ مرتے اور راہِ عدم ہم دونوں ساتھ
ملے کہتے اب تم نے میرا انتظار نہ کیا تنہا چل دیے اب تمہیں کچھ دن تنہا ہی رہنا پڑے گا۔

مٹ جائیگا مسر، اگر تیرا پتھر نہ گسے گا ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
مطلب۔ فراتے ہیں تیرے کتبہ کا پتھر گس جائے گا یا میرا سر مٹ جائے گا دونوں باتوں میں سے
ایک ضرور ہو کر رہے گی میں تیرے در پر پیشانی رگڑتا رہوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جلد ہی تجھ
سے آکر ملوں گا۔

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جائیں مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا، کوئی دن اور
مطلب فراتے ہیں تمہیں دنیا میں آنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ گویا کہ کل ہی آئے ہو اور آج
کہتے ہو کہ ہم جائیں۔ میں نے مانا کہ یہاں ہمیشہ کوئی نہیں رہتا مگر کچھ دن تو اور ٹھہر جاتے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
مطلب فراتے ہیں تمہارا جانا ہمارے لئے قیامت کا سامنا ہی تو ہے پھر تمہارا یہ کہنا کہ قیامت
کو ملیں گے درست نہیں کیا قیامت کا کوئی دورِ رادن بھی ہے۔

ہاں اے فلک پیر، جوان تھا ابھی عارف کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
مطلب فراتے ہیں اے پیرِ فلک ابھی عارف جوان تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ میری یہ بات غلط
نہیں۔ تیرا کیا بگڑ جاتا کیا نقصان ہو جاتا اگر عارف کچھ دن اور زندہ رہتا۔

بچہ کسوں نہ رہا گو
دھریں کے چاند تھے اور تہا
دل گویا کاشش پہلا سا لکھ

کتنی ملک الموت
اتھے کہ دھریں ملک الموت سنا
وہ ملک الموت کو قتل نہ کر

بچوں کا بھی دیکھ
ن اور تیرے تمہاری کہنا
ہم از کم بچوں کا پھلنا پھوڑ

کرنا تھا جواں مرگ
سوتا خوش گزری باقی
پہلے ہم مرتے

قیمت میں ہے کہ
یہ سخت حد سے کے بعد
کہ اس دردناک غم کو جو
ہم

غزل ۶۶

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبحِ مہر ہے داغِ عشقِ زینتِ جیبِ کفنِ مہنوز
 فرماتے ہیں۔ اس شعر میں جیبِ کفن کو صبح سے اور داغِ عشق کو آفتابِ صبح سے تشبیہ دی ہے
 شعر نہایت ہی لطیف مضمون پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں میری دنات سے میرے عشق کا قصہ
 تمام نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد بھی فراغت حاصل نہ ہوگی بلکہ جس طرح آفتابِ شام کو
 غروب ہو کر صبح کو پھر نمودار ہو جاتا ہے۔ بعینہ میرا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ میرا عشق مرنے
 کے بعد بھی جاری رہے گا اور قربِ الہی یعنی محبوبِ ازل کے لئے جدوجہد میں لگا رہے
 گا۔ میرا داغِ عشق میرے جیبِ کفن کی زینت و متاعِ ابدی ہے۔

ہے نازِ مغلّساں تر از دستِ رزنا پر ہوں گلِ فروشِ شوخیِ داغِ کفنِ مہنوز
 فرماتے ہیں۔ جس طرح مغلّس لوگ اپنی برباد کی ہوئی دولت پر نازاں دہتے ہیں اور اس کے قصے
 کہانیاں منے لے کر لوگوں کو سناتے ہیں یہی میری حالت و کیفیت ہے جس دن میں
 نئے عشق کی چوٹ کھائی تھی اور داغِ عشق سے سرفراز ہوا تھا گو کہ یہ پرانی بات ہے لیکن
 میں سمجھتا ہوں جیسے یہ حادثہ ابھی گزرا ہے اور میں نے اپنا دل آج ہی محبوب کو پہنچ دیا ہے
 جس کے بدلے مجھے اس کی دلفریبی سے داغِ عشق ملا تھا۔

میںخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں خیمازہ کھینچے ہے بُتِ بے دادِ فنِ مہنوز
 فرماتے ہیں۔ میںخانہ جگر میں ایک قطرہ خون کا باقی نہیں۔ عشق وصالِ یار کے سارے حربے استعمال
 چکا اور ترکش میں کوئی تیر باقی نہیں مگر حُسنِ یار یعنی محبوب ابھی تک میرے خون کا پیاسا ہے

جو ابھی تک انگڑائیاں لے رہا ہے کہ نشہ نہیں ہوا مجھے اور پلاؤ۔
 الٹی کیا قیامت ہے وہ جب لیتے ہیں انگڑائی؟ سرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوڑ جاتے ہیں۔
 (حضرت امیر مینائی)

غزل ۶۷

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں افسوںِ نیاز دُعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
 معنی ۔ حریف ۔ ہم پیشہ، دشمن، اضا د میں سے ہے۔
 فرماتے ہیں۔ حصولِ مقصد میں تو ہمارا عجز و نیاز کا بادل تو نہیں چلتا۔ اس لئے اب دُعا کو تے ہیں کہ
 یا رب ہماری عمر بھی عمرِ خضر کی مانند لمبی ہو جائے۔

نہ ہو یہ ہرزہ بیا باں نبردِ وہم و جدو ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز
 فرماتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ تو کسی اور وجود کی تلاش میں سرگرداں ہے تو تیرے اس نعل
 سے یہ نہایت ہوتا ہے کہ تو ابھی تک علمِ یقین کا منزل بھی طے نہیں کر سکا ہے جو کہ پہلا درجہ
 یقین کا ہے۔ دوسرا عینِ یقین اور تیسرا حقِ یقین ہے۔

وصالِ جلوہ تماشا ہے، پردماغ کہاں کہ دیے بچنے آئیں، انتظار کو پرواز
 فرماتے ہیں۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے جلوے کا حصول آسان ہے لیکن یہ اُسی وقت ممکن
 ہے کہ ہم اپنے آئینہ انتظار کو خوب صاف کر لیں۔ مطلب یہ ہے کہ وصالِ یار یعنی قربِ الہی
 کا تماشا دل میں ہو گا اگر دل کا آئینہ صاف ہو۔ مگر شاید ہم میں ہی یہ طاقت نہیں۔ اس میں
 مجبورِ ازلی کا کوئی تصور نہیں۔

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست گلی نہ خاک ہوئے پڑ ہوائے جلوہ ناز

فرماتے ہیں ۔ عاشق صادق کا عشق معشوقِ ازل سے کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ مرنے کے بعد نیز سے تیز تر ہو جاتا ہے ۔ جوں جوں دنیا کے اشغال سے فراغت ہوتی جاتی ہے ۔ حصولِ قربِ الہی کی آرزو بڑھتی جاتی ہے جس طرح خاک کے قد سے شعاعوں کے مقابل ہو کر خوب چمکنے لگتے ہیں اسی طرح عاشق کی خاکِ آفتابِ ازل کے مقابل ہو کر زیادہ چمکنے لگے گی ۔ اور اپنے عشق میں اور ترقی کرے گی ۔

نہ پوچھو دوستِ میخانہ جنوں غالب جہاں یہ کاسہ گردوں ہے ایک خاکِ انداز فرماتے ہیں ۔ اے غالب مجھ سے میخانہ جنوں کی دوست نہ پوچھو ۔ بس اتنا جان لے کہ یہ کاسہ گردوں وہاں ایک کڑا پھینکنے کا برتن ہے جسے انگریزی میں *DUST BIN* اور فارسی میں خاک اندانہ کہتے ہیں یعنی اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ جنوں عشق کی آہنا نہیں ہر ایک اپنے طرف کے مطابق صحرانوردی کرتا ہے ۔

غزل ۶۸

کیونکر اس بُسے رکنوں جانِ عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمانِ عزیز فرماتے ہیں ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے حسن و جمال رکھنے والے محبوب کے سپرد جان نہ کروں ۔ اگر ایسا نہ کروں تو میرا ایمان ہی جاتا رہے گا لیکن مجھے تو ایمان بہت عزیز ہے ۔ پھر محبوب سے جانِ عزیز تر کیسے رکھی جاسکتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حسنِ مطلق کو حسبِ ظرف دیکھ لیا ہے ۔ اب مجھے جان کی پروا نہیں بلکہ ایمانِ عزیز ہے ۔

دل سے نکلا یہ نہ نکلا دل سے ہے تیرے تیر کا پیکانِ عزیز

فرماتے ہیں۔ تو نے اپنی دانست میں میرے دل سے تیرا پیکان نکل پایا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کی محبت میرے دل میں گر گئی ہے اور میں اس کی کشک کشک محسوس کرتا ہوں جو کہ مجھے عزیز ہے مطلب یہ ہے کہ بظاہر تیری طرف سے تغافل ہے مگر میں تیرے عشق میں اپنے آپ کو غرق پاتا ہوں۔

تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
یہ متعلق عارف مرحوم کی موت سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں اے غالب اس حادثہ
کو برداشت کرنا ہی پڑے گا گو یہ سانحہ جان لیوا ہے مگر جان بھی ایک عزیز شے ہے جس کو
انسان کسی مال میں دینا پس چاہتا۔

غزل ۶۹

دستِ حسی کرم دیکھ کہ سرتا سر خاک گزے ہے آبلہ پا ابر گہر بار ہنوز
فرماتے ہیں۔ اہل کرم کی نوازشیں ابر گہر بار کی طرح ہوتی ہیں جس طرح ابر گہر بار آبلہ پا ہوتے ہوئے
بھی زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بارش برساتا ہے۔ آبلہ پا سے تشبیہ
ابر گہر بار کی ہے کیونکہ وہ پانی کے قطرات اٹھائے پھرتا ہے۔

یک قسم کا غذا اثر زدہ ہے صفحہ دشت نقش پامیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز
فرماتے ہیں۔ میری گرمی رفتار اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ صفحہ دشت یعنی سارا میدان جلے
ہوئے کاغذ کی مانند خاکستر ہو گیا یعنی جہاں جہاں میرے قدم پڑتے ہیں وہ زمین جل کر راکھ
ہو جاتی ہے۔

غزل ۷۰

نہ مَکَلِ انغمہ ہوں نہ پردہ ساز یس ہوں اپنی شکست کی آواز
فرماتے ہیں ۔ میرا پردہ بیان نہ مَکَلِ لغز ہے نہ کسی پردہ ساز سے نکلا ہوا سر ہے میں تو سراپا درد ہوں
یعنی میری آواز (میرا کلام) میرے ٹوٹے ہوئے دل کی پردہ بردار ہے ۔

تو اور آرائشِ ختم کا کل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز
فرماتے ہیں ۔ اے میرے محبوب تمہیں تو نمودِ حسن کی غرض سے اپنی زلفوں کو سنوارنے اور اُن میں
بیجِ ختم ڈالنے سے سروکار ہے لیکن مجھ کو تمہاری اس آرائش سے خوف اور اندیشہ پیدا ہو رہا
ہے کہ زبانی اس غضب کے بناؤ سنگھار سے کتنے مزید عاشقِ ایسے رقیب پیدا ہو
جائیں گے ۔

لاف تمکیں فریبِ سادہ دلی ہم ہیں اور رازِ ہائے سینہ گداز
فرماتے ہیں ۔ ہمارے ضبطِ غم و راز کے دعوے ہماری سادہ دلی کے منظر ہیں ۔ ہم میں اتنی
طاقت کہاں ہے کہ ضبطِ غم اور رازِ محبت کو سینہ میں دفن کئے رکھیں ۔ یہ تو ایک دن
سب پر ظاہر ہو کر رہیں گے ۔

ضبطِ غم کا حوصلہ ممکن نہیں ہاں وہ اندازِ نہانی اور سہی (شارح)

ہوں گرفتار الفتِ صیاد ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

معنی : الفتِ صیاد مراد دنیا کی محبت

فرماتے ہیں : میں دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں ، چاہوں تو اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہوں
یعنی انسان کی تخلیق میں جسمانی اور روحانی اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں ، اگر چاہے
تو ان اعلیٰ صلاحیتوں سے کام لے کر اس قید یعنی دنیا کی محبت سے آزاد ہو سکتا ہے ۔

وہ بھی دن ہو کہ اس ستم گر سے ناز کھینچوں ، بجائے حسرتِ ناز

فرماتے ہیں : کاش وہ دن بھی مجھے نصیب ہو ، کہ بجائے حسرتِ ناز کھینچنے کے میں اُس کے ناز
برداشت کرنے کی منزل میں پہنچ جاؤں ، یعنی مجھے اس کا قرب حاصل ہو جائے ۔

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں جس سے شرکال ہوئی نہ ہو گل باز

فرماتے ہیں : میرے دل میں ایک قطرۂ خون بھی ایسا نہیں جس سے شرکال یا سرخ نہ ہوئی ہو ، یعنی
میری زندگی میں کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ شرکال یا میرے خون میں ڈوب کر سرخ نہ ہو گئی ہو ۔

اے تراغمرہ یکِ تسلّم انگیز اے تراظلم سر بسر انداز

فرماتے ہیں : تراغمرہ مرا مرناز ہے اور تیرا ظلم سر بسر انداز ہے ۔ یعنی تیرے لطف و
عنایت کی انتہا نہیں ہے اور اسی طرح تیرا ظلم بھی تیرا ایک انداز ہے

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزشِ سجدہ جبینِ نیاز

فرماتے ہیں : تیرا جلوہ گر ہونا میرے لئے مبارک ہو میں تجھے دیکھ کر اپنی جبینِ نیاز کو سجدہ میں گراتا ہوں ۔

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا میں غریب اور تو غریب نواز
 فرماتے ہیں۔ تو نے اگر میری حاجت ردائی کی تو اس میں کوئی حیرت کی بات ہے میں غریب و کمین
 ہوں اور تیری شان غریب نوازی ہے۔
 غضب نہ ہوا کہ مجھے نے بہت لطف پیدا کیا ہے۔

استاد اللہ خاں تمام ہوا اے درلیذا وہ زندہ شاید باز
 استاد اللہ خاں آج جہاں سے گزر گیا۔ افسوس صد افسوس کہ وہ شرابی اور حسینوں کو محبوب
 رکھنے والا آج دنیا میں نہیں ہے

غزل ۱۷

مرزہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے دامِ خالی! قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
 فرماتے ہیں۔ پسے کے پڑنے کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ جال لگا کر اس کے پاس
 ویسے ہی پسند کے کو رکھ دیتے ہیں اور طاغر گرفتار کی آواز پر یا مصنوعی آواز بنا کر دوسرے آزاد
 پرندوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور کچھ ان میں سے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مگر یہاں مرزا صاحب کا
 مطلب یہ ہے کہ مجھے جو ذوقِ اسیری ہے اس کے لئے مرزہ ہے کہ میں بھی معشوق کے دام
 میں گرفتار ہو سکتا ہوں یعنی معشوقِ ازلی کا جال ہر وقت بچھا ہوا (یعنی صفاتِ الہی) اور اس
 کے جلوہ حق کی نمائش ہر طرف موجود ہے۔ ہر ایک کے لئے ملائے مام ہے۔
 تمہیں حسنِ عالم میں بلئے عاشقان رکھ دی : بغیرِ حسنِ ہر سو جلوہ کا و دلتاں رکھ دی (شاعر)

جگر تشنہ آزار، تسلی نہ ہوا جتنے خوں ہم نے بہائی بھن ہر خار کے پاس
 فرماتے ہیں ۔ بہا جگر جوشنہ آزار ہے اس کی تسلی نہ ہوئی مالا مکہ ہم نے اپنے خوں کی نہریں ہر ایک
 کانٹے کے پاس پہنائیں تاکہ ہم لطفِ غلش حاصل کریں۔
 مطلب یہ ہے کہ کارزارِ عشق میں چاہے کتنے ہی زخم لگیں پھر بھی جی نہیں مبرا اور مزید زخم
 کھانے کے لئے عاشق ہر وقت آندو کرتا رہتا ہے۔

مندگیں کھولتے ہی کھولتے نکھیں ہے! خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
 فرماتے ہیں ۔ انتظار کرتے کرتے وہ وقت آگیا کہ آنکھیں کھل رکھنا دشوار ہو گیا۔ اور تم ایسے وقت میں
 آئے کہ نزع کا عالم طاری ہے۔ میں تمہارا دیدار کرنے کو آنکھیں کھولنا ہی وہ گیا اور حسرت دید
 لئے دیتا ہے رخصت ہو گیا۔

میں بھی رُک رُک کے نہ مڑتا جو زباں کے بدلے دشمن اک تیز راہ تو امرے غمِ خوار کے پاس
 فرماتے ہیں ۔ غمِ خوار کے طعن و ملامت، اور نصیحت کے کچوکے کھا کر میں موت سے بدتر زندگی بسر
 کر رہا ہوں۔ کاش اس کی اس زبان کے بدلے اُس کے پاس ایک بہت تیز سا خنجر ہوتا اور وہ
 ایک ہی مرتبہ میرا کام تمام کر دیتا اور مجھے دوزخِ رزق کی اذیت سے چھٹکارا مل جاتا۔

دہن شیر میں جا بیٹھے بسکنا اے دل نہ کھڑے ہو جئے خجانبِ دل گزارنے پاس
 فرماتے ہیں ۔ کراہیے سینوں کے پاس، جو دل آزاری ہیں اپنا ثانی نہیں رکھتے، کھڑا ہونے سے بہتر
 ہے کہ کسمی شیر کے منہ میں جا کر کس کا قہر بن جائیں۔

دیکھ کر تجھ کو چین بس کہ ہو کرتا ہے خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس
 فرماتے ہیں۔ تجھ کو دیکھ کر چین کی قوت ہو اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ گل خود بخود بڑھ کر تیری دستار
 تک پہنچ جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق جب جلوہ گر ہوتا ہے تو اس کے دیدار سے سب
 کے دلوں اور دماغوں میں سودائے عشق سا جاتا ہے۔ یا یوں بھی لیں کہ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ
 کے فرستادے نازل فرماتے ہیں تو فرشتے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیتے ہیں
 اور سعید و سعادوں میں حق و صداقت کے لئے ایک دوسرا ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

مرگیا مچھوڑ کے سر غالب جیسی ہے! ہے بیٹھا اس کا وہ اگر تری دیوار کے پاس
 معنی ہے۔ ہونے افسوس

فرماتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ غالب جیسی اپنا سر تری دیوار سے ٹکرا کر لے کے مچھوڑا رہا اور بالآخر
 مر گیا۔ مگر ہیں اس کا شوق دیدار میں تیری دیوار کے پاس اگر بیٹھا کسی نہ بھولے گا۔
 چارہ غم نہ رہا جب مرے غم خوار کے پاس نہ وہ بھی نہ مچھوڑے نہ پہنچا کسی دیوار کے پاس (شاعر)

غزل ۷۲

نہ لبوے گر خس جو ہر طراوت سبزہ خط سے

لگا دے خانہ آئینہ میں رونے لگا راتش

فرماتے ہیں۔ تیرے سبزہ خط سے جو ہر آئینہ تو نازگی حاصل کرتا ہے اگر ایسا نہ کرے تو رونے لگا رات کا
 شعلہ خانہ آئینہ میں یقیناً آگ لگا دے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عالم (خانہ آئینہ) تجھ سے فیض حاصل
 کرتا رہتا ہے اور تیرے عاشق تیرے حسن و احسان کو جذب کرتے رہتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو تمام
 عالم یک دم فنا ہو جائے گا۔ خس جو ہر سے مراد جو ہر آئینہ ہے۔

فروغِ حُسن سے ہوتی ہے حل ہر مشکل عاشق
نہ نکلے شمع کے پاسے لکالے گر نہ غارِ آتش

معنی غارِ شمع - شمع کی بتی، ڈوری

فرماتے ہیں۔ فروغِ حُسن سے جو انتشارِ فیض ہوتا ہے اس سے عاشق کی مشکل حل ہو جاتی ہے جس طرح شمع کے جلنے کی گرمی سے غارِ شمع نکل جاتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ تیرے فروغِ حُسن سے فروغِ عشق ہوتا ہے اور عاشقِ آتشِ عشق سے حل کر
جو میں فنا ہو جاتا ہے یہی اس کا دھماکا ہے۔

جادو رہ خور کو وقتِ شام سے تارِ شعاع

چرخِ وا کرتا ہے ماوِ تو سے آغوشِ دلِ واع

- جادو رہ خور - مسافر - تارِ شعاع - طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ آفتاب کے بعد
ایک مفید ڈوری جو اتنی کہلاتی ہے -

لفظی معنی تو ہیں اتنے ہیں بوقتِ شام سورج سفر کرنے پر آمادہ ہے اور آسمان نے اس کا
راستہ کھول دیا ہے اور وہ ماوِ تو سے رخصتی معانقہ کر رہا ہے۔

غزل ۷۳

رُخِ زگار سے ہے سوزِ یاد دانی شمع ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
فرماتے ہیں۔ محبوب کے رخِ انور سے شمع کو رشک پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے وہ آتشِ رشک میں جل
رہی ہے اور آتشِ گل جو محبوب کے رخساروں کی سرخی ہے وہ شمع کے لئے آبِ حیات
بن گئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کا چہرہ انور جب تک کائنات کی طرف ہے اُس کی زندگی
ہے۔ جس دن اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اُس دن کائنات نہیں رہے گی۔ سب کچھ فنا ہو
جانے لگا۔

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
معنی۔ زبانی شمع۔ شعلہ شمع یعنی اس کا جلنا اُس کی زندگی ہے۔ بجو، ہوئی شمع کو شمع کُشتہ
کہتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔ اہلِ زبان اپنی زبان میں خاموشی کو موت کہتے ہیں۔ ہم پر یہ بات بزم میں شمع کی
زباں سے روشن ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ زبان کا خاموش رہنا اہلِ زبان کی موت ہے
جس طرح شمع اپنا کام چھوڑ دے یعنی جلنا بند کر دے تو وہ بھی مرجائے گی اسی طرح قوموں کی
زندگی بھی محنت و مشقت کرنے ہی میں ہے جب وہ کام کرنا چھوڑ دیں تو وہی اُن کی موت ہے۔

کوسے ہے مرفِ بیکائے شعلہ قصہ تمام بہ طرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع
فرماتے ہیں۔ شمع شعلہ کے اشاہے پر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی ہے یعنی شعلہ نور کی محبت میں

اپنے آپ کو فنا کر لیتی ہے۔ اسی طرح عاشقانِ الہی اس کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر لیتے ہیں اور اس کی ہستی موبہوم سے گزر کر حیاتِ جاہداں پاتے ہیں۔

غمِ اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ تیرے زرنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع
فرماتے ہیں۔ شمع کو حسرت پر دانہ کا غم لگ گیا (یعنی پر دانہ کو ناامی اور محرومی جو ہوئی ہے) اسی وجہ سے شعلہ روز کو شمع کا ناتواں ہونا ظاہر کر رہا ہے۔

تمہے خیال سے روح اہتر از کرتی ہے یہ جلوہ ریزیِ بادِ مہ پر فغانیِ شمع
فرماتے ہیں۔ اے مرے محبوب تیرے خیال سے میری روح وجد کرنے لگتی ہے اور اس جنبش سے مجھے سرور حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح ہوا کے چلنے سے شعلہ شمع جھومتا ہے۔

نشانیِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع
فرماتے ہیں۔ داغِ غمِ عشق سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کا حال مجھ سے نہ پوچھو وہ تو ایک فصلِ بہار ہے جس طرح گل پیدا ہونے سے (یعنی جل کر جو گل پیدا ہوتا ہے) شمع بجھ جاتی ہے اسی طرح داغِ عشق سے عاشق کی شہادتِ وقوع میں آتی ہے۔ نہ مایہ ہے کہ داغِ غمِ عشق میں ایسی بہار ہے کہ شگفتگی اس پر ہزار جان سے نثار ہے

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو۔ نہ کیوں ہو دل پہمے داغِ بدگمانیِ شمع
فرماتے ہیں۔ شمع بھی یار پر عاشق ہے اور مجھے اپنا قریب سمجھتی ہے۔ اسی یار کے پاس مجھ کو کھڑا دیکھ کر تشویشِ رشک میں جل رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے شمع کے متعلق بدگمانی نہ ہو۔

غزل ۷۴

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش مجبوریٰں تلک ہوئے اے اختیارِ حیف
فراتے ہیں۔ ہم رقیب کے خوف سے بے ہوش بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ رازِ عشق
سے باخبر ہو جائے گا۔ افسوس کہ ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، اس پر ہیں ذرا بھی اختیار نہیں۔

جلتا ہے دل اگر کیوں نہ ہم اک باطل گئے اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بارِ حیف
فرماتے ہیں۔ ہمیں بار بار خیال آتا ہے اور یہ بہت تکلیف دہ امر ہے کہ ایک ہی دفعہ میں کیوں نہ
نہا کر ستر ہو گئے جبکہ ہمارے سینہ میں آہِ شعلہ بار موجود ہے لیکن حیف صد حیف ہماری ناکامی
اور نامرادی پر کہ وہ ہمیں یک لخت مرنے سے بھی روکتی ہے

غزل ۷۵

زخمِ چھپر کیس کہاں طفلِ لانِ بے پروا نہک کیا مزہ ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نہک
فراتے ہیں۔ لڑکے مجھے دیوانہ سمجھ کر پتھر باتے ہیں جس کی وجہ سے میرا جسم زخمی ہو گیا ہے لیکن
لڑکے بے پروا ہیں وہ زخموں پر نہک نہیں چھڑکتے۔
یا اگر پتھر نہک کے پتھر ہوتے تو دونوں کام ساتھ ہی ہو جاتے۔ یعنی ہم لذتِ زخم سے

پوری طرح آشنا ہوتے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچے ہمے بس دیوانہ سمجھ کر پتھر مار رہے ہیں اگر یہ اطفال بے پروا نہ ہوتے اور یہ بھی جاننے کی کوشش کرتے کہ میری دیوانگی کا سبب کیا ہے۔ میں کس کے لئے اور کس عیش میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اور یہ اطفال پتھر مارتے وقت کہتے کہ فلاں سے عشق کرنے والے فلاں کے۔ لئے پاگل ہونے والے تو کیا مزہ آتا ہے۔

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل

ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

فرماتے ہیں۔ زخمِ دل کے لئے باعثِ فخر گردِ راہِ یار ہے۔ ورنہ دنیا میں نمک کی کمی نہیں۔ زخمِ دل پر نمک کے گنے سے وہ لطف نہیں آتا۔ جیسا کہ معشوق کے راستہ کی گرد سے، جب یہ گرد زخموں میں بھرتی ہے تو خوب مزہ دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوقِ حقیقی کی راہ میں تکالیف اور مصائب اٹھانے میں جو مزہ اور سکون حاصل ہوتا ہے وہ دنیاوی مشقتوں کی تکلیف میں نہیں ہوتا۔ لیکن راہِ مولا کی تکالیف میں بھی راحت ہے۔

مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو

نالہٴ بلبِ دل کا درد اور خندہٴ گل کا نمک

فرماتے ہیں۔ مجھ کو دکھ درد کی بہتات رہے اور بلب کے نالہ کا درد میرے لئے سوز و گداز بہت کم رہے اور تجھ کو خندہٴ گل کا نمک مبارک ہو۔ اسی طرح تو زندہ و سلامت رہے۔ اس شعر میں لطف و نشر کی ترکیب ہے۔

شورِ جلاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج گروِ ساحل ہے بازِ خمِ موجِ دریا نمک
 فرماتے ہیں۔ وہ کون سا محبوب تھا جس نے دریائے کنارے ریت پر گھوڑا دوڑایا ہے جس کی وجہ
 سے گروِ ساحل اڑاڑ کر موجِ دریا میں پڑی جس نے زخمِ پرنک چھڑکنے کا کام کیا۔ مطلب
 یہ ہے کہ میرے محبوب کا گھوڑا موجِ دریا سے بھی تیز رفتار ہے جس سے موجِ دریا کو رشک
 پیدا ہوا۔

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ وا یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جانک
 فرماتے ہیں۔ میرا محبوب جب کہیں نمک دیکھ پالتا ہے تو اس کو میرا زخمِ جگر یاد دلاتا ہے لہذا اس
 کی تعریف پر مجبور ہو جاتا ہے۔

چھوڑ کر جانا تنِ مجروح عاشق حیف ہے دل طلب کرتا ہے زخمِ اورنگے میں اعضا نمک
 فرماتے ہیں۔ تنِ مجروح عاشق کو ایسے وقت میں چھوڑ کر جانا جبکہ دل زخمِ چاہتا ہے اور اعضائے
 بدن اپنے زخموں کے لئے نمک کے طالب ہیں قابلِ افسوس امر ہے یعنی چاہیے یہ تھا کہ
 محبوب میرے زخموں میں نمک بھرتا اور دوا میں کوئی بے ازختم لگاتا۔

غیر کی منائش کھینچوں گاپے، تو قیرِ درد زخمِ مثلِ خندہ قاتل ہے سرتاپا نمک
 فرماتے ہیں۔ میں درد کو بڑھانے کے لئے کسی غیر کی خوشامد نہ کروں گا کیونکہ خندہ قاتل کی تیزی
 نے خود میرے زخموں کو نمک سے بھر دیا ہے۔ یعنی قاتل کا خندہ زنی خود نمک کا کام لے
 رہی ہے۔

یا نہیں غالب تجھے وہ دن کہ بدِ ذوق میں زخم سے گزتا تو میں پلکوں سے چٹتا تھا نمک
 فرماتے ہیں۔ غالب تو میرا ہمیشہ کا ساتھی ہے تجھے تو وہ دن ضرور یاد ہوں گے جب میں کتنا
 اذیت کو شش تھا یہاں تک کہ جب میرے زخم سے نمک کے ذرے گر جاتے تھے تو میں
 انہیں پلکوں سے چن کر پھر زخم پر رکھ لیتا تھا۔
 بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا: کیجئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو (شارح)

غزل ۷۶

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
 فرماتے ہیں۔ آہ کو اک عمر چاہئے کہ وہ اثر کرے۔ اور تیری زلف ہمارے حال سے باخبر ہو۔ اور تو
 نگاہِ لطف و عنایت ہماری طرف کو سے لیکن ہم اس وقت تک زندہ نہ ہوں گے۔ یا اسی
 نامرادی و ناکامی کا اظہار کیا ہے وہ مطلب یہ بھی ہے کہ تو نظرِ کرم جلد کر ہم اس قدر
 انتظار نہیں کر سکتے۔

وام ہر موج میں ہے لطفِ صد کام نہنگ دیکھیں کیا گزے قطرے پہ گہر ہونے تک
 فرماتے ہیں۔ ہر شعبہ حیات میں مشکلات اور مصائب ہیں۔ اُن سے بچنے اور درجہ کمال حاصل کرنے میں
 کن کن مشکلات کو حل کرنا ہوگا۔ بہت سی دشواریاں گھاٹیوں کو طے کرنا ہوگا۔ تب کہیں، جا کر
 کمال حاصل ہوگا۔ (حلقہ صد کام نہنگ، صد نامگر محبوں کے منہ کا حلقہ)

ما شقی سبر طلب اور تمنا بے تاب دل کا یازنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

فرماتے ہیں۔ عاشقی صبرِ چاہتی ہے اور تمنا جلد باز ہے کہ مقصد جلد حاصل ہو جائے۔ اب میں کیسے صبر کروں۔ کونسا جلد اختیار کروں۔ کہ دل خوانِ جگر ہونے تک رہِ عشق میں مسلسل انتظار کرے۔ تاکہ آہ میں اثر پیدا ہو سکے اور مراہ حاصل ہو جائے۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کر دے لیکن! خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہوئے تک فرماتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم نہ غفلت کرو گے اور نہ تغافل کو کام میں لاؤ گے۔ جلد سے جلد ہماری خبر گیری کے لئے آجاؤ گے مگر اس کا کیا علاج کہ تم کو خبر ہوتے ہوتے ہم تو خاک کا ڈھیر بن جائیں گے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

تا تریاق آوردہ بود مارگزیدہ مردہ بود
دل کو تھامتا تو بے درد ہے پتھر۔ ہم نے نگر دیکھیں کیا گزیرے گی آمد کی خبر ہونے تک (اشعار)

پرتو خور سے شبنم کو فنا کی تعلیم میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
معنی۔ پرتو خور۔ آفتاب کی گرمی، دھوپ

فرماتے ہیں۔ آفتاب کی گرمی سے شبنم فنا ہو کر بنارات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ میں بھی ایسے ہی تیری نظر عنایت سے فنا ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ میری ہستی بھی شبنم سے کچھ زیادہ پائیدار نہیں ہے۔ بہت بے ثبات ہے لہذا مجھ پر نظر عنایت کرنا کہ میں فنا ہو کر ثبات حاصل کروں۔ خدا اس کا ہی کروں اپنی حقیقت کی ہے۔ خاک تھا تو یہاں اس کی نظر ہونے تک (اشعار)

ایک نظر بیش تہیں فرصتِ سستی غافل گرمی بزم ہے اک قصہ شر ہوئے تک
فرماتے ہیں۔ اے غافل انسان زندگی کا وقفہ بہت تنگ ہے۔ ایک نظر سے زیادہ نہیں اور مثال پیش کرتے ہیں کہ بزمِ سستی (گرمی بزم) کی گرما گرمی اک قصہ شر ہوئے تک ہے یعنی جیسے شر اپنی چمک دکھلا کر جلد مٹ جاتا ہے یہی حال تیری زندگی کے وقفہ کا ہے۔

غمِ سہتی کا اسد کس سے ہو جو مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر مرنے تک
 فرماتے ہیں غمِ سہتی کا اسد سوانے مرگ کے کوئی علاج نہیں جیسا کہ شمع کو ہر غفل میں سحر ہونے تک جلا ضرور
 ہے۔ پہلے غفلِ شادی ہو یا غفلِ غم شمع کو ہر حال میں جلتا ہے۔ زندگی رو کر گزرتے یا سہس کر ہر حالت
 میں گزرتی ہے۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔۔۔

قیدیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پانے کیوں
 فرق کیا تھوڑے اُبلے میں کرے گا کوئی نہ قلت و ثور کا ہے جنگ سحر مرنے تک (شارح)

غزل ۷۷

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ یعنی بغیرِ یکِ دلِ بے مدعا نہ مانگ
 فرماتے ہیں ۔ اگر تجھے یقین ہے کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی تو پھر سوائے دلِ بے مدعا کے اور کوئی دعا
 نہ مانگ۔ حبیبِ دلِ بے مدعا حاصل ہو جائے گا تو تیری کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی اور حبیب
 کوئی خواہش ہی نہ ہوگی تو تجھے کسی چیز کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی اور اس سے بڑھ کر اور کیا دعا ہو سکتی

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمارِ یاد مجھ سے گزرتے کا حساب اے خدا نہ مانگ
 فرماتے ہیں ۔ ناکر وہ گناہوں کی وجہ سے داغِ حسرتِ دل میں بے شمار ہیں لہذا اے میرے را
 مجھ سے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ۔ درز میں ناکر وہ گناہوں کو بھی اُن گناہوں میں
 شامل کر لوں گا جو میں نے نہیں کئے ہیں۔ تیرا فرمان ہے کہ تو اُن گناہوں کو شمار کرتا ہے
 جو تو بخ میں آگئے یعنی سرزد ہو گئے ۔

غزل ۸

ہے کس قدر ہلاک فریبِ وفاؔ گُلِ بلب کے کاروبار یہ ہیں خندہ ہائے گُلِ
فرماتے ہیں گُل کی وفا کا فریب کتنا مہلک ہے کہ بلب سمجھتی ہے کہ اس کی وفاداری کو قیامِ وثبات
ہے۔ حالانکہ یہ گُل کا فریب ہے۔ اور اپنے فریب کی کامیابی پر گُل خوش ہیں اور سنس رہے ہیں
اور تہقیرے لگا رہے ہیں (خندہ ہائے گُل) ہر عاشق کی نگاہ میں اُس کے محبوب کا حسن و جمال کبھی
نہننے والا نہیں مگر یہ سراسر اس کی بنمول ہے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کے ہر شے فانی ہے اور
کسی شے کو قیامِ وثبات نہیں ہے۔ اور گُل کی بے ثباتی تو اظہر من الشمس ہے۔

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دامِ ہوائے گُل
معنی: آزادی نسیم۔ بوئے گُل۔ ہوائے گُل۔ شوقِ گُل
فرماتے ہیں۔ بوئے گُل کو مبارک ہو کہ چین میں ہر طرف پھول کھل گئے اور خوشبو سے سارا چین
مہلک رہا ہے۔ یعنی بوئے گُل آزاد ہے۔
یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان سے نور نازل ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ جو گُل حقیقی ہے
اس سے وصال کے ذرائع معلوم ہو گئے ہیں جو مدتوں سے رازِ ہائے مرہوتہ تھے۔ اہل دنیا
کو ان معلوم کا کھل جانا مبارک ہو۔

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا اے دامنِ نالِ لبِ بنو میں تو اے گُل
معنی: رنگِ گُل۔ موجِ رنگ۔ ل۔

فرماتے ہیں۔ جس شخص نے نظر ڈال وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اپنے آپ کو تباہ کر بیٹھا۔ خدا فسوس کہ گُل کی پکار جان لینے والی اور ہلک ثابت ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی دنیا کو گُل مراد بنایا اور اس کی رنگارنگی پر فریفتہ ہو گیا اس نے خود کو تباہ کر لیا۔ یعنی دنیا کی پکار پر ہلک کہنا بربادی کو دعوت دینا ہے۔

خوش حال اس حریف سید مست کا کہ جو رکتا ہوا مثل سایہ گُل سر پہ پائے گُل فرماتے ہیں۔ وہ عاشق خوش نصیب ہے جو سایہ گُل کی طرح اپنا سر گُل کے قدموں میں رکھتا ہے حریف سید مست بہ نیک ہم پیشہ عاشق ہے اور گُل سے مراد محبوب۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو اپنے وقت کے فنا فی اللہ ولیوں کو پہچان لیتے اور سایہ کی طرح ان کے قدموں میں رہتے ہیں یعنی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور گُل سے مراد مشرق ازل ہے۔ میں اس قسم کے معنی اس لئے کرتا ہوں کہ غالب اپنے کلام کے متعلق خود کہہ چکے ہیں کہ میرا کلام تصوف کی جان ہے۔

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گُل فرماتے ہیں۔ بہار پھولوں کو اس لئے پیدا کرتی ہے کہ میرے رقیب بنیں۔ میرا محبوب پھولوں کا مار پہنے گا یا پھولوں سے بنا ہوا عطر لگائے گا۔ جو کہ ہر وقت اس کے ساتھ ہو گا۔ اور میں سب کچھ دیکھ کر آتشِ رنک میں جوں گا کہ مجھے محبوب کا یہ قرب نصیب نہ ہوا۔

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے مینے بے شرابِ دل بے حوائے گُل فرماتے ہیں۔ بظاہر تو معنی یہی ہیں کہ جب میرے شیشہ میں شراب نہیں ہوتی اور دل وصلِ محبوب کے جنون سے خال ہوتا ہے۔ تو میں بادِ بہاری سے شرمندہ رہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کے اثرات

کو قبول کرنے میں کوتاہی کی۔

سطوت تیرے جلوہ حسنِ غیور کی خوں ہے مری نگاہیں رنگِ ادائے گل
 فرماتے ہیں۔ تیرے جلوہ حسنِ غیور کے رعب سے گل کی تمام رنگینیاں اور رعنائیاں میری نظر میں بیچ ہو
 گئی ہیں اور اُس کی تقدیر میری نگاہ میں کچھ نہیں۔ تیرے جلوہ حسن کی غیرت نہیں پاہتی
 کہ میں کسی اور سے دل لگاؤں، اگر حقیقت کی طرف سے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غیور
 ہے اور اسے اپنی یکتائی میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں۔ لہذا میری نگاہ میں بھی رنگینیاں جہاں
 کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔

اُس بہارِ حسن کا دل میں بہارے جوش ہے
 مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تار کا

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک بے اختیار دوڑے گل در قفائے گل
 فرماتے ہیں۔ جہن میں بہار کے آنے کو گل تیرا آنا اور تیرا جوارہ سمجھتے ہیں تبھی تو ازل سے آج تک ان
 کو دھوکا لگا ہوا ہے اور وہ یکے بعد دوسرے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تجھے دیکھنا چاہتے ہیں اور
 کھلتے چلے جاتے ہیں۔

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو جس کا خیال ہے گلِ حبیبِ قبائے گل
 فرماتے ہیں۔ اے غالب میرے دل میں اُس سے ہم آغوشی کی آرزو ہے جس کے خیال کو گل نے
 اپنے دل میں بار کھا ہے اور اسی وجہ سے گل کا گریبان لانی دیدین گیا ہے یعنی خود حقیقت
 سے دھماکے کی آرزو ہے۔

غزل ۷۹

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس

برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
فرماتے ہیں غم دنیا ہم آزاد لوگوں کو تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے گویا ہمارے ماتم کدہ میں آن واحد
کے لئے برق شمع کو روشن کر کے پٹی جاتی ہے اور غم کا خیال حرفِ فدا کی طرح ہمارے دل
سے ہٹ جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ہم دنیا کے قید و بند سے آزاد ہو چکے ہیں۔ غم دنیا یعنی دنیا کا مال و متاع تلف
ہونے پر دم بھر ملال ہوتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہیں صبر کر لیتے ہیں۔
یعنی اس غم کو آزمائش سمجھ کر ہم میدانِ معرفت میں کچھ اور ترقی کر لیتے ہیں اور شمعِ دل کو کچھ اور
روشن کر لیتے ہیں۔

محفلیں برہم کمرے سے گنجفہ بازِ خیال ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بُت خانہ ہم

گنجفہ ایک کیل ہے جو ۹۶ پتوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ گنجفہ باز گنجفہ کھیلنے والا

نیرنگ بُت خانہ۔ نشاط کی محفلیں حسینوں کی تصاویر

قرماتے ہیں۔ گنجفہ باز کو کھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ گزری ہوئی نشاط کی محافل ہمارے ذہن میں
ایک ایک کمرے کے آئی شروع ہو جاتی ہیں جس طرح گنجفہ باز اپنے پتوں کو اپنی انگلیوں پر پھیلا
کے ان کی ورق گردانی کرتا رہتا ہے اسی طرح ہم بھی ان حسینوں کی تصویریں اپنے خیال میں
لاتے ہیں جن سے ہم نشاط کی محفلوں میں ملا کرتے تھے۔

باوجودیک جہاں، ہنگامہ پیدائی نہیں ہیں چراغانِ شہستانِ دل پر دانہ ہم
 فرماتے ہیں۔ باوجود اس کے دل پر دانہ شمع کے شوق میں ہنگامہ آرائی میں مصروف ہے مگر خود اس کی
 ہستی معدوم ہے یعنی پیدائی نہیں۔ یہی حال انسانی زندگی اور اس کی ہستی کا ہے۔ یعنی کوئی
 حقیقت ہی نہیں۔ صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ ذاتِ خداوند ہے۔

ضعف ہے، قناعت یہ ترک جستجو ہیں و بال تکبیر گاہ، ہمت مردانہ ہم
 فرماتے ہیں۔ ہم نے جو ترک جستجو کیا ہے وہ قناعت کے سبب نہیں ہے بلکہ کمزوری کی وجہ سے ہے
 ہم میں طاقت و قوت نہیں ہمت ہار بیٹھے ہیں۔ ہم تو ہمتِ مردانہ کی تیکہ گاہ پر وبال بن گئے
 ہیں۔ اس کے محافظ اور مجاور نہیں بنے مطالب یہ ہے کہ ہم جو قربِ الہی کی جستجو نہیں کر رہے
 اس کا سبب ہمارے ایمان کی کمزوری ہے کہ ہمیں مل گیا ہے اور ہم قانع ہو گئے۔ اس کا قناعت
 سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ راہِ مولا میں قناعت کی نہیں بلکہ جہدِ اسل کی ضرورت ہے۔

و ائم المجلس اس میں ہیں لاکھوں تئنائیں اسد جانتے ہیں سینہ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم
 فرماتے ہیں۔ ہمارا سینہ پُر خوں جیل خانہ ہے جس میں ہماری تئنائیں کو عمر قید ہو گئی ہے یعنی وہ کبھی
 پوری نہیں ہوں گی اور اس جیل خانہ سے کبھی نہ نکل پائیں گے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے پوری
 ہو سکتی ہیں۔

بھروسہ کسی پر ہم کہاں مشکل سمجھتے ہیں ؟ اگرچہ دُور ہے۔ نزدیک ہم منزل سمجھتے ہیں

(شارح)

غزل ۸۰

یہ نالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر متاعِ خانہ زنجیرِ جزو صدِ معلوم
فرماتے ہیں۔ نالہ و دہکا۔ آہ و نغماں۔ عجز و نیاز کے ذریعہ دل کی مراد حاصل کر۔ کیونکہ خانہ زنجیر کا سرمایہ
سوائے بھٹکار کے اور کچھ نہیں۔ تعلقِ خاطر کو زنجیر سے تشبیہ دی ہے

غزل ۸۱

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم
فرماتے ہیں۔ اہمیا و اجمہ کو موت پر دیں میں آئی۔ میرے خدا نے میری بکسی کی لاش رکھ لی۔ پردیس
میں بے گور و کفن ہوں تو کون جانتا ہے کہ یہ کون ہے۔ وطن میں ایسی حالت میں مرقا تو بے حد
ذلت و رسوائی کا موجب ہوتا۔

وہ حلقہ بٹائے زلفِ کمیں میں ہے اے خدا رکھ لی جو میرے دعویٰ و استغیٰ کو شرم
معنی۔ وابستگی۔ آزادگی، پرہیزگاری۔

فرماتے ہیں۔ یہ بیچ و بیچ زلفوں والی سینہ (دنیا) میری ہر وقت گھات میں ہے۔ اے میرے خدا
میرے دعویٰ آزادگی و پرہیزگاری کی لاش رکھ لے۔ میں کہیں اس کی زلفوں کا اسیر نہ ہوں گا۔

تو فتن دے خدا جسے پاتا ہے وہ نجات دُنیا ہے درنگھات میں ہر دم لگی موتی

(تاریخ)

غزل ۸۲

لوں واما بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش دے غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں
 فرماتے ہیں۔ بختِ خفتہ سے ایک رات کی میٹھی نیند قرض تو لے سکتا ہوں مگر خوف یہ لاحق ہے کہ
 اس کا ادائیگی کیسے ہوگی کیونکہ اپنے مقدر میں تو کوئی نیند نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 میری قسمت میں سکون نہیں ہے۔ اگر میں اپنی قسمت سے اُدھار بھی لے لوں تو کہاں سے
 ادا کروں۔ میرے پاس تو پریشانیوں کے سوا کچھ ہی نہیں رہا۔ (وام سے مراد قرض اُدھا۔)

غزل ۸۳

وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فرماتے ہیں۔ عہدِ جوانی گزر گیا وقتِ پیری آگیا اب اپنی پڑی ہے۔ نہ فراق ہے نہ وصال ہے۔
 عہدِ جوانی میں، فراق کی راتیں کاٹنا گو پہاڑ کے کاٹنے سے کم نہ تھا لیکن وہ بھی یادِ پارینہ بن گیا۔
 اور وصلِ محبوب کے لطف بھی محو ہو گئے۔ بس ان کی یاد باقی ہے۔ وہ رات دن وہ ماہ و سال
 جس سے کہیں رنجِ تنہا کبھی عیشِ تنہا گزر گئے۔ وہ ذوقِ عشق بھی کافر ہو گیا۔

فرستِ کار و بارِ شوق کے ذوقِ نظارہِ جمال کہاں

فرماتے ہیں۔ وہ ذوقِ شوق کی مصروفیات ختم ہو گئیں۔ اور نظارہِ جمال کی آرزو بھی نہیں رہی۔ اب تو

وقتِ رملت قریب ہے۔ شاہِ حقیقی سے دل لگانا ہے اور اسی کے وصال کی تئیب ہے۔ ان
حسینانِ جہاں کے فراق و وصال کے زمانے ختم ہو گئے۔

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سودائے خط و خال کہاں
فرماتے ہیں۔ وہ دل جس میں ذوقِ شوق بھرا تھا مٹ گیا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ وہ دماغ
بھی باقی نہ رہا۔ جس میں سودائے خط و خال ہوا کرتا تھا۔
مطلب یہ ہے کہ نہ صرف آرزوئیں اور تمنائیں مٹیں بلکہ ان کی یاد بھی کھو بیٹھے۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
فرماتے ہیں۔ میرے کلام میں حسن و رعنائی کسی حسین و جمیل پیکر کے تصور کا نتیجہ تھی جب سے وہ
تصور ختم ہوا کلام کا سارا حسن جاتا رہا۔

ایسا آساں نہیں لہو رونا دل میں طاقت جگرِ مال کہاں
فرماتے ہیں۔ فراقِ یار میں خون کے آنسو بہانا آسان کام نہیں۔ یہ بڑے جگر گردے کا کام ہے۔
اس بارہ میں خونِ دل خونِ جگر سب خرچ ہو گئے۔ نہ دل میں طاقت ہے نہ جگر میں مال۔

ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق دہاں جو جادیں گروہ میں مال کہاں
فرماتے ہیں۔ ہم سے قمار خانہ عشق ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔ اب دہاں جا کر ہم کریں گے گینا۔
نہ ہماری جیب میں کوئی پیسہ ہے۔ حالانکہ قمار خانے میں رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں میں کہاں اور یہ وبال کہاں

فرماتے ہیں۔ میرا مزاج عاشقانہ تھا۔ غم عشق میری دولت تھی۔ سجدہ وصال کے رنج و عیش سے میرا واسطہ تھا۔ فرقت کے غم اٹھاتا تھا اور وصل کی لذتیں حاصل تھیں۔ مجھے غم دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا میں تو غم دنیا کو اک و بال ایک مصیبت سمجھتا تھا لیکن دائیہ قسمت کہ اس نے مجھ جیسے آزاد کو دنیا کے بکھیر دل میں پھنسا دیا۔

مفصل ہو گئے قویٰ غالب وہ عناصر میں اعتدال کہاں
فرماتے ہیں۔ عہد جوانی گذر گیا اور شب باب کی توانائیاں ختم ہو گئیں۔ میرے قویٰ میں کیر سنی نے بے اعتدالیاں پیدا کر دیں۔

غزل ۸۴

کئی فاقہ ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
فرماتے ہیں۔ ہمارے محبوب نے جب سے سلوکِ محبت و وفاداری کیا تو ہمارے دلیوں نے اس کو جفا سے تعبیر کیا۔ یہ تو اس دنیا کا دستور ہے کہ رشک و حسد میں اچھوں کو برا کہتے ہیں۔

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں
فرماتے ہیں۔ آج ہم اُن سے اپنی پریشانی کا حال کہنے چلے تو دیئے مگر بار بار یہ خیال آتا ہے اور دل میں یہ خوف بھی ہے کہ اُن کے رعبِ حسن سے ہم کچھ کہہ بھی سکیں گے یا نہیں۔
اگر کیا کہتے ہیں کا فاضل محبوب کو سمجھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نہیں معلوم ہمارے سوال کا جواب

محبوب کیا دیتا ہے۔ لیکن۔ ارا و طف تو بے معنی میں ہی ہے۔
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو جو سے و نغمہ کو اندوہ کرنا کہتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ جو لوگ شراب اور گانے کو غم غلط کرنے کا سامان اور عیاشی سمجھتے ہیں۔ وہ دنیاؤسی
 خیالات والے پرانے، بھوئے بھالے اور سادہ طبیعت کے مالک لوگ ہیں۔ اُن سے
 الجھنے کی ضرورت ہے نہ کچھ کہنے کی ضرورت۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اور نغمہ غم کو مٹاتے نہیں
 بلکہ بڑھاتے ہیں۔ چونکہ سامان نشاط سے دل پر چرٹ گئی اور محبوب کی یاد زیادہ ہو جاتی ہے۔
 معنی اندوہ نہیا، نغمہ تو دور کہنے والا۔ رہا میدانِ مصدا۔ اُچک دینا

دل میں آجائے ہم ہوتی ہے جو فرصتِ عشق سے اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ جب مجھے پہوٹی سے فرصت ملتی ہے تو میرا محبوب، فورا میرے دل میں آ جاتا ہے۔ اب
 بتائیے کہ اس حالت میں نالہ کی رسائی سے کیسے نکار کیا جاسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں نالہ کے دھند میں نہ ٹوٹ رہوٹی
 ہوں اور اپنے حواس کو بیٹھا ہوں۔ لیکن جو بہی نہ اسامی ہوش آتا ہے تو میرا محبوب فورا
 میرے دل کی زنجیر ہلا کر مجھے ہوشیار کر دیتا ہے اور میرے دل میں دنیا کی محبت سرد ہو جاتی
 ہے اور میرے دل میں محبتِ اپنی جوش مارنے لگتی ہے۔ یہ میرے اس نالہ کی رسائی نہیں تو اند
 کیا ہے جو میں دنیاوی علائق میں گھرے ہونے کے باوجود اپنے اصلی مقصد سے دور ہونے
 کی وجہ سے کہیں پتا رہتا ہوں۔ حضرت جگر مراد آبادی نے کیا خوب کہا ہے :-
 تجھ سے غافل ترے وحشی نہیں ہونے پاتے
 مدد آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ جس کو ہم سجدہ کرتے ہیں جس کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ کعبہ نہیں ہے بلکہ اہل
 فانش جانتے ہیں کہ وہ قبلہ نما یعنی قبلہ کو دکھانے والا ہے۔ خود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے
 نشان میں سے ایک نشان ہے۔

پائے افکار پر جب سے تجھے رحم آیا ہے خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں
 فرماتے ہیں - ہمارے زخمی پیروں کو دیکھ کر تجھے ہم پر رحم آیا ہے۔ ہم تیرے راستے کے کانٹوں کو
 مہر گیا کہتے ہیں (مہر گیا ایک بوٹی کو کہتے ہیں جس کی جڑ انسان کی شکل سے مشابہت رکھتی
 ہے۔ بسنہ ہے یہ بوٹی جس کے پاس ہوتی ہے اس پر لوگ مہربان ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے
 اندر رُح کا اثر رکھتی ہے۔

اک شر دل میں ہے اُس کوئی گھبرائے گا کیا آگِ مطلق کے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
 فرماتے ہیں - دل میں گرمی خون کی وجہ ایک چنگاری ہے جس سے ہر وقت آگ کو جلاتے رہنا
 مقصود ہے اور آگ جلانے کے لئے oxygen کی ضرورت ہوتی ہے جو ہوا میں ہے
 وہ توان میں تحلیل ہو کر تمام اعضا کو ایک خاص درجہ حرارت پر رکھ کر قوت بخشتی ہے۔

دیکھئے اتنی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ اُسکی ہر بات پر ہم "نما خدا" کہتے ہیں
 فرماتے ہیں - ہم اس کی ہر بات پر ماشاء اللہ، بسم اللہ کہتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا
 نخوت بڑھتی جا رہی ہے۔ خدا ہی جانے کہ انجام کار یہ نخوت کیا رنگ لائے گی۔

وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاید مرگیا غالبِ اشفۃ نوا کہتے ہیں
 مطلب صاف ہے۔ غلامِ علی وحشت غالب کے شاگرد نہ تھے لیکن شیفۃ ضرورت تھی۔ نواب
 مصطفیٰ خان بہادر شیفۃ نہیں چاہتے تھے اصلاح لیتے تھے۔

دنیا نے بس کاراہِ ظاہر دیا ہے ساتھ : تم بھی پیے چلو یونہی جب تک چلی چلے
 (حضرت ذوق)

غزل ۸۵

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں

ہے گریباں تنگ پیراہن جو دامن میں نہیں

فرماتے ہیں۔ اس پھول کی عزت کچھ نہیں جو گلشن سے نکل گیا اور بازار میں جا کر کوڑیوں کے مول بک گیا۔ اسی طرح اگر گریبان دامن سے جدا ہو جائے تو وہ پیرہن کی زینت نہیں بنتا بلکہ اُس کی بے عزتی کا سبب بن جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہاں یہ ضمن بھی ہے کہ وہ جو ہر قابل ہستیاں جو دوسری قوموں کو اپنی قابلیت پر فخر دیتی ہیں اور ان کی قابلیت سے ملک و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کا برعکس بھی قابل مذمت ہے کہ قوم خود ہی اپنے قابل لوگوں کی قدر نہ کرے اور اور وہ بیور ہو جائیں وطن چھوڑ نہ پر۔
چمن لئے ہم نے بقدر ظرف کس گلشن میں پھول پکڑا کہ سارا گلشن اپنے دامن میں نہیں (شرح)

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں

رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں

فرماتے ہیں۔ اے گریہ تو نے میرے جسم میں کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ سب لہو آنسوؤں کے راستے بہا دیا۔ جو دو چار قطرے خون کے پنج سے تھے۔ اور ہمارے دامن میں گرے تھے وہ بھی رنگ بن کر اڑ گئے۔

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب

ذرے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

فرماتے ہیں۔ روزن دیوار یا میں جو خاک کے ذرے نظر آتے ہیں وہ دراصل اجزائے نگاہ آفتاب ہیں اور وہ شوق دیدار میں اکٹھے ہو رہے ہیں تاکہ محبوب کا دیدار کر سکیں۔

کیا کہوں تار کی زندانِ غم اندھیر ہے پنبہِ نورِ صبح سے کم جسکے روزن میں نہیں
 فرماتے ہیں زندانِ غم کے اندھیرے کا کیا کہوں چاروں اطراف میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے کچھ نظر
 نہیں آتا۔ یہ سمجھ لو کہ روزنِ دیوار میں جو روئی کی گولی بنا کر رکھ دی تھی وہ نورِ صبح یعنی صبح
 کی سفیدی کی طرح چمک رہی ہے۔

روشن ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے انجنِ شمع ہے گر برقِ غم میں نہیں
 فرماتے ہیں۔ دنیا میں ساری روشنی اور چہل پہل عشقِ محبت کی وجہ سے ہے کسی کو اپنا محبوب سے کسی
 کو اپنی اولاد سے کسی کو اپنے مال سے کسی کو حکومت سے بغض کسی نہ کسی رنگ میں ہر جگہ
 محبت ہی کار فرما ہے پس اگر غم میں برق نہیں یعنی دلوں میں محبت نہیں تو یہ سمجھ لو کہ
 انجنِ شمع نہیں اور ساری انجن بے نور ہے۔

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن

غیر سمجھا ہے کہ لذتِ خرم سوزن میں نہیں
 فرماتے ہیں۔ زخمِ سلوانے پر مجھے غیر طعن دیتے ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ ٹانگے دلوانے سے سوئی
 کے جو زخم ہوتے ہیں ان سے بھی ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے تیر یا تلوار کا زخم لگتے
 وقت لذت کا لفظ تکلیف کے معنی میں کس خوبی سے استعمال کیا ہے۔

بسکیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے جلوہ گل کے سوا اگر داپسہِ فن میں نہیں
 فرماتے ہیں۔ ہم ایک بہارِ ناز کے گشتہ حسن ہیں۔ فن میں بھی اُسی بہارِ ناز کا تصور پیش
 نظر رہتا ہے۔ (سوائے خدا تعالیٰ کے۔ ہر بہارِ ناز جو سکتے ہے)

قطرہ قطرواک ہیولی ہے نئے ناسور کا خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرتن میں نہیں فرماتے ہیں۔ میرے تن میں جس قدر خون ہے اس کا ایک ایک قطرہ ذوق درد سے ملبوس ہے۔ اور اسی ذوق میں لگن ہے چونکہ ہر قطرہ خون کی ماہیت اور مادہ ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وہ یہ اختیار کر لیں تو تکلیف اور درد کا باعث ہو گا۔ یعنی ذوق فنا اختیار کریں تو خون کے قطرے جہاں جہاں ہیں وہاں ناسور ہوں گے۔

لے گئی ساقی کی نخوت قلمِ آشامی مری سوجھنے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں فرماتے ہیں۔ میرے ساقی کو شراب پلانے پر بہت غرور تھا لیکن میری قلمِ آشامی نے اس کی نخوت کو یکسر مٹا دیا کیونکہ شراب کا ایک قطرہ بھی میں نے پینا میں نہ چھوڑا ساری شراب پی گیا میں تو شراب کا سمندر پیئے والا ہوں۔ مطلب یہ کہ میرا ظرفِ دل بہت بڑا ہے۔

ہو فسادِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود؟ قد کے جھکنے کی بھی گنجائش کے تن میں نہیں فرماتے ہیں۔ ضعف نے مجھے اس قدر نہوڑ لیا ہے کہ اب اظہارِ ناتوانی بھی نہیں کر سکتا۔ میں جھک بھی نہیں سکتا کیونکہ اس کے لئے بھی کچھ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو میرے تن میں باقی نہیں۔ یہ یوں تو ہیں لاکھوں میں دنیا میں ہر طرف بے دلربائی و کشتی اس کی کسی تن میں نہیں (شرح)

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر

بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں۔

فرماتے ہیں۔ اپنے آپ کو سوکھی گھاس اور وطن کو بھیڑی (گلخن) سے تشبیہ دی ہے جو بیوس گلخن میں نہیں جلتا اور باہر ہوتا ہے اس کی بھی کچھ قدر نہیں مطلب یہ ہے کہ جب وطن میں تھے تو وہاں بھی کوئی خاص شان نہیں تھی۔ اور اب پردیس میں بھی مشتِ خس کی طرح ناقدری کا شکار ہیں۔

غزل ۸۶

عہد سے سچ ناز کے باہر نہ آسکا گراں آدا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں
فرماتے ہیں میں اپنے محبوب کے ناز واداکے تعریف کا حق نہ کر سکا۔ اپنے فرض کو ادا نہ کر سکا۔ اور اس
کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ناز و انداز بے شمار ہیں اگر ایک ادا ہوتی تو شاید عہدہ مداحی سے
عہدہ بٹا ہو سکتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی صفات لاتعداد ہیں اس لئے اس کی شنا و صفت کا حق
ادا نہیں ہو سکا۔ نہ ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ خود اپنے کلام میں فرماتا ہے۔ ما قدر اللہ
حق قدر۔

حلقہ میں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل ہر تارِ زلف کو نگہ سرمہ سا کہوں
فرماتے ہیں تیری زلفوں کے گونگر آئیں پھاڑے ہوئے میرے دل کی گہات میں ہر وقت گے
ہوئے ہیں تاکہ مجھے اپنا قیدی بنالیں۔ لہذا مناسب ہے کہ میں تیری زلفوں کے ہر بال کو
نگہ سرمہ سا کہوں۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب ازلی کا حسن ہر شے میں دچا ہوا ہے جو ہر وقت انسان کو دعوتِ نظارہ
دے رہا ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ اؤ میری طرف اؤ مجھ سے تعلق قائم کرو۔ جن
کو تم میرا شریک بتاتے ہو ان میں ایسی صفات حسنہ و اعلیٰ کہاں ہیں۔

میں اور صد ہزار تو اے جگر خراش تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

فرماتے ہیں میرے رات دن لاکھوں، بلکہ خراشوں والے ہیں۔ اور تو ہے کہ سنی ان فی ایک کئے ہوئے ہے۔ میں کیا کروں۔ مطلب یہ ہے کہ میری حاجتیں لاکھوں ہیں جن کے لئے میں تیرے حضور ملتتی رہتا ہوں۔ مگر تیری شان بے نیازی ہے۔ جب مناسب سمجھے گا میری حاجت روائی کرے گا چونکہ تیری ذات اقدس القصد ہے۔

ظالم میرے گماں سے مجھے متعل نہ چاہ۔ ہے بے خدانہ کردہ تجھے بے وفا کہوں
فرماتے ہیں: ظالم میرے گماں سے مجھے شرمندہ نہ کر۔ خدانہ کرے کہ میں تجھے بے وفا کہوں۔
مطلب یہ ہے کہ اے میرے محبوب اذلی میں تو تجھے ہر اعلیٰ صفات سے متصف سمجھتا ہوں تو مجیب ہے، غفور رحیم ہے میری دعا قبول کر۔ ایسا نہ ہو (نعوذ باللہ) میں تیرے متعلق کوئی غلط عقیدہ قائم کروں۔

غزل ۸۷

مہرباں ہو کے بلاؤ مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر ابھی نہ سکوں
فرماتے ہیں۔ اے میرے محبوب تم مہربان ہو کر مجھے جب بھی چاہو جس وقت چاہو بلاؤ۔ میں گزرا ہوا وقت تو نہیں ہوں کہ پھر دوبارہ نہ آسکوں۔ مطلب یہ ہے کہ اے مولائے کریم تو میرے گناہوں کو غلطیوں کو مہاف کر دے۔ چونکہ تو رحیم و کریم ہے لیکن عرض صرف اتنی ہے کہ مہربان ہو کے مجھے بلا لے مجھے تیرے پاس آنے میں کوئی عذر نہیں ہے جس وقت اے رحیم و کریم تو مجھ پر مہربان ہو مجھے بلا لے۔ اس سے پہلے نہیں۔

ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
 فرماتے ہیں۔ دشمن ہر قسم کے طعن و تشنیع سے کام لیتا رہتا ہے میں ضعف کی حالت میں انہیں برداشت
 کر رہا ہوں کیونکہ ان کے طعن و تشنیع کوئی میرا سرتو نہیں جو میں اٹھا نہ سکوں مطلب یہ ہے
 کہ دشمن تو مجھے طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا محبوب تیرے لئے کچھ نہیں کرتا
 میں حالت ضعف میں سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستم گر در نہ کیا قسم ہے تھے طعن کی کہ کھا بھی نہ سکوں
 فرماتے ہیں جب کہتے ہیں کبھی فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو مطلب اس کا یہ ہے کہ میں ہرگز نہیں کروں
 گا لہذا عاشق محبوب سے طعن کی قسم نہیں کھا سکتا۔ اور موت ہے کہ آتی ہی نہیں مطلب یہ
 ہے کہ اے مرے محبوب میں تیری ملاقات کا انکاری نہیں بلکہ منتظر ہوں۔ مگر جب موت
 آئے گی تو چاہے گا تو ملاقات ہو جائے گی میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے

غزل ۸۸

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ پرستی ایک دن درہم چھٹیریں گے رکھ کر غزرتی ایک دن
 فرماتے ہیں۔ محبوب سے جو شراب کا رسیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی روز شراب نوشی کے دوران ہم سے
 یہ نکافت ہو جاؤ۔ مدد ہم خود ہی شراب کے نشہ کی مستی کے یہاں سے دست درازی کر بیٹھیں
 گے۔ مطلق میں بھی یہی مضمون ہے۔

عزت اوج بنائے عالم امکان نہ پوچھ اس بلندی کے نصیبوار ہیں پستی ایک دن فرماتے ہیں اس دنیا کی زیب و زینت اور ترقی پر نہ جائز کیونکہ ایک دن اس بلندی کو بھی پستی کی طرف مائل ہونا ہے۔ ہر کلمے راہِ ذوال۔ (معنی عزت اوج بنائے عالم امکان = دنیائے فانی کی بلندی و ترقی گھٹتہ و غور۔ عالم امکان۔ عالم فانی۔)

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائے گی ہماری ناقہ مستی ایک دن فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی قرض خواہ نے مرزا صاحب پر ناش کر دی بہ مقدمہ مفتی محمد الدین خاں صدرالعدور کی عدالت میں پیش ہوا۔ مرزا صاحب نے یہ شعر فی البدیہہ پڑھ دیا۔ معنی صاحب نے مطلوبہ رقم اپنے پاس سے ادا کر دی اور مرزا صاحب کو باعزت رخصت کر دیا۔

نغمہ مانے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانینے بے صدا ہو جائے گایہ سازِ ہستی ایک دن فرماتے ہیں۔ کہ اگر زندگی میں غموں کا سامنا کرنا پڑے اور آہ و زاری کی نوبت آجائے تو یہ بھی زندگی کا ایک نسخہ ہے۔ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ زندگی کا یہ ساز (آہ و زاری اور شکوہ و شکایت) سب پر موت وارد ہو جائے گی۔ نہ بانس ہو گا نہ ہانسری۔ کسی نے فارسی میں کیا اچھا شعر کہا ہے۔
زندگی در گرد و خم افتاد باید زیستن چہ شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن

دھول دھپٹا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دہی ایک دن فرماتے ہیں۔ اس سراپا ناز کا یہ شیوہ نہیں کہ یہ تکلف ہو کر لا تھا پائی پر اتر آئے۔ اس حرکت میں بھی پہل ہم نے ہی کی ہے۔

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گناہ نہیں اک چھپڑ ہے وگرنہ مرا و امتحاں نہیں
فرماتے ہیں وہ یعنی محبوب ہمارے متعلق یہ گمان نہیں کہ تا کہ ہم جفا کے ڈر سے وفا کو ترک کر دیں گے وہ
بدگمان نہیں ہے اور نہ ہی وفا کا امتحاں لینا مراد ہے یہ تو نازِ محبوبانہ کا ایک رنگ ہے ۔

کس مُنہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا پر جش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں
فرماتے ہیں : میں اُس کے اس خاص لطف و کرم کا شکر کس طرح ادا کروں ۔ یعنی میرا محبوب تو نگاہ
لطف و کرم سے میری پیشِ کرتا ہے مگر زبان سے اظہار نہیں کرتا ۔

ہم کو ستم عزیز ستم گر کو ہم عزیز نامہریاں نہیں ہے اگر مہریاں نہیں
فرماتے ہیں ۔ اگر ہمارا محبوب ستم کرنے کے لئے ہم کو عزیز رکھتا ہے تو یہ بھی اس کی مہربانی ہے ۔ کیونکہ ہم
اُس کے ستم کو ستم ہی نہیں سمجھتے اسکا تم کرنا مہربانی نہیں مہربانی ہوگی ۔

بوسہ نہیں نہ دیجئے دشتِ نام ہی سہی آخر زباں تو رکھتے ہجومِ گرد ہاں نہیں
فرماتے ہیں ۔ اگر بوسہ نہیں دیتے اور کہتے ہو کہ میرا دہن معاد ہم ہے میں بوسہ کیسے دوں تم بڑا بھلا ہی
کہو تا کہ ہم کچھ تو سنیں ۔ آخر تم بول تو سکتے ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ اے میرے محبوب میں تجھے
چھو نہیں سکتا تو تیری آواز تو سن سکتا ہوں ۔

کہتے ہیں ایک بُدگ تھے جوارِ دشتِ اندکرتے تھے ۔ ان کا ایک مرید ان کے پاس آکر قیام

پذیر ہوا۔ رات کو تہجد کے وقت مرید بھی اُن کے ساتھ نماز میں شامل ہوا۔ وہ بزرگ گریہ و زاری کرتے تھے اور اپنی کسی خواہش کا پورا ہونا رب العالین سے چاہتے تھے کہ انہیں بہت زور سے الہام ہو کہ ہم تیری یہ دُعا قبول نہیں کریں گے۔ دوسرے دن بھی یہی واقعہ رونما ہوا۔ مرید بھی دونوں دن سُنا رہا۔ آخر جب یہی واقعہ تیسرے دن بھی گزرا تو مرید سے نہ رہا گیا اس نے اپنے مرشد سے کہا کہ حضرت کیوں مُسر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں یہ دُعا قبول نہیں کروں گا مگر آپ ہر روز یہی دُعا مانگتے ہیں۔ اُس بزرگ نے جواب دیا کہ میں تو یہ دُعا تین سال سے کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر روز مجھے یہی جواب دیتا ہے مگر میں نہیں کھرتا لیکن تو تین دن میں گھبرا گیا۔ تو نے یہ زسوپا کر میں، اپنے محبوب کی آواز تو سُنتا ہوں وہ مجھ سے کلام تو کرتا ہے چاہے انکار ہی میں کیوں نہ ہو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اُسی رات اُس بزرگ کی دُعا مقبول ہو گئی۔

یہ شرط ہے کہ نہ رحمت سے اس کی ہوا کیوس

جواب پائے گا اک دن پکارنے والا

(سلیم شاہ جہانپوری)

قطرہ

ہر چند جاں گدازی تہر و عتاب ہے ہر چند لپشتِ گرمی تاب تو اس نہیں
فرماتے ہیں۔ باوجودیکہ تہر و عتاب سے میری جان گھٹی جا رہی ہے اور باوجود اس کے میری طاقت
نے جواب دے دیا۔ پھر بھی میں اپنے محبوب کا گلہ نہ سکھو نہیں کرتا۔

جانِ مطلب ترا نہ ہاں مَن فزید ہے لبِ پردہ رنجِ زمزمۃ الاماں نہیں

فرماتے ہیں۔ میری جان زار اس تہر و عتاب کے باوجود دل میں مزید کارزار کا رہی ہے اور اس حالت کے باوجود یہی کہہ رہی ہے کہ کملے جتنا تو چاہے ستم۔ میرا تیرا رضا میں راضی ہوں۔

ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں فرماتے ہیں۔ وہ سینہ کس کام کا جس سینہ میں دل سوزاں نہ ہو۔ اور وہ دل کیا ہے جس میں سے ہر نفس آتشیں شعلہ نہ نکلے۔ دل کے لئے ایسا ہوتا قابل شرم و ملامت ہے مطلب یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لئے بنایا ہے لہذا اس سینہ آتش عشق سے آتش کدہ بنا چاہیے۔

خنجر سے حیر سینہ، اگر دل نہ ہو دو نیم دل میں چھری چھو، مژہ کر تو بچکاں نہیں فرماتے ہیں۔ اگر دل دو ٹکڑے نہ ہو تو خنجر سے میرے سینہ کو چیر بھاڑ دو اور میرے دل کو عشق کی چھری سے زخمی کو دو تاکہ تیری مژگاں میرے خون سے رنگیں ہو جائے۔ عاشق کا یہی حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے خنجر حُسن سے میرے سینہ کو میرے دل کو حیرت ناک تیرا عشق تیری محبت میرے سینہ میں میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر جائے۔

نقصان نہیں جڑوں میں بلا سے ہو کہ خراب سو گز زمیں کے بدلے پاباں گراں نہیں فرماتے ہیں۔ جڑوں عشق نقصان دہ شے نہیں ہے کیونکہ جب کوئی محزون اپنا گھر چھوڑ کر جنگل کی راہ لیتا ہے تو اس کا مکان جو سو گز زمین پر بنا ہوا تھا دیران ہو جاتا ہے لیکن اُس کے بدلے میں اُس کو صحرا نوردی کھلے بے پایاں دستیں مل جاتی ہیں جو گھاتے کا سودا نہیں۔

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں "گویا جہیں پہ سجدہ بُت کا نشان نہیں فرماتے ہیں۔ یہ کیا سوال ہے کہ تیرا نوشتہ تقدیر کیا ہے۔ کیا سوال کرنے والوں کو میری پیشانی پر

بُت پرستی کا نشان نظر نہیں آتا۔

پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے سخن کی نہیں روح القدس اگرچہ مرا سہم زباں نہیں
 فرماتے ہیں۔ میرا کلام جو کہ تصوف، عشق الہی اور حقائق پر مشتمل ہے اُسے روح القدس کا پسندیدگی
 حاصل ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں مجھے داد دیتا رہتا ہے اور میری شاعری کو پسند کرتا ہے
 اگرچہ روح القدس میرا ہم زبان نہیں لیکن اس کو وہ تمام کلام نظر آتا ہے جو میرے ہم زبان احباب کو نظر نہیں آتا۔
 اں ہے بہائے بوسہ دلی کیوں کہے ابھی غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں
 فرماتے ہیں۔ یہ بات تو مستلم ہے کہ بوسہ کی قیمت جان ہے لیکن ابھی وہ اظہار نہیں کرتے جب
 زرا نیم جاں ہو جاؤں گاتب کہیں گے کہ جان دے دو اور بوسہ لے لو۔ مگر اس وقت غالب
 تیرے پاس جان نہیں ہوگی بلکہ تو نیم جاں ہو چکا ہوگا۔ اور آدمی جان سے بوسہ کی پوری
 قیمت ادا نہ ہو سکے گا۔

غزل ۹۰

مانعِ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے پادوں میں زنجیر نہیں

فرماتے ہیں کہ مجھے دشتِ نوردی کے عمل سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر میرے پاؤں میں زنجیر بھی
 ڈال دی جائے پھر بھی میں اپنے ننذاں میں چکر لگاتا رہوں گا۔

شوقِ اُس دشت میں ڈٹا ہے مجھ کو کہ جہاں جاوہ غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں
 فرماتے ہیں میرا شوق و ذوق ایسے دیرانے میں دھڑا رہا ہے۔ جہاں جاوہ نگاہ دیدہ تصویر کی طرح
 معدوم ہے۔ گویا وہاں کوئی راستہ نہیں ہے کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں ہے جو بھی

اس راستہ پر اپنا قدم رکھتا ہے حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے عرفانِ الہی کی منزلوں پر پہنچنا بہت دشوار اور کٹھن ہے۔ مگر انسان کو ہمت کرنی چاہیے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میرا شوق اتنا زبردست ہے کہ نہ صرف مجھے اس میدانِ عرفان میں چلنا سکھانا ہے، بلکہ میں تو وہاں دھڑلگاتا ہوں۔

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے جادہ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
معنی - جادہ کیا اور نامہوار راستہ، تشبیہ دمِ شمشیر سے دی ہے۔
فرماتے ہیں - راہِ عشق کے آزار و مصائب کی لذتیں ایسی ہیں کہ اُن سے جی کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ہر دم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی حسرت رہتی ہے مگر چونکہ راہِ وفا کی راہیں تلوار کی دھاریں اس لئے ہر قدم پر ایک مرتبہ سامنے کھڑی ہوتی نظر آتی ہے۔

رنجِ نو میدی جاوید گوارا رہیو خوش ہوں گر نالہ زبونی کشتِ تاثیر نہیں
فرماتے ہیں - خدا کرے کہ میں ہمیشہ کی ناامیدی کا رنج کبھی ناگوار نہ ہو۔ کیونکہ اس طرح ہم اپنے نالہ کی تاثیر کے مرہونِ منت نہ ہوں گے جو ہمیں کسی طرح منظور نہیں۔ (معنی زبونی کشتِ تاثیر تاثیر کی احسان مندی)

سر کھجاتا ہے جاں زخمِ سراچھا ہو جائے لذتِ سنگ با اندازہ تقریر نہیں
فرماتے ہیں - جب زخمِ سراچھا ہونے لگتا تو سر میں کھلبلی شروع ہونے لگتی ہے۔ سر پر پتھر کھانے کے مزے کو بیان کرنا مشکل ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر زخم جب اچھا یعنی مندمل ہونے لگتا ہے تو ضرور کھلبلی ہونے لگتی ہے اور اس کو ضرور اچھا سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے طعنِ تشنیع کے پتھروں کے زخم اچھے ہوتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ یہ طعنہ زنی کرنے والے لوگ کہاں گئے کیوں طعنہ زنی نہیں کرتے۔ کیونکہ طعن تشنیع

کے زخم پتھروں کے زخموں سے بھی گہرے اور لذت آفریں ہوتے ہیں۔

جب کہ مریضتِ بیا کی وگستاخی دے کوئی تقصیر بجز خجالتِ تقصیر نہیں فرماتے ہیں۔ جب دوست اپنی عنایت سے گستاخی و بیا کی کی اجازت دے دے تو پھر اس وقت گناہ نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رازِ ثواب تو مرتب ہوتا ہے فرمانبرداری پر اور یوں بھی ہر رعایت سے فائدہ اٹھانا عقلمندی ہے۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو مقتدرِ میر نہیں۔
مصرعہ ثانی ناسخ کا۔ ہاں اس پر مصرعہ لگانا ناسخ کے عقیدہ کی تصدیق کرنا ہے۔
ایک اور جگہ بھی میر کی اولیت و برتری کو تسلیم کیا ہے۔
رینتہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

غزل ۹۱

متِ مردِ مکِ دیدہ میں سمجھو نہ لگا ہیں ہیں جمعِ سویدائے دلِ چشم میں آہیں
فرماتے ہیں۔ آنکھ کی پتلی کو نہ لگائیں نہ خیال کرو بلکہ آنکھ کے دل میں میری آہیں جمع ہو گئیں ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ میری آنکھ کی پتلی میں جو کالادار دہے وہ نہ لگائیں نہیں ہیں بلکہ آنکھ کے بیچ میں میری آہیں اور آہوں کا دھواں اکٹھا ہو گیا ہے۔

چشمِ خورِ بستے سے کل رات ہر چہ ٹپکا : ہم نے سمجھا تھا کہ اے میریہ آزر گیا (حضرت میر)

غزل ۹۲

بُزگالِ دیدہ عاشق ہے دیکھا چاہینے کُھل گئی مانندِ گلِ سوجائے دیوارِ چمن
فرماتے ہیں۔ دیدہ عاشق کی برسات کا منظر دیکھنے کے قابل ہے جس کی شہت سے دیوارِ چمن مانند
گل کی سینکڑوں جگہ سے کھل جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ دیدہ عاشق اشکِ خونی بہا کر غنچہ و گل کی بہار
دیکھ رہے ہیں۔

الفِتِ گُل سے غلط ہے دعویٰ و اِرتگی سر ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چمن
فرماتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ ہم الفِتِ گُل یعنی عشق و محبت کے پھندوں سے سراسر آزاد ہیں۔
باطل ہے کیونکہ ہر انسان کسی نہ کسی شے سے قیمت ضرور رکھتا ہے، زن و فرزند یا مال و
دولت یا ملک و ملت۔ اور اسکی مثال سرورِ آزاد سے دیتے ہیں جو قد میں بہت ہی لمبا ہوتا
ہے اور آزاد کہلاتا ہے مگر وہ بھی کمپن کا حقہ اور اسپر چمپ ہے۔

غزل ۹۳

عشقِ تاثیر سے تو مید نہ ہیں جاں سپاری شجرِ بید نہ ہیں
فرماتے ہیں۔ عشقِ تاثیر سے ناامید نہیں ہوتا کیونکہ عشق میں سرور و ٹک بازی اور جان قربان کرنا
پڑتی ہے۔ جان بازی بید کا درخت نہیں کہ جس پر کوئی پھول ہی نہیں آتا (بید بانس کا درخت)

سلطنت دست بدست آئی ہے جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں
 فرماتے ہیں۔ سلطنت ہمیشہ ایک خاندان سے دوسرے خاندان یا ایک قبیلہ
 سے دوسرے قبیلہ کو منتقل ہوتی رہتی ہے یعنی دھلتی چھاؤں ہے اور مثال یہ پیش کرتے
 ہیں کہ جامِ مے جمشید کی انگڑھی نہیں ہے جو اس کی ملکیت تھی اور دوسروں تک منتقل نہیں ہوتی۔

ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں
 فرماتے ہیں۔ اس شعر میں کھول کر بتاتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تیری تجلی یا نمودِ حسن سے تیری سہتی کا پتہ چلتا
 ہے جس طرح ذرے کا چمک سے خورشید کی شعاعوں کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی کائنات کا
 ذرہ ذرہ تیرے وجود کا پتہ دے رہا ہے۔

رازِ معشوق نہ رُسوا ہو جائے ورنہ مُر جانے میں کچھ بھید نہیں
 فرماتے ہیں۔ میں جان دینے میں کچھ غد نہ نہیں لیکن ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے اور محبوب کے تعلقات
 کی کسی کو کان دکان بھی خبر ہو۔ اور مرنا ایسی چیز ہے کہ سب جان لیں گے اور پوچھیں گے
 کیسے مرا کیا تکلیف تھی اور رازِ فاش ہو جائے گا۔

گردشِ رنگِ طربِ ڈر ہے غمِ محرومیِ جاوید نہیں
 معنی۔ رنگِ طرب۔ آسائش کا رنگ
 فرماتے ہیں۔ حالتِ آسائش کے چلے چلے کا خوف لاحق ہے محض غمِ محرومیِ جاوید ہوتی تو
 کوئی غم اور خوف نہ ہوتا۔ زمانہ اقبال مندی کے بعد افلاس بہت تکلیف دہ ہوتا ہے
 شروع سے غریب اور مفلس ہونے میں کوئی غم نہیں۔

کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پہ لوگ ہم کو جینے کی بھی اُمید نہیں۔
 فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں اُمید پہ دُنیا قائم ہے اور اُمید اس سب زندگی ہے۔ اور اگر کوئی اُمید نہ رہے تو
 آدمی کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے کتنی سہل زبان میں کیا فلسفیانہ شعر کہا ہے یہ پس مرزا صاحب
 کا ہی کمال ہے۔

غزل ۹۴

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیرِ بااں ارم دیکھتے ہیں
 نعتیہ شعر ہے ایسا مضمون صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہے
 فرماتے ہیں۔ تیرے نقش قدم پر چل کر ہم جنت حاصل کر سکتے ہیں اور ہر طرف جنت کے نظاروں
 کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ نقوشِ محبت جہاں دیکھتے ہیں پاپس پردہ اُن کو عیاں دیکھتے ہیں (شارح)

ترے سر و قامت کے ایک قد آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
 یہی پہلے شعر کی طرح نعتیہ شعر ہو سکتا ہے یا حمد باری میں ہو۔
 فرماتے ہیں کہ قیامت کا فتنہ اپنی جگہ پر لیکن اسے محبوب تیرے سر و قد کے آگے وہ بھی کم
 ہے۔ کیونکہ وہ عاشق کے لئے ایک قد آدم سے کم فتنہ ہے۔

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ اے وہ جو کہ ہر دم آنند کے۔ اے منے بیٹھا بناؤ سنگھار میں مصروف رہتا ہے۔ تو یہ بھی تو
 دیکھ کہ تیرے عاشق کس کس تمنا کے ساتھ تیرے کو دیکھتے ہیں اور یہ جان لے کہ میں بھی تیرے عاشق
 میں سے ایک ہوں۔ لہذا میرے دل پر تیرے جی جلتی ہوئی چلی ہے۔

دلِ اشتیغاکاں خالِ کینجِ دہن کے سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ وہ لوگ جو دہن بے نشان پر عاشق ہوئے ہیں وہ اپنے سویدائے دل میں سیرِ عدم
 کر رہے ہیں۔ (معنی خالِ کینجِ دہن، دہن کے کنارے کا تیل)
 مطلب یہ ہے کہ وہ عشاق جو محبوب بے نشان پر عاشق ہوئے ہیں وہ اپنے دل کے داغ
 عشق کے سویدا میں زمین و آسمان کی سیر کرتے ہیں (سیرِ عدم)

سراغِ قلبِ نالہ لے داغِ دل سے کہ شبِ رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ جس طرح رات کے آنے جانے والوں کا حال صبح کو اُن کے نقشِ قدم سے معلوم
 ہو جاتا ہے اسی طرح سے جو رات کو نالہ کشی کرتے ہیں اُن کا سراغِ داغِ دل سے مل جاتا ہے۔
 شبِ رو کو نالہ سے اور داغِ دل کو نقشِ قدم سے تشبیہ دی ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ میں بیک مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو فقیروں کا بھیس بدل کر اہلِ کرم کی
 نوازشوں کا امتحان لیتے ہیں۔ ہم نہیں واسطہ عشق سے اُن کو تا صبر
 جو اس میں بھی سود و زیاں دیکھتے ہیں

غزل ۹۵

ملتی ہے خنڈے یار سے نارِ التہاب میں کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحتِ غائب میں
 فرماتے ہیں۔ خنڈے یا سہ آگ کی گرمی بہت ملتی جلتی اور مشابہت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے
 غائبِ نار میں میرے لئے راحت ہے۔ ایسا ایک شعر میرے ذہن میں قوم میرٹھی کا ہے۔
 رکھ کے منہ سو گیا اُن آتشیں بخاروں پر
 چینِ تعادل کو، تو پسند آگئی انگاروں پر

کب ہوں کیا تاؤں جہانِ خراب میں شب ہلے سحر کو بھی رکھوں گردِ ماب میں
 فرماتے ہیں ۔ یہ بتانا بہت مشکل امر ہے کہ میں اس جہانِ خراب میں کب سے ہوں ۔ میری عمر کتنی
 ہے چونکہ سحر کی راتیں تو اس قدر لمبی اور کٹھن تھیں کہ ان کو ایک ایک ہزار سال سے تعبیر
 کیا جاسکتا ہے ۔ اگر ان سب کو شمار میں لاؤں تو بہت لمبا عرصہ گزر گیا ۔ مطلب یہ ہے کہ مصیبت
 کے وقت بڑی شکل سے گزرتے اور آرام کے دنوں کے جانے میں دیر ہی نہیں لگتی ۔۔۔
 ایامِ مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے۔

دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں

راحت کے لمحے جہانِ خراب میں قدرت نے لاکھ ڈال دیا کس عذاب میں (شرح)

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں
 فرماتے ہیں ۔ ہم حالتِ انتظار میں بے چین و مضطرب انتظار کر رہے تھے کہ نیند کا جھوٹکا آیا اور ہم سو
 گئے ۔ وہ خواب میں آئے اور اپنے وعدہ پر آنے کو کہہ گئے کہ تم منتظر رہو ہم ضرور آئیں گے ۔
 اور یہ وعدہ انہوں نے اس لئے کیا کہ ہم جاگتے ہی رہیں اور زندگی ان کے انتظار میں ہی
 تمام ہو جائے ۔

قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ رکھوں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں جواب میں
 فرماتے ہیں ۔ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے خط کے جواب میں کچھ نہ لکھیں گے اور قاصد خالی ہاتھ
 واپس آجائے گا اس لیے مناسب ہے کہ قاصد کے واپس آنے تک ایک خط اور لکھ رکھوں
 بقول خود ۔

وہ اپنی خونہ بدلیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
 سبک سربن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

مجھ تک کب اُس کو ابرم میں آتا تھا دورِ جام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 فرماتے ہیں: "مجھ تک کب آتا تھا۔" یعنی نہیں آتا تھا۔ آج جو خلافِ معمول میرے پاس جام پہنچ
 گیا ہے تو کیا بات ہے۔ ساقی نے کوئی تیز شراب میں تو نہیں ملا دی۔ پہلے تو محرومی نہ ملنے
 کی وجہ سے تھی اور اب بھی محرومی شک اور شبہات کی وجہ سے ہے۔ جو الفاظ صاف کئے
 گئے ہیں اس سے شعر کی لطافت و مہربانی میں نہیں آسکتی۔
 ہے نفع کم تو اس کے ہیں نفع ان بے شمار : لذت کے ساتھ ملتی ہے شامل شراب میں (شارح)
 جو منکرِ دفا ہو۔ فریب اس پر کیا چلے کیوں بدگماں ہوں دوست کے دشمن کی گنج باب میں
 فرماتے ہیں: میرا دوست منکرِ دفا ہے اس پر میرے دشمن کا فریب نہیں چلے گا لہذا مجھے اپنے
 دوست پر بدگمانی دشمن کے معاملہ میں نہیں کرنی چاہیے۔

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ قیاس والا ہے تم کو دم نکسے سچ و تاب میں

فرماتے ہیں: میں مضطرب وصل میں اس وجہ سے ہوں کہ کہیں تمہارا دوسرا ملنے والا نہ آجائے مگر تم
 کس دم میں مبتلا ہو گئے۔ میرا کوئی دوسرا عشق نہیں ہے نہ میں اُس سے چھپ کر یہاں آیا
 ہوں۔ کوئی نہیں اُسے کا کیونکہ میرا اور کوئی عشق ہے ہی نہیں۔

چکو کبھی تو ضبط و تحمل کا بھی مزہ : رہتے ہو بات بات پہ کیوں تیغ و تاب میں (شارح)
 میں اور خطِ وصل خدا ساز بات ہے جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 معنی: خطِ وصل جس میں وصل کا وعدہ تحریر ہو۔

فرماتے ہیں: میں کہاں اور وصل کا وعدہ کہاں۔ میری قسمت کہ مجھے عشق و وصل کا خط لکھے۔ یہ
 بات تو خدا کے خاص فضل سے ہی ممکن ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ خط پڑھتے ہی اپنی جان نذر کر
 دیتا مگر افسوس کہ جو شِ خوشی میں مجھے یاد ہی نہ آیا۔

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
 فرماتے ہیں۔ معشوق را غصیلہ ہے کہ نقاب کے اندر بھی تیوری چڑھی ہوئی ہے جس کو نقاب کے
 اوپر دیکھا جاسکتا ہے چونکہ اک شکن صاف نظر آ رہی ہے۔

یہ سبزہ دار لالہ دغل، یہ نجوم دماہ، چھپتے کہاں ہیں شمس کے جلوے نقاب میں (شارح)

لاکھوں لگاؤ ایک چہرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 معنی لگاؤ، لگاؤٹ

فرماتے ہیں۔ دوست اک صدمہ لگاؤ میں ایک طرف اور ایک نگاہ کا چہرنا ایک طرف اور اس کے
 لاکھوں بناؤ سنگھار ایک طرف اور اس کا عتاب (غصہ) ایک طرف، یعنی بناؤ سنگھار سے
 زیادہ خوبصورت محبوب کا عتاب ہے اور اس کی محبت اور لگاؤٹ سے زیادہ ہر تہمین نگاہ
 کا چہرنا ہے، شعر کی ساخت، الفاظ کی سادگی اور ایک گہرے مضمون نے شعر کی قدر و منزلت
 کو ہزاروں گنا بالا کر دیا ہے۔

وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں
 فرماتے ہیں۔ بڑے تعجب کا مقام ہے وہ نالہ معشوق کے دل میں ایک پھانس کے برابر بھی اثر
 نہیں کرتا جس نالہ سے آفتاب میں بھی شکاف پڑ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا محبوب بڑا
 ہی سنگ دل ہے وہ نہ میرے نالہ سے تو بابِ رحمت بھی کھل جاتا ہے۔

گمشت ہے اس پہ بابِ اجابت، خدا گواہ، چہتہ کہے دُعا جو کبھی اضطراب میں (شارح)

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں
 فرماتے ہیں۔ تعجب ہے کہ وہ جادو مدعا طلبی میں کام نہیں دیتا جس جادو سے سراب میں کشتی
 چل جاتی ہے۔

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی پتیا ہوں روزِ ابر و شبِ مہتاب میں
 گو کہ شراب چھوڑ دی ہے مگر کبھی کبھار ابرو باران کے دلق اور چاندنی مالتوں میں پی لیتا ہوں۔
 کہا جاتا ہے کہ ان دفتوں میں لطافتِ بادہ نوشی زیادہ ہوتا ہے۔
 ناصر کو بھی طے سے عرفان کا ایک جام : حاضرِ مولا ہے کب سے وہ تیری جناب میں

غزل ۹۶

کل کے لئے کہ آج نہ خستِ شراب میں یہ سُوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں
 معنی۔ کل۔ فردائے قیامت، خست۔ کمی، کنبوسی، ساقی کوثر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 فرماتے ہیں۔ قیامت کے روز کے یہاں آج شراب دینے میں کمی نہ کر کیونکہ یہ ساقی کوثر کے بارے
 میں بظنی کے مترادف ہے۔ اے خدا باندا عرفانِ خوب دے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
 فرماتے ہیں۔ کہ مجربِ حقیقی کو ہماری خاطر ایسی عزت تھی کہ ہمارے معاملات میں فرشتوں کی دخل اندازی
 بھی گستاخی خیال کی گئی۔ اور یا اب یہ حالت ہے کہ ہم ہر جگہ اور ہر ملک میں کمزور ہیں۔

دنیا کے معاملات میں ہمارا کوئی دخل ہی نہیں جو ہماری ذلت پر دلیل ہے۔ اور اگر کیوں نہ
 کا خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے تو پھر اس سے یہی سوال ہے کہ کل تک تو تیری نظروں میں ہماری
 یہ قدر و قیمت تھی کہ فرشتوں کو تو نے جواز دیا اور دخل اندازی سے روک دیا۔ اور اگر
 کیوں نہ کا خطاب ہم سے ہے تو پھر ہمارے غور و فکر کی بات ہے۔ اس شعر میں غالب نے
 شکوہ اور جوابِ شکوہ کو ایک ہی شعر میں بیان کر دیا ہے۔

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماعِ گروہ صد اسمائی ہے چنگِ درباب میں
 معنی۔ سماع یعنی موسیقی میں نعت، صد یا شتوی موسیقی کی وساطت سے سُنا
 فرماتے ہیں۔ موسیقی کے ساتھ گانا سُنتے وقت جسم سے جان کیوں نکلنے لگتی ہے۔ صد یا کا قول ہے
 کہ چنگ درباب میں شاید حق کی صدا بھری ہوئی ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ صدا قوت بخش اور
 جان بخشی کی صدا ہوتی چاہیے تھی نہ کہ جان نکلنے والی۔

نَد میں ہے رخسِ عمر کہاں دیکھتے تھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
 معنی۔ رخس۔ گھوڑا، کود۔ سرپٹ دوڑنا
 فرماتے ہیں۔ کیا بے اختیار سرپٹ دوڑنے والے گھوڑے پر خالق کائنات نے ہم کو سوار کیا ہے
 نہ تو اس گھوڑے کی دھام ہمارے ہاتھوں میں ہے اور نہ ہی پر رکاب میں ہیں۔ نہایت
 خوف و ہراس کی حالت میں رخسِ عمر پر سوار چلے جلتے ہیں اور یہ جہاں رکاوٹیں اُسی مقام
 پر ہماری موت ہے۔ عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دی ہے جو سرپٹ دوڑتا پھلا جاتا ہے۔

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت کے بعد ہے جتنا کہ ہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
 معنی۔ غیر۔ ماسوائے اللہ کے

فرماتے ہیں۔ جس قدر دہم غیر سے میں پیچ و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجودِ واجب الوجود سے بُعد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے معدوم ہے اور وہی ہے جو کچھ بھی ہے اس کی حیثیت دہم سے زیادہ نہیں تو پھر میرا پناہ وجود بھی کوئی شے نہیں ہے جو صوفیا و صمدت الوجود کے قائل ہیں اُن کا یہ عقیدہ ہے لیکن میں اس شرکاء مطلب جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں جس قدر توحید کو عزیز رکھتا ہوں اور اُن تمام شرکیوں سے بیزار ہوں جو لوگوں نے خدا کے ساتھ ٹھہرائے ہیں اور اتنا ہی میرا اپنا نفس ہے جبکہ میں اپنے وجود کو شاہد حقیقی کے مقابل مقدم کر لیتا ہوں اور شرکِ خفی میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں معنی۔ شہود۔ موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آنے کو شہود کہتے ہیں۔ شاہد۔ دیکھنے والا، مشہود۔ جس کو دیکھا جائے۔

جیسا کہ میں نے پہلے شعر کی شرح میں لکھا ہے اس شعر سے میرے خیال میری شرح کی تائید ہوتی ہے کہ مرزا غالب و صمدت الوجود کے اُن معنوں میں قائل نہیں جیسا کہ فرقہ صوفیا کے لوگ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس شعر میں صاف تردید کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر مشہود، شاہد و مشہود ایک ہی وجود کے مختلف نام ہیں تو پھر مشاہدہ کو ہم کس کھلتے میں ڈالیں گے۔ یہاں صاف وحدت الوجود کے عقیدے کی تردید ہے۔ شہود کائنات ہے شاہد ہم دیکھنے والے ہیں اور مشہود ذاتِ خداوندی ہے۔ ہاں چونکہ سب کچھ اُسی سے ظہور میں آیا ہے۔ ان معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے سب کچھ اُسی سے ظہور میں آیا اور سب کچھ ایک دل فنا ہو جائے گا۔

بے مثل نمودِ صورت پر وجودِ کبریا
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں
جس مند میں لہریں پیدا نہ ہوں اور حباب سر نہ اٹھائیں وہ مند کہلانے کا مستحق نہیں
رہتا۔ اسی طرح اگر انسان میں محبتِ الہی کی لہریں نہ اٹھیں اور عشقِ محبوب کے بلبے پیدا
نہ ہوں تو وہ انسان، انسان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔

شرم اک ادائے نانو ہے اپنے ہی سے ہی
ہیں کتنے بے حجاب کہیں یوں حجاب میں
معنی شرم۔ ادائے معشوقانہ، کسی بے حجابی کے بعد وقوع میں آتی ہے۔ اگر حجاب ہے تو یہ
ادلے معشوقانہ وقوع میں نہیں آئے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن کا اظہار کردہ دل طریق
سے کائنات میں کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ معشوقِ حقیقی نے جو حجاب کیا ہے اس میں سے تو بے حجابیاں نظر آرہی ہیں
یعنی جلوہ حسن یا جس کا مطلب ہے وہ کس قدر بے حجاب ہیں جو یوں ہیں حجاب میں۔
فرماتے ہیں کہ اگر محبوب تنہائی میں اپنے متناسب اور خوبصورت جسم کو دیکھ پاتا ہے تو اس کو خود سے
شرم آنے لگتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یا جو بے حجابی کے شرم کے پردے میں
اور بھی بے حجاب ہو جاتا ہے۔

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
بیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
فرماتے ہیں کہ حسینانِ جہاں کو اپنے آرائشِ جمال کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔ اگر وہ سفر میں
میں ہوں تو آئینہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ یعنی یہی حالت معشوقِ حقیقی کی ہے وہ بھی نئی نئی دنیا
بنا کر آرائشِ جمال میں مصروف ہے۔

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگیں خواب میں

فرماتے ہیں۔ جو کچھ انسان نے دیکھ لیا ہے جان لیا ہے اتنا ابھی تک چھپا ہوا ہے لہذا غیب،
غیب ہی ہے۔ ہم غلطی سے شہود کہہ رہے ہیں۔ جو یہ سمجھ گئے کہ ہم جاگ گئے ہیں ہم نے
بہت کچھ سیکھ لیا ہے وہ بھی ابھی تک خواب میں ہی ہیں اور کچھ نہیں جانتے۔

غالب ندیم دوست کے آتی ہے بُرے دوست مشغولِ حق ہوں، بندگیِ بوترا ب میں
فرماتے ہیں۔ غالب ندیم دوست سے دوست کی بُو آیا کرتی ہے اس لئے میں حضرت علیؑ کی
فرانبرداری اور محبت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت خیال کرتا ہوں۔
کھٹا ہے اس پہ بابِ ایابت، خدا کا وہ بندہ کہ جسے دعا جو کبھی اضطراب میں (شارح)

غزل ۹۷

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیوں جگر کو میں مقدور ہو تو سنا تھ رکھوں فوج کو نہیں
فرماتے ہیں۔ دل کے جانے اور جگر کے رہ جانے کا ماتم (دونوں کا) میں ایک کس طرح کروں۔ مگر
مقدور ہو تو میں ایک فوج گر ملازم رکھتا۔ میں ہائے دل کہتا تو وہ ہائے جگر کہتا۔ میرے لئے
دو ہیں اور ماتم کرنے والا صرف میں ہوں اس میں دو مرنے والوں کی تو بین ہے کہ رونے
والا صرف ایک ہو۔

چھوڑا نہ رشک نے کہ تیرے گھر کا نام لوں ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ گھر کو میں
فرماتے ہیں۔ مجھے رشک نے اس قابل نہ چھوڑا کہ تیرے گھر کا نام لوں۔ پتہ معلوم نہ ہونے کی
وجہ سے، محنت گہرا ہٹ ہوتی ہے اور بغیر نام لئے تیرا گھر ملنا دشوار ہے، اور یہ بھی اور ہے
کہ اگر میں نے تیرا نام لے کر کسی سے پوچھا جو تیرا چاہنے والا ہوا تو یہ میرے لئے باعثِ رشک

ہوگا۔ جو مجھے پسند نہیں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار اے کاش جاننا نہ تیری رہ گزر کوئیں
فرماتے ہیں۔ تیرا رشتہ رقیب کے گھر سے آگے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لئے رقیب کے در سے ہزار بار
گزرنا پڑا۔ اور یہ بات میری طبیعت پر بے حد گراں گزرتی ہے۔ کاش میں تیرے گھر کے راستے
کو نہ جاننا تو رقیب کو سیاہ کے دروازے سے ہو کر گزرنا نہ پڑتا۔

ہے کیا؟ جو کس کے باندھے میری بلا ڈرے کیا جاننا نہیں ہوں تمہاری کمر کوئیں
فرماتے ہیں۔ تم نے جو میرے ارادہ قتل کے لئے اپنی کمر لیا ہے۔ میری بلا بھی اس سے نہیں ڈرتی۔
کیونکہ اس میں تلوار یا خنجر کا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ تمہاری کمر تو معدوم ہے کس
کو کس چیز سے باندھو گے۔

لواؤ وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے یہ جاننا اگر تو لٹا تا نہ گھر کوئیں
فرماتے ہیں۔ لواؤ شنو جن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھر بار لٹا دیا اب وہی کہہ رہے ہیں
کہ تو تو بے ننگ و نام ہے ہمارا ملنا تجھ سے ہماری بے عزتی ہے۔ کاش یہ بات مجھے پہلے
سے معلوم ہوتی تو میں اپنے گھر بار کو نہ لٹاتا اور نہیں اس طعن کا موقع نہ ملتا۔

چلتا ہوں تنھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئیں
فرماتے ہیں۔ محبوب حقیقی کی طلب میں ہر ایک تیز رو (صاحبِ جوش و خروش) کے پیچھے لگ
جاتا ہوں کہ شاید یہ مجھے منزل مقصود تک پہنچا دے لیکن کچھ وقت عزیز ضائع ہونے کے بعد پتہ
چلتا ہے کہ یہ تو کسی اور منزل کا راہی ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہوں پھر دوسرے اور پھر تیسرے کے

پاس جاتا ہوں اور اسی طرح دھکے کھا رہا ہوں اور کوئی حقیقی راہبر اتنے نہیں آتا۔ کیونکہ اس دور کے نام نہاد دعویٰ داران رہبری سب ہی اس مرقار دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار کیا پوچھا ہوں اُس بُت بے داد گر کوئیں فرماتے ہیں۔ میرے دل میں جو محبوب سے ملنے کی خواہش شدت پکڑ گئی ہے تو نادان لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ میں اپنے محبوب کی پرستش کرنے لگا ہوں۔ لیکن ایسا سمجھنا تو اُن کی حماقت کی دلیل ہے میرا محبوب تو ایک انسان ہے میں اُس کو خدائی کا درجہ کیسے دے سکتا ہوں۔

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوٹے یار جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کوئیں فرماتے ہیں۔ میں عشق کی بے خودی میں راہ کوٹے یار کو بھول گیا۔ اگر نہ بھولتا تو یقیناً مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں اس کی نظر میں کیا رتبہ و مقام رکھتا ہوں۔ اپنا مذہب اور اپنا حال بھی اُس سے بیان کر سکتا ہوں یا نہیں۔

لپٹے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کوئیں فرماتے ہیں کہ میں لپٹے شاعری کے ہنر کو اتنا دل پذیر سمجھ کر قیاس کرنے لگا ہوں کہ دنیا والے بھی اس کو پسند کریں گے۔

غائب خدا کہے کہ سوارِ سمتِ بد تاز دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کوئیں معنی۔ سمندرِ ناز وہ گھوڑا جو ناز و داد کے ساتھ چلتا ہو۔

فرماتے ہیں۔ خدا کہے کہ میں علی بہادرِ عالی گہر کو سمتِ منداور سواری کرتے دیکھوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہادر شاہ ظفر کے خاندان سے تعلق رکھنے والی کوئی شخصیت ہے۔ واللہ اعلم۔

غزل ۹۸

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں
 فرماتے ہیں ۔ میرے محبوب کو مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اُس کے سامنے کوئی
 میلام بھی لے لیکن غیر یہ سمجھتا ہے کہ میری بڑائی کو اس کی نظروں میں بہتر مقام حاصل کر
 لے گا ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ اس سے بھی ناراض ہو جائے گا اور اس کے تعلقات
 بھی بگڑ جائیں گے ۔ اٹھ کے آجائیں گے مجلس سے جہاں نور نہیں نہ ذکر اُن کا نہ جو جس جا ہیں منظور نہیں (شارح)

وعدہ سیرِ گشتاں ہے خوشا طالع شوق مرثوۂ قتلِ مقدربے جو مذکور نہیں
 فرماتے ہیں ۔ محبوب نے چمن کی سیر کا میرے ساتھ وعدہ کیا ہے میرے شوق کے بھی نصیب قابلِ شک
 ہیں ۔ گمراہ میں سمجھ گیا کہ اس نے میرے قتل کا ارادہ کیا ہے اور وہ یہ کہ وہ وہاں جا کر میرے
 سامنے لالہ و گل کی تعریف و توصیف کر کے اُن کا تماشا دیکھے گا لیکن میرے ساتھ بے اعتنائی
 بستے گا ۔ اور میں گل و لالہ چمن کو اپنا رقیب جان کر رشک کی وجہ سے مر جاؤں گا ۔

شاہدِ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے ”پر ہمیں منظور نہیں
 فرماتے ہیں ۔ ہمیں یہ بات کسی حالت میں بھی منظور نہیں کہ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم ہستی ہے یا اسی
 طرح کا تعلق ہے جیسا کہ مثنوی کے ساتھ کہ ہے ”ہمیں اور نہیں بھی مطلب یہ ہے کہ عالم کی
 ہستی وہم نہیں بلکہ شاہدِ ازل کی تخلیق ہے اور یہ محبوب کی کمر عدم ہوتے ہوئے بھی عالمِ اشکاف
 ہے ۔ بقول حضرت سہیم شاہ بابوری ۔

آئینہ وار جلوہ فطرت ہے کائنات
کتنی حسین نقاب ہے رُخ پر پڑی ہوئی

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہم کو تقلید تنگ ظرفی منظور نہیں
فرماتے ہیں۔ ہم بھی وہی قطرہ ہیں جو دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے یعنی ذاتی الذاات ہو جائے گا۔
مرتبہ ہم کو بھی حاصل ہے لیکن ہیں حضرت منصور کی کم حوصلگی کی تقلید منظور نہیں کہ انا الحق کا
دعویٰ کر بیٹھیں اس شعر میں حضرت منصور کے دعوے کی تصدیق مگر ان کے عمل یعنی دعویٰ
کرنے کو اوچھا پن بھیچھوڑا پن قرار دیا ہے۔ یکتائی کو کم ظرفی قرار دیا ہے۔

حسرتِ بلاے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی عشقِ پُر عریبہ کی گول تنِ رنجور نہیں
مسنی۔ عریبہ۔ لڑائی جھگڑا، فتنہ، ہنگامہ
فرماتے ہیں۔ اے ذوقِ خرابی تیرا استیساں ہو کہ تیری وجہ سے ہنگامہ عشق و محبت کہ ہم میں
تاب و توالی باقی نہیں رہی۔

میں جو کہتا ہوں کہ عمل میں قیامت میں نہیں کس رعزت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
فرماتے ہیں۔ میں نے جب اُس (محبوب) سے کہا کہ تم یہاں تو ہمارے ہاتھ آتے نہیں۔ ہم قیامت
کے دن خدا سے تم کو مانگ کر لے میں گے۔ یہ سن کر اس شوخ نے غرور کے ساتھ جواب دیا
کہ کیسے ہیں لے لو گے ہم حور نہیں ہیں کہ وہاں تہا دی ملکیت میں آجائیں گے۔ محبوب کی حاضر
جوابی نے خوب لطف دیا کیا ہے۔

ظلمِ ظالم! اگر لطفِ دلِخ آتا ہے تو لغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

معنی۔ دریغ آنا۔ افسوس، رنج آنا۔

فرماتے ہیں۔ اگر لطف و کرم کرنے سے تجھے رنج یا افسوس ہوتا ہے تو یہیں اس قابل نہیں سمجھتا تو پھر میں تاکید بھی کرتا ہوں، ظلم کر ظلم، تغافل تو اس وقت مناسب تھا کہ تو ظلم نہ کر سکتا۔ ہم تجھے کسی حالت میں ایسا معذور نہیں سمجھتے لہذا تغافل چھوڑ لطف کی جگہ ظلم ہی کر۔

صاف دُردی کش پیمانہٴ حجم ہیں ہم لوگ والے! وہ یادہ کہ افشردہ انگور نہیں
فرماتے ہیں۔ ہم وہ شراب پینے والے ہیں جو اعلیٰ قسم کی ہو۔ خالص انگور سے چوڑی گئی ہو کیونکہ ہم
پیمانہٴ حجم کی لچھٹ پینے والے ہیں۔ ایسی دلی شراب کو منہ سے نہیں نکالتے۔

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غائب میرے دعوے پر یہ حجت کہ مشہور نہیں
خفائی اور ظہوری فارسی زبان کے دو بڑے شاعر شاید مرزا صاحب کی نظر میں خفائی بہتر ہے
فرماتے ہیں۔ میں ظہوری کے مقابل پر خفائی ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں ظہوری کی طرح
مشہور نہیں ہوں۔

غزل ۹۹

نالہ جز جن طلب ہے ستم ایجاد نہیں ہے تقاضائے جفا، شکوہ بیداد نہیں
فرماتے ہیں۔ میرا نالہ جن طلب کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہے اور نہ میرے نالے کو شکوہ بیداد سے کوئی تعلق
ہے میرے نالے تو تجھ سے تقاضائے جفا کے کرنے کے لئے ہیں۔ چونکہ تم یوں تو کچھ کرتے نہیں ہم سے
تغافل برتتے ہو۔ اس لئے ہمارے نالوں سے ناراض ہو کر ضرور ستم کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔

منج و غم میں بھی تو دل مائل فرماؤ نہیں فضل ہی فضل ہے اُس کا کوئی بیداد نہیں
خارج

عشق و مزدوری عشرت گزشتہ کی خوب! ہم کو تسلیم نہو نامی فریاد نہیں
 فرماتے ہیں۔ اگر فریاد نے خسرو کے محل کی زینت کے لئے پہاڑ کاٹ کر نہر نکالنے کو شیریں کے حصول
 کے لئے مزدوری بھاتا تو وہ عشق کی نیک نامی پر داغ لگانے کا سبب بنا۔

کم نہیں وہ بھی غرابی میں یہ وسعت معلوم دشت میں ہے مجھے وہ پیش کہ گھریا د نہیں
 فرماتے ہیں۔ دیران ہونے میں میرا گھر بھی صحرا سے کچھ کم نہ تھا۔ مگر اس میں وہ وسعت کہاں تھی
 جو دشت میں حاصل ہے۔ لہذا اس پیش اور آرام میں اب مجھے اپنا گھریا د نہیں آتا
 بے قراری میں بھلا بیٹھا ہوں مقصد اپنا بے دلی میں ہے جو جس دماغ پر دایا د نہیں
 (شائع)

اہل پیش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں
 فرماتے ہیں۔ حوادث کے طوفان اہل نظر کے لئے مکتب کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ حادثہ،
 ہر استاد ان کو کچھ سکھا کر جاتا ہے۔ اور وہ کام کر جاتا ہے جو استاد کا تھپڑ کرتا ہے۔
 (معنی۔ لطمہ موج۔ لہر کا تھپڑ۔ حادثہ۔ طوفان
 علم اور علم میں ناصر جو نہ رکھتا تھا نظیر: ایسا آدمی تھا کہ جس کا کوئی استاد نہیں

وئے مظلومی تسلیم! ویدا حالِ وفا! جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں
 فرماتے ہیں۔ تسلیم و وفا کی عادت کے سبب سے ہم نالہ و فریاد بھی نہیں کرتے اور ہمارا محبوب
 ہماری اس کمزوری کی وجہ ہماری خاموشی اور ہمارے ضبط کی داد بھی نہیں دیتا۔ ہمیں اپنی اس
 تسلیم و وفا کی عادت پر سوائے افسوس کے اور کوئی پارہ نہیں۔

رنگِ تمکینِ گلِ دلالہ پریشاں کیوں ہے گر چراغانِ سرِ رہ گزرِ بادِ نہیر

فرماتے ہیں۔ اگر محلِ دلالت چراناں رہزرباد نہیں ہیں تو رنگِ تمکین گلِ دلالت اتنی جلد کیوں اڑ جاتا ہے
مطلب یہ ہے کہ جیسے چراغِ تیز ہوا سے بجھ جاتے اور ان کو کچھ دیر نہیں لگتی۔ اسی طرح گلِ دلالت
ایک دو دن سے زیادہ اپنی رنگت نہیں دکھاتے۔ ہر چیز بے ثبات ہے کسی کو قیام نہیں۔
خالقِ حقیقی کے سوا ہر شے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

سیدِ گل کے تلے بند کمرے ہے گلچیں مرثدہ اے مرغِ اکہ گلزار میں صیاد نہیں
معنی۔ سیدِ گل۔ پھولوں کی نوکری
فرماتے ہیں۔ گلچیں نے پھولوں کی نوکری کے نیچے بند کیا ہے۔ اے مرغِ گرفتار تجھ کو مبارک ہو کہ
اب گلزار میں صیاد نہیں ہے۔

نفسی سے کرتی ہے اثبات طراوش گویا دی ہے جائے دہن اُس کو دمِ ایجاد نہیں
معنی۔ طراوش۔ ظاہر
فرماتے ہیں۔ دہن کو شعرِ معدوم کہتے ہیں اور محبوب کو درِ زائل میں دہن کے بدلے نہیں کاغذ
طلب ہے۔ اس وجہ سے محبوب ہر بات کا جواب نہیں میں دیتا ہے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ دہن موجود
ہے اور اس طرح نفسی سے اثبات پیدا ہو گیا۔

کم نہیں جلوہ گری میں تیرے کوچہ سے بہشت ہے ہی نقشہ ولے اس قدر آباد نہیں
فرماتے ہیں۔ جلوہ گری میں تیرے کوچہ سے بہشت ہرگز کم نہیں ہے البتہ وہ ابھی اتنی آباد نہیں
جب ہم تم وہاں ہوں گے تو وہ بھی اسی قدر آباد نظر آئے گی۔

کوئے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب تم کو بے مہرئی یارانِ وطن یاد نہیں

فرماتے ہیں۔ غالب کس منہ سے تم پردیس کی شکایت کرتے ہو کیا یارانِ وطن کی بے ہمہری بھول گئے ہو
 مطلب یہ ہے کہ اگر غربت میں تمہیں کوئی پرچھنے والا نہیں تو پھر بھی تمہیں یہ حق نہیں
 پہنچتا کہ تم پردیس یا اہل پردیس سے محاذِ مشکرہ کرو کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی اچھا
 سلوک نہیں کیا۔ نفل ہے اُس کا کدی شکر کی توفیق مجھے نہ شادِ ہر حال میں ہوں میں کبھی ناشاد نہیں
 (شائع)

غزل ۱۰۰

دونوں جہان دے کے دیکھو یہ خوش رہا یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
 اس شعر میں اپنی فراخ دل اور اُس کے ساتھ شرافتِ نفس کا اظہار کیا ہے۔ یعنی میں جو دونوں
 جہان نے کر چُپ ہو گیا اس کا یہ سبب نہیں تھا کہ میں اس پر تانع ہو گیا تھا بلکہ مجھ کو مانگنے
 اور تکرار کرنے کی عادت نہیں۔ یہی شرم آپڑی جو ناموش ہو گیا در زمینِ تراس سے اُسی کو مانگتا
 کچھ اور مانگتا سرے مشرب میں کفر ہے : لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں (حضرت امیر غلامی)

تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے تیرا پتا نہ پائیں تر ناچار کیا کریں
 معنی مقام یعنی مکان و زمان اور مقامِ ذہن کے ساتھ۔ رتبہ، مرتبہ۔ یہاں مقامِ منازلِ سلوک
 و معرفت مراد ہے۔

فرماتے ہیں۔ تھک تھک کے ہر مقام پر کچھ لوگ بیٹھ گئے۔ کیونکہ ان کا حوصلہ طلبِ اسی قدر تھا۔
 تیرا پتا تو کہیں ملتا ہی نہیں اسی لئے تجھ کو بے نشان اور لامکاں کہا جاتا ہے وہ جو ناچار رہ
 گئے وہ کیا کرتے۔
 پتا اُس کا نہ تھا کوئی چلے تھے ڈھونڈنے جس کو نہ خوش قسمت بلا خود ہی وہ بے نشان اپنا (شائع)

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم؟ ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں؟

فرماتے ہیں۔ اہل بزم شمع کے ہمدرد ہیں اس کا بھلا چاہتے ہیں۔ مگر جب شمع خود ہی جلنا اور فنا ہونا چاہے تو اہل بزم اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ غم عشق ہی اگر جان کو گھلا دینے والا ہو تو ہمارے غم خوار ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ۵
 اُن کے دم سے ہے بزم جہاں روشن ۛ نہ ہو گر شمع پروانہ کہاں ہوگا
 (شرح)

غزل ۱۰۱

ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کارگر عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں
 فرماتے ہیں۔ غیر کی شیریں زبانی کام آگئی اور وہ اپنا عشق جانے میں کامیاب ہو گیا۔ ایسی حالت
 میں وہ ہم بے زبانوں پر وہ کیونکر گمان کرے کہ ہم ہی اُس کے سچے عاشق ہیں۔
 اس کو موقع تو ملا عشق میں جل جانے کا ۛ ہم سے بہتر تو مقدر ہمارا بدلنے کا
 (شرح)

غزل ۱۰۲

قیامت ہے کہ کُسن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
 تعجب سے وہ بولا "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں"
 فرماتے ہیں۔ جب یہ میرے محبوب نے لیلیٰ کا اپنے محبوب کا پریش دال کے لئے دشت میں آنا
 تو وہ تعجب سے بولا کہ کیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبوب اپنی شرم و حیا اور لوگوں کی
 انگشت نمائی کو خاطر میں نہ لاکر عاشق کی مزاج پرسی کے لئے صحرا میں نکل آئے۔

دلِ نازک پہ اُس کے دم آتا ہے مجھے غالبؔ نہ کہ سرگرم اُس کا فکرِ الفت ازلے میں
 فرماتے ہیں۔ میرا محبوب نازک دل رکھتا ہے۔ اسے غالبؔ تو مجھے امتحانِ الفت کے لئے تیار نہ کر۔
 مجھے خوف ہے کہ میرے جان قربان کر دینے سے اُسے بعد میں صد مہم ہوگا اور وہ دکھ
 اٹھائے گا۔ (مرزا صاحب نے کیسی عمدہ راہِ فرار نکالی ہے)

غزل ۱۰۳

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا بارے اپنی بیکسی کی پانی ہم نے دادیاں
 فرماتے ہیں۔ وہ بھی کسی پر عاشق ہو کے تنہائی پسند ہو گئے۔ ہم نے اپنی بے کس اور بے بسی کی
 اور تنہائی کی داد دُنیا میں ہی پالی۔ ہمارا صبر اُن پر پڑ گیا۔ جو حالت اُن کے ہجریں ہماری تھی
 اب وہ بھی اُسی سے دوچار ہیں۔

ہیں زوالِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام مہر گردِ دل ہے چراغِ رگزارِ بادیوں
 فرماتے ہیں۔ تمام اجزائے کائنات آمادہ فنا اور زوال پذیر ہیں حتیٰ کہ آفتاب جن کی بہت سی تہیں،
 پرستش کرتی رہیں اور کرتی ہیں یہ بھی اپنی منازل طے کر کے فنا ہو جائے گا۔ رگزارِ باد کہہ کر
 اس کی کمزوری اور بے ثباتی کا اظہار کیا ہے۔

کیا اعتبارِ ہستیِ ناپائیدار کا یہ دوسرے دوشِ بول کے سوار کا
 (مشارح)

غزل ۱۰۴

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
فرماتے ہیں ۔ ہجر میں بے قراری اور اضطرابی حالت ہونے کے سبب ہمیں قاصد کا بے مہینی لئے انتظار
ہے کہ شاید محبوب کی طرف سے حسبِ خواہش کوئی پیغام لے آئے یا صبا ہی اُس کی بونے پر
لے آئے ۔ دروازہ کو اس لئے دیکھتے ہیں کہ قاصد دروازہ سے آئے گا اور صبا دیوار کے اوپر
سے آئے گی ۔

وہ اُنیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
فرماتے ہیں ۔ اُن کا ہمارے گھر میں آ جانا تعجب اور حیرت کا مقام ہے کبھی حیرت سے اُن کو کبھی
اپنے گھر کو دیکھتے ہیں ۔ حیرت کی انتہا نہیں ۔ کیونکہ عاشق کے لئے محبوب کا اس طرح آ جانا
قسمت کا جاگ جانا ہے ۔

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
۔ زخمِ جگر کی گہرائی اور کاری زخم کا گنا اُس سے بہتر بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ پھر ایسے
محبوب کے لئے مدد و جگر خیر خواہی کا اظہار کیا ہے کہ یہ لوگ میرے زخمِ جگر کو تعویذ لگا ہوں
سے کہوں دیکھ رہے ہیں ۔ خطرہ ہے کہ کہیں محبوب کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جائے ۔

تم سے جاہرِ طرفِ کلاہ کو کیا دیکھیں ہم اُدجِ طالعِ لعل و گوہر کو دیکھتے ہیں

فرماتے ہیں۔ ہم اُن جاہرات کو کیا دیکھیں جو تیری کلاہ میں جڑے گئے ہیں ہم تو لعل و گہر کی نصیب
 کی باندی کو دیکھتے ہیں کہ پتھروں اور پانی کے قطروں کو یہ مرتبہ مل گیا کہ وہ تیری ٹوپی میں
 ٹانگے جائیں۔ بقول اُس ستار سلیم شاہ جہانپوری سہ
 سہ تیری تابش رخ سے نقاب کی زینت
 ترے جمال کو زینت نقاب کیا دے گا

غزل ۱۰۵

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں شُب زراق سے روزِ جزا زیاد نہیں
 فرماتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مجھے قیامت کے آنے میں شک دُک بہ ہو میں تو صرف یہ کہتا ہوں
 کہ شُب زراق کی مصیبتوں سے روزِ جزا کی تکلیفیں زیادہ نہ ہوں گی۔
 ہو گئی قیامتِ اعمال سے دُنیا برباد : بھولے ہیں حق کو ہم ایسے کہ زیادہ نہیں (شارح)
 کوئی کہے کہ شُب میں کیا برائی ہے بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
 فرماتے ہیں۔ میکش کے لئے دو وقت میکشی کے لئے بہت مزدوں ہیں۔ وہ شراب اُن اوقات میں
 پینا چاہتا ہے جب اُبر چھایا ہوا ہو اور سرد ہوائیں چل رہی ہوں یا پھر چاندنی راتیں کہتے ہیں
 اگر آج کا دن اُبر آلود نہیں اور اس میں ہوائیں نہیں چل رہی تو نہ ہی ہم چاندنی رات کا انتظار
 کریں گے کوئی نہیں بتائے کہ اس میں کیا کمی ہے۔

جو آؤں سامنے اُن کے تو مرجا نہ کہیں جو جاؤں واں کے کہیں کو تو خیر باد نہیں
 مرزا غالب اس شعر میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا محبوب بہت بے اتفاقی سے کام لیتا ہے جب

اُن کے سامنے آتا ہوں تو خیر مقدم نہیں کرتے اور رخصت کے وقت خدا حافظ نہیں کہتے۔

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں“ فرماتے ہیں۔ اگر کبھی ان کو بزم میں میرا خیال آ بھی جاتا ہے تو اس کا اظہار اس رنگ میں کرتے ہیں کہ آج غالب بزم میں نہیں اس لئے بزم میں سکون کی کیفیت ہے اگر وہ بھوتے تو بات بات پر دُلبختے جس کے نتیجہ میں بزم میں بل پل مچ جاتی

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب گدائے کوچہ میحتانہ نامراد نہیں فرماتے ہیں۔ عید کے دن بچے جولن بوڑھے سب ہی جا کر نماز عید پڑھتے ہیں اور پیر مغال سے شراب محبت مانگتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ میخانہ میں عید کے دن کوئی قید نہیں ہے دوسرے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی شراب محبت ملتی ہے۔ اس سے کم یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ غراب و ساکین کو دوسرے دنوں خیرات و زکوٰۃ سے منع کرنا چاہیئے۔ یہی عید کے دن انھیں کچھ دے دیا بس

اُسے مشکل میں ہے کس نے پکارا
کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا

جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام دیلے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں فرماتے ہیں۔ دنیا میں غم اور شادی ساتھ ساتھ ہیں یہی قاعدہ کلیہ نظر آتا ہے مگر ہم کیا کریں ہمیں تو شاد ہونے والا خدا نے دل ہی نہیں دیا۔

تم اُنکے فتنے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب یہ کیا ہے کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

غزل ۱۰۶

تیرے تو کسن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
فرماتے ہیں۔ ہم تیرے تیز رفتار گھوڑے کو صبا کے تشبیہ دے کر اپنے مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
یعنی کلام کو مقبول بنانا چاہتے ہیں۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
فرماتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہماری آہ بے اثر ہے اور ہمیں اس کا یقین ہے لیکن ہم تو آہ دیکھا
اس لئے کہتے ہیں کہ تم پر ہماری کیفیتِ دل عیاں ہو جائے اور شاید تم بھی اثر لینے پر مجبور ہو جاؤ۔

تیری سرعت کے مقابل اے عمر برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
فرماتے ہیں۔ عمر اتنی برق رفتاری سے گزر جاتی ہے کہ اس کے مقابل میں یہ کتنا صحیح ہو گا کہ بجلی کے پیروں
میں ہندی لگی ہے اور وہ چلنے سے معذور ہے۔

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
فرماتے ہیں۔ دنیا کی ہر قید سے رہائی ممکن ہے اور مل جاتی ہے لیکن قیدِ ہستی جتنی ہی پڑتی ہے
قطرہ اشک کو یادِ وجود بے سرو پا ہونے کے باندھتے ہیں اور وہ بندھ جاتا ہے اور انسان بھی
بے سرو پا بندھا رہتا ہے اور مرتبہ فنا جو اصل آزادی ہے حاصل نہیں ہوتا۔

نشہ رنگ سے ہے واشدِ گل مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ نشہ رنگ کے باعث پھول کھلتے ہیں۔ اسی طرح مستوں پر جب نشہ رنگ چڑھ
 جاتا ہے تو وہ بھی اپنے بندِ قبا نہیں باندھتے۔ بلکہ کھلے رکھتے ہیں۔

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
 (غلطی کا جمع اردو میں غلطیوں ہونی چاہیے تھی یا پھر فارسی ترکیب تھی تو غلط ہائے ہو سکتا تھا۔
 غلطی ہندی ترکیب ہے۔ یہ نکتہ میں نے اپنے بزرگ حضرت قبلہ حافظ صاحب سے سنا
 تھا۔ میرزا صاحب کی غلطی مبدل کہاں پکڑ سکتا ہوں میں نہ ایسی قابلیت رکھتا ہوں اور نہ
 اس کا اہل ہوں)

فرماتے ہیں۔ لوگ یعنی شعراء کرام نالہ کو رسا باندھتے ہیں یعنی اس کی رسائی کے قائل ہیں اور
 یہ مضامین کی غلطی ہے۔ نالے کو رسائی حاصل نہیں ہوتی اگر ہوتی تو اس کو باندھا کب جا
 سکتا تھا۔

اہلِ تدبیر کی دامانگیاں آبلوں پر بھی جنا باندھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ کیا عقلمندی ہے کہ آبلہ پا ہوتے ہوئے ہندی لگاتے ہیں ایک تو آبلہ پا ہونے کے سبب
 پہلے ہی پلنے سے معذور ہیں اس پر خالص علاج لگاتے ہیں مگر اس کے مقابلہ میں اہل جنوں
 آبلہ پا ہوتے ہوئے دشتِ پُر خار طے کرتے رہتے ہیں اور تکالیف سے گھبرا کر رُک نہیں جاتے۔

سادہ پُرکار ہیں ثوباں غالب ہم سے پیماں وفا باندھتے ہیں
 فرماتے ہیں۔ حسین لوگ بظاہر بھولے بھالے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں بہت ہوشیار اور چالاک

ہیں یہ ہیں دھوکہ دیتے ہیں۔ کیا ہم اُن کے فریب میں آجائیں گے اور اُن کے پیمانہ وفا پر یقین کر لیں گے۔ (ہم پر خوب زور دیا ہے)

غزل ۱۰۷

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں
فرماتے ہیں۔ ہم اپنی جان کی قسم کھا کر یہ اظہار کر رہے ہیں کہ ہمارے لئے زمانے کی نعمتیاں ہماری
توقع سے بہت ہی کم ہیں۔ ہم تو اس سے بہت زیادہ کی توقع رکھتے تھے۔

غزل ۱۰۸

دائیم پڑا ہوا ترے دُر پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
فرماتے ہیں۔ کہیں ہمیشہ تیرے سنگِ درکِ طرح تیرے در پر پڑا نہیں رہ سکتا۔ بھلا میں بلے ایسی
زندگی کہ تیرے در کا سنگِ در ہی بنا ہوں۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جاؤں دل انسان میں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
فرماتے ہیں۔ شبِ دروِز کی مسلسل گردش سے میرا دل گھبرا رہا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلسل
تکالیف سے دل گھبرانے جاوے۔ پیالہ و ساغر تو بے جان چیزیں اگر گردش میں رہتے ہیں تو
انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر مجھے تو عقل، جذبات اور حسِ طبیعت عطا ہوئی ہے۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے؟ لوح جہاں پر حرف مکر نہیں ہوں میں
 فرماتے ہیں۔ اے میرے رب زمانہ مجھے کیوں مٹاتا ہے میں جہاں کی تختی پر وہ لفظ نہیں ہوں جو
 غلطی سے دو دفعہ لکھا گیا ہو جس کو مٹانا لازمی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے رب تو ہی
 میری حفاظت و نصرت کرنے والا ہے پھر میرے ساتھ زمانہ کی یہ بدسلوکیاں کیوں ہیں۔

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
 فرماتے ہیں۔ سزا کی ایک حد لازمی ہونی چاہیے کہ اس عرصہ میں ہی تکلیف ملے مسلسل عذاب کا
 سلسلہ جاری نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میرے گناہ غایباں ایک محدود وقت میں مجھ سے
 سرزد ہوئی ہوں گی وہ لامحدود وقت میں تو نہیں تھیں پھر محدود کی سزا لامحدود نہیں ہونی
 چاہیے۔ یہ تیرے الصاف سے بعید ہے۔ ہاں اگر میں سرے سے ہی کافر ہوتا تو اور بات تھی۔
 کہ اس کے لیے عذاب دوزخ ہمیشہ رہے میں تو تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔

قطعہ لعتیہ

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے لعل و زرد و زرد و گوہر نہیں ہوں میں
 یہ شعر اشعار لعتیہ میں سے ہے مرزا غالب ہار گاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کرتے
 ہیں کہ حضور کس واسطے مجھے عزیز نہیں رکھتے میں لعل ہوں نہ زرد ہوں اور نہ گوہر ہوں یعنی
 مال دنیا میں سے نہیں ہوں۔ جن کو آپ عزیز نہیں رکھتے تھے۔

یاد آفا میں جو ناقص نے کس ہیں امتیں : دوست سُن سُن کے انہیں مل ملتی کہتے ہیں
 حکم ہے رب کا جو ہم مل ملتی کہتے ہیں : ٹھیک کہتے ہیں اگر عکس خدا کہتے ہیں (مشاعر)

رکتے ہو تم قدم مری آنکھوں کیوں دریغ بُتے میں مہر و ناہ سے کمتر نہیں ہوں میں
فرماتے ہیں ۔ آپ میری آنکھوں پہ قدم کیوں نہیں رکھتے ہیں ۔ رتبہ میں میں آفتاب و مہتاب سے کم تو نہیں
ہوں ۔ شبِ معراج میں آپ نے آفتاب و مہتاب کو قدم بوسی کا موقع عنایت فرمایا تھا ۔ میں
انسان پھر آپ پر ایمان لانے والا انسان ہوں جس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے ۔

کہتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
فتاب کا یہ شعر بھی اہمیت شمر ہے جس میں حضور کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے ۔ غالب عرض
کرتے ہیں کہ شبِ معراج میں حضور نے آفتاب و مہتاب کو قدم بوسی کا شرف عطا فرمایا تھا پھر میں جو اشرف
المخلوقات کا درجہ رکھتا ہوں اور رتبہ میں آفتاب و مہتاب سے بالاتر ہوں ۔ کیوں قدم بوسی کی
سعادت سے محروم رکھا گیا ہوں ۔

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
آخر میں یہ نیا پہلو نکالا اور نعت میں بادشاہ کو دُعا اور شکر ادا کیا ہے مہرِ ثانی بہت
لفظ والا ۔ اور خاص کر ” وہ دن گئے ۔ “

غزل ۱۰۹

سب کہاں ؟ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو نہاں ہو گئیں

قرباتے ہیں بڑے بڑے حسین ، بڑے بڑے حکماں ، بڑے بڑے علوم جاننے والے ، عالم ، بڑے بڑے

اللہ والے کہتے تھے جو خاک کا رزق بن گئے۔ اب بے حسن و جمال میں سے کچھ خاک گل و لالہ کی شکل میں واپس دے دی ہے مگر جو کچھ دے رہی وہ بہت ہی قلیل ہے۔
قدتیں خالق کی ہر شے میں نمایاں ہونگی : رنگ صواب کے چکیں، ابد بادل ہونگی، (شرح)
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آریاں لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہونگیں
فرماتے ہیں۔ یاد تھیں مطلب ہے کہ ہم بھی تم لوگوں کی طرح سے رنگ برنگ مجلس لگاتے تھے عیش و عشرت میں اپنا وقت ضائع کرتے تھے۔ لیکن وہ شان و شوکت جاتی رہی، شباب کا زمانہ بھی گزر گیا اب صرف حسرت و افسوس باقی ہے۔ ہمارا حال اب عبرت ناک ہے۔ گزشتہ محبتیں تعلقات نقش و نگار طاق نسیاں ہونگیں۔ یعنی یاد بھی نہیں آتیں۔

تھیں نبات النعش گردوں دن کو پردہ میں نہاں

شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہونگیں

فرماتے ہیں۔ آسمان کے سات ستارے جن کو اہل عرب نبات النعش کہا کرتے تھے ان میں چار ستارے جوازہ کے متماثل ہیں اور زمین اس جوازے کو اٹھانے والے ہیں اور ہندوستان کے لوگ سات ہیلیوں کا جھمکا کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دن کو وہ چھپی رہتی تھیں۔ رات کو آسمان پر چمک اٹھتی ہیں۔ ان کے جی میں یہ بات کیوں آتی ہے؟ مطلب شعر کا یہ ہے کہ اقبال ہندی کے زمانے میں تو میں بڑے کام نہیں کرتیں جب ان پر دن کی جگہ رات آجاتی ہے یعنی ترقی اور اقبال ہندی کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر لیتی ہیں۔

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر لیکن اکھیں روزانہ دیوار زنداں ہونگیں

فرماتے ہیں۔ گو بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر گیری ان کی اسیری کے زمانے میں نہ کر سکے مگر ان کی آنکھیں حضرت یوسف کو نور البصیرت سے دیکھتی رہیں اور

ان کی نگرانی کرتی رہیں۔

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زناںِ مصر سے

ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

فرماتے ہیں۔ زمانے کا رواج اور لوگوں کا مزاج اس پہچ پر واقع ہوا ہے کہ انسان رقابت پسند نہیں کرتا بلکہ رقیبوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مگر حالات مختلف ہونے پر اس کلیہ میں استثنائی صورت بھی نکل آتی ہے جب کہ زلیخا اپنے اُن رقیبِ نماہیلیوں سے خوش ہوئی جو کنعان کے چاند یعنی ہنتر یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مخونظارہ ہو گئیں اور اُن پر محویت کا یہ عالم طاری ہوا کہ چہرہ لوں سے پھل کٹھنے کے بجائے اپنا انگلیاں زخمی کر بیٹھیں یہ قصہ قرآنِ کریم نے صریح اور احسن طور پر بیان فرمایا ہے۔ عشقِ وادی میں ہم نے جب رکھا ہے تمہارا بیتا عقل و وفا ساری دیراں ہو گئیں (شاعر)

جو نے نول آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق

میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

فرماتے ہیں۔ میری آنکھوں سے خون کا دریا بہنے دو اور مجھے رونے سے منع نہ کرو کہ یہ شبِ تارِ فراق کی شب ہے کچھ رونوں گا تو اسراغذ میرے میں یہ میری دو آنکھیں روشن شمعوں کا کام دیں گی۔

اِن پری زادوں سے لیں کے خلد میں ہم انتقام

قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

فرماتے ہیں۔ اور حنینوں کو خبردار کرتے ہیں کہ یہاں تو تم ہم کو ستاتی ہو، رلاتی ہو۔ ہماری دنیاوی زندگی کو روگ لگا رکھا ہے۔ ہم یہاں تو تم سے بدایہ نہیں لے سکتے لیکن یاد رکھو کہ جنت میں اگر تمہیں ہی ہمارے لئے حوریں بنا دیا گیا اور تم ہماری ملکیت میں آگئیں تو ہم بھی وہاں جی بھر کے

بدلے لیں گے اور ساری عمر کی کسر نکال دیں گے۔

میں اُس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں

تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
فرماتے ہیں۔ کہ اے میرے محبوب جس کو تیرا وصل نصیب ہوا جس کے بازوؤں پر ہنگام وصل تیری
زلفیں بکھر گئیں تو اُس عاشق کے نصیب کا کیا کہنا۔ کیونکہ اُس کی میند اُس کا دماغ اور اُس کی
راتیں قابلِ رشک ہیں جو ہر کس و نامک کو حاصل نہیں عاشق صادق ہی کے نصیب میں ہیں۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا

بلبلیں سُسن کر مرے نامے غزل خول ہو گئیں
فرماتے ہیں۔ میرے باغ میں جلتے ہی بلبلوں نے بھی غزل خوانی شروع کر دی جس طرح کتب میں تار
کھٹکتے ہی بچے سبق یاد کرنے لگ جاتے ہیں۔ مشاہدہ کرتا ہے کہ جب کوئی خوش آواز و خوش محو کا
رہا ہو تو دوسروں کو بھی تحریک ہو جاتی ہے اور وہ بھی انہیں دُھنوں میں گُٹھانے لگتے ہیں۔

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار

جو مری کوتاہی قسمت سے مڑگاں ہو گئیں
فرماتے ہیں۔ نگاہوں کا مڑگاں ہونا یہ ہے کہ بوجہ شرم و حیا اوپر نہیں اُٹھتیں۔ آنکھیں مڑگاں بن کر
رہ گئی ہیں۔ ہر وقت نیچے ہی جھکی رہتی ہیں۔ یہ میری کوتاہی قسمت ہی تو ہے کہ میں محبوب کی
آنکھوں سے جامِ محبت نہیں پی سکتا۔ مگر دوسری طرف وہی آنکھیں مجھے نیم نگاہی سے اپنا والا
دکھایا بنا رہی ہیں۔

انقلابِ دہر سے عقلیں بھی حیراں ہو گئیں، بستیوں کو اس طرح اُجڑیں یہاں بولیں
(سشار علی)

بس کہ روکائیں نے اور سینے میں اکبر کی پے پے

میری آہیں بخیہ چاکِ گریباں ہو گئیں

فرماتے ہیں ۔ میں نے اپنی آہوں کو بہت روکا بہت ضبط سے کام لیا وہ میرے سینہ میں بار بار جوش
مگر نکلنا چاہتی تھیں ۔ اسی وجہ سے وہ آہیں چاکِ گریباں کا بخیہ بن گئیں اور باوجود گریباں
چاک ہونے کے رازِ عشق فاش نہ ہوا اور یہ عشق کا پردہ تھا ۔

واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب ؟

یاد تھیں جتنی دُعائیں صرف درباں ہو گئیں

فرماتے ہیں ۔ دربان کی مذمتِ سماج میں جتنی دُعائیں یاد تھیں دربان کو دے دیں ۔ اب کو ذرا نئی
دُعایا دہیں آتی ۔ اب اندر محبوب کے پاس جاؤں اور وہ بھی بُرا بھلا کہنے لگے اور گالیاں دے
تو اُسے دعا کہیں سے دوں گا وہ سب تو دربان کو دے چکا اور محبوب کے لئے اُن ہی
دعاؤں کا دہرانا محبوب کی کسرِ شان ہے ۔ قابلِ توجہ بات ہے کہ گالیوں کے جواب میں
دُعائیں دینا معمول گردانا ہے ۔

جاں فرما ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا

سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

معنی ۔ جاں فزا ۔ رلوت نمیش ، زندگی نمیش ۔ بادہ ۔ شرابِ محبت ، رگِ جاں ۔

فرماتے ہیں ۔ شرابِ جان فزا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں جام آجاتا ہے اس کے ہاتھ
کی سب لکیریں رگِ جان بن جاتی ہیں جس سے سارے جسم میں جان پڑ جاتی ہے ۔

مطلب اصل میں یہ ہے جو کہ ساری غزل کا سٹائل بتا رہا ہے کہ مشوقِ ازلی کی شرابِ محبت
کا جام جس کو مل جاتا ہے اُس کی قسمت جاگ جاتی ہے اُس کے ہاتھ کی سب لکیریں اس کی

غزل ۱۱۰

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ عجیب دیوانگی ہے کہ جس نے ہمارے گریبان میں ایک تار بھی باقی نہیں رہنے دیا مگر دوپار
بھی تار جنوں کے ہاتھوں پہنچے تو ہم زنا بنا کر ہی کندھے پہ ڈال لیتے اور اہل جہاں میں اس
قدیم جنوں نہ سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کی انتہا یہ ہے کہ کچھ ہوش ہی نہیں رہتا۔

دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ حصول دیدار کی تمنائیں اپنے آپ کو خاک میں ملایا۔ اب خیال آتا ہے کہ بوقت دیدار
دیدار کی طاقت ہی نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ حصول مقصد کی تمنائیں اتنی جان کا ہی سے کام
لینا پڑتا ہے کہ جب وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے لطف اندوزی کی طاقت ہی باقی
نہیں رہتی۔ یہی حقیقت دنیاوی مقاصد کے حاصل ہونے پر ہوتی ہے۔ جب راحت کا وقت
آتا ہے تو زندگی ایسی منزل میں پہنچ چکی ہوتی ہے کہ لذت اندوزی سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔

منا ترا اگر نہیں آساں تو بہل سے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ اللہ! کس قدر موزونیتِ محاورات ہے اور شعر حقیقت اور مجاز دونوں پر بیک وقت
محمول ہونا نظر آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا مانا آسان نہ ہوتا تو ہم ہمت نہ کرتے اور یا اس
ہو کر بیٹھ رہتے اور تیرے حصول کی غش سے نجات حاصل کر لیتے مگر چونکہ دشوار نہیں ہے تو
ہمارے لئے یہی دشواری ہے۔ وہ شاید حقیقی خود بھی کہتا ہے کہ میں تمہاری شرک سے بھی

قریب ہوں۔ یعنی رگ جان سے بھی پھر بھی اُس کے پانے میں عمر تمام ہو جاتی ہے اور بے ہنگام
تو اس کے وجود کا ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ بغیر عشق کے زندگی گزارنا محال ہے۔ اور اس راہ میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا
ہے۔ مجھ میں اس کی طاقت بھی نہیں ہے۔ عشق خواہ دنیوی ہو یعنی دنیا کی لذتوں کے حصول
کا ہو یا عشق حقیقی دونوں میں مشکلات عامل ہیں لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم میں مشکلات کی
ذمہ داری ہے اور ذہمت۔

شوریدگی کے ہاتھ سے سر پہ دھال دوں صحرا میں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ عشق نے جنوں کو جنم دیا جس سے شوریدہ سری پیدا ہوئی۔ سب کچھ ڈا بیٹھے۔ لیکن صحرا
میں اس کا کوئی علاج نہیں۔ کوئی دیوار ہوتی جس سے سر ٹپک کر مر جاتے اور شوریدگی سے نکلت
مل جاتی۔ یہ مطلب ہے اگر شعر کے لفظوں کو نہ پکڑا جائے اور حقیقت سے گریز کرتے ہوئے
اس نادر معنی میں کہ شوریدہ سری کی وجہ سے سر اپنے کندھوں پر دھال جان بنا ہوا ہے۔ گھر سے
دیوار لگی میں صحرا میں آگئے اب مرنا بھی چاہیں تو سر چھوٹنے کے لئے یاں دیوار بھی نہیں۔

گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف یاں دل میں ضعفِ ہوسِ یار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ گنجائشِ عداوتِ اغیار کا تذکرہ ہی چھوڑ دو۔ عشق دہوس کا زمانہ گزر جانے کے بعد اپنی پڑ جاتی ہے
نیار سے وصل کی تیار ہو جاتی ہے۔ نہ غیروں سے عداوت باقی رہتی ہے اللہ بس باقی ہوس۔

ڈرنالہ ہلٹے زار سے میرے خدا کو مان آخر نواتے مرغِ گرفتار بھی نہیں

فرماتے ہیں۔ میرے نالوں سے خوف کھا، میرا دل نہ دکھا۔ مجھے نہ ستا۔ میرے خدا کا خوف کھا کہ وہ
منالوم کی فریاد سننا اور دادرسی کو پہنچ جاتا ہے آخر میرے اے مرغِ گرفتار کی آواز تو نہیں کہ متیار
اُس کی فریاد پر دھیان نہ دے اور اُسے آزاد نہ کرے۔

دل میں ہے یار کی محفِ مژگاں سے زکشی حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ دل میں کبھی کبھی فوجِ مژگانِ یار سے مقابلہ کا خیال آتا ہے۔ حالانکہ نوبت یہاں تک
پہنچ چکی ہے کہ کانٹے کی تکلیف نہ بھی برداشت کرنے کی تاب نہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
فرماتے ہیں۔ اے خدا وہ کون ہو گا جو میرے معشوق کی سادگی دیکھ کر اپنا دل نہ دے بیٹھے کہ اُسودہ
کاروں سے لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آج کل اپنی قوم کی بھی یہی
حالت ہے بڑی بڑی قوموں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں مگر مقابلہ دوسروں کے ہاتھ میں تلوار
بھی نہیں۔

دیکھا اسد کو غلوت و جلوت میں بار بار دیوانہ گز نہیں سے تو ہشیار بھی نہیں
فرماتے ہیں ہم نے اسد کو مجلسوں میں دیکھا اور تنہائی میں بھی دیکھا ہے اُس سے ملے
ہیں بات چیت کی ہے اور اگر بقول تمہارے وہ دیوانہ نہیں ہے تو کامل طور پر ہم اسے ہشیار
بھی نہیں سمجھتے۔

ہاں کیسے کہوں اُس زندگی سرستی کا جامِ حبس نے جو پیاشِ شق کے پینے کا
(مشارح)

غزل ۱۱۱

نہیں ہے زخم کوئی بجیے کے درخورد مرے تن میں

ہوا ہے تارا اشکِ یاس رشتہ چیم سوزن میں

فرماتے ہیں ۔ میرے جسم میں کوئی بھی زخم ایسا نہیں جو بہت گہرا نہ ہو لہذا اُن کو سیا بھی نہیں جاسکتا ۔

اسی وجہ سے تاگا سوئی کے تار کے میں جا کر تارا اشک بن گیا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میری چھوٹی موٹی تکلیف ہوتی تو کوئی دوست اجاب غم خواری کر کے

میری مدد کرتے ۔ معاملہ چونکہ بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے اس لئے اُن مددگاروں غم خواروں کے

پاس سوائے مایوسی کے انسویہانے کے میرے لئے کچھ نہیں ہے ۔

ہوئی ہے نالغ و ذوق تماشا خانہ ویرانی کفِ سیلاب باقی ہے بنگِ پیروزان میں

فرماتے ہیں ۔ خانہ ویرانی کا تماشا دیکھنے کا جو ذوق ہمارے دل میں تھا وہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ کفِ سیلاب

ہمارے گھر کے روزنوں میں روئی کے پھایوں کی طرح درمیان میں آگیا جس کی وجہ سے ہمارا ذوق

ادھورارہ گیا ۔

وداعِ خانہ بیدار کاوشِ ہائے مژگاں ہوں نغمین نامِ شاہدِ ہمے ہر قطرہ خوں تن میں

فرماتے ہیں ۔ میں امین ہوں خانہ بے داد کاوشِ ہائے مژگانِ یار کا ۔ میرے جسم کے ہر قطرہ خوں

پر میرے معشوق کا نام کندہ ہے مطلب یہ ہے کہ میرے جسم کا رُو آں رُو آں مرہونِ منتِ معشوق

ہے لہذا مجھے ہر وقت خدا کا شکر کرتے رہنا چاہیئے ۔

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبتان کی

شبِ مہ ہو جو رکھ دیں پنہ دیواروں کے روزن میں
فرماتے ہیں - میرے ظلمت کہہ کی تاریکی کون بیان کر سکتا ہے بس یہ سمجھ لو کہ اگر اُس کے روزن دیوار
میں روئی رکھ دی جائے تو وہ روشنی کا کام دے گی جیسا کہ چاندی رات ہوتا ہے ۔

نکو ہش مانع بے رطبی شور جنوں آئی

ہوا ہے خندہ اجاب بخیہ جیب و دامن میں
فرماتے ہیں - اجاب کی علامت و سرزنش کا وجہ سے میری بے رطبی شور جنوں رک گئی اور اُن
کا تخر میرے جیب و دامن کا بخیہ بن گیا۔ مطلب یہ ہے کہ میں دوستوں کی لعن طعن کی وجہ
سے آوارگی سے بچ گیا ورنہ خدا جانے کہاں تک نوبت آتی ۔

ہوے اس مہروش کے جلوہ تمثال کے آگے

پرائشاں جو ہر آئینہ مثل ذرہ روزن میں
فرماتے ہیں - اس پیکر حسن کے جلوے کے آگے آئینہ کے جوہر اس طرح اڑتے ہیں جیسے
دیواروں کے روزنوں میں سورج کی دھوپ میں ذرے نظر آتے ہیں ۔

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے

جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خار ہوں تو ہوں گلشن میں
فرماتے ہیں - کہ میں اپنے آپ کو نیک کہتا ہوں نہ بد، بس اتنا کہتا ہوں کہ میں غلط جگہ پر ہوں اگر گل ہوں
تو میں بھی میں ڈالا گیا ہوں اور اگر خار ہوں تو مجھے گلشن میں جگہ ملی ہے ۔

ہزاروں دل دیئے جوشِ جنوںِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرِ منوں تن میں

معنی ۔ سویدا = کالا داغ

فرماتے ہیں۔ جوشِ جنوں نے مجھے ایک نہیں ہزاروں دل دیئے لیکن دیوانگی کی وجہ سے جو خون میرے
جسم میں نکھایا ہو گیا اور ہر قطرہ اپنی جگہ پر جم کر سویدا یعنی کالا دھبہ بن کر دل پر نمودار ہو گیا ۔

اسدِ زندانی تاثیرِ سحرِ الفت ہلٹے خواباں ہوں
خیمِ درستِ نوازش ہو گیا ہے طوقِ گردن میں
فرماتے ہیں۔ اسدِ حسینوں کی تاثیرِ محبت نے مجھے قید کر لیا ہے۔ یہ تیرے لئے قید خانہ بن گیا ہے
اور ہر بانیاں نوازشیں تیری گردن میں طوق کا کام کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حسینوں
کی نوازشات کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے ۔

غزل ۱۱۲

مرزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں سوائے خونِ جگر، سو جگر میں خاک نہیں
فرماتے ہیں۔ دنیا کے عیش و آرام کھانے پینے کی لذتیں میری نظر میں کچھ وقعت نہیں رکھتی نہ پہلے
رکھتی تھیں۔ البتہ خونِ جگر پیا کرتا تھا سو وہ بھی اب جگر میں نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ
اب زندگی کا ہر لطافت بامبار ۔

دور در ہے یہ لطفِ پیش و نشاطِ دنیا : بولے شبِ عروسی مہمان ہے پرہیز ہیں ہر شہ

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے وگرنہ تاب و تواں بال و پیر میں خاک نہیں
 فرماتے ہیں۔ شاید غبار ہونے کے بعد ہوا اڑا کر منزل مقصود پر لے جائے۔ ویسے ہم میں تو
 اب تاب و تواں نہیں ہے کس قدر ذوق وصال یا ہے لیکن تاب و تواں، جواب دے گئی ہے بہر پیری میں
 ذوق وصال یا ترقی پذیر رہنا ہے اور تمام اعضاء نڈال پذیر ہیں۔
 یہ کس بہشتِ شائل کی آمد آمد ہے کہ بغیر جلوہ گل رہ گزریں خاک نہیں
 فرماتے ہیں۔ یہ کس با خدا انسان کی آمد ہوئی ہے کہ ساری رہ گزر جلوہ گل کی طرح سچی ہوئی ہے
 اور سوائے جلوہ گل کے کچھ نظر نہیں آتا۔

بھلا اُسے نہ سہی، کچھ مٹھی کو رسم آتا اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 فرماتے ہیں۔ اگر اُسے نہیں تو میں ہی اپنی جان پر دم کرتا اور نالہ کشی سے باز رہتا مگر جبکہ یہ معلوم
 ہے کہ میرے نالہ بے اثر ہیں کچھ بھی اثر نہیں ہے۔

خیالِ جلوہ گل سے خراب میں مے کش شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں
 فرماتے ہیں، خیالِ جلوہ گل یعنی محبوبوں کے خیال سے میکش بدست ہو رہے ہیں۔ وہ نہ اس
 شراب خانہ دنیا کے دیوار و در میں کچھ بھی نہیں، مطلب شعر کا یہ ہے کہ لطفِ زندگی صرف
 محبتِ الہی میں ہے۔ دنیا کی لذتوں میں کچھ نہیں رکھا کیونکہ وہ فانی ہیں۔

ہوا ہموں عشق کی غارت گری سے شرمندہ سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں
 فرماتے ہیں۔ عشق دنیا غارت گری کے سوا گھر میں خاک بھی نہیں چھوڑتا ایسی بلا ہے کہ سب کچھ
 تباہ و برباد کر دیتا ہے جس گھر میں دم رکھے اس کا ستیا ناس ہی کرتا ہے ماسی وجہ سے ایسے

عشق سے میں شرمندہ ہوں جو انسان کے پاس سوائے حسرتِ تعمیر کے اور کچھ نہیں چھوڑتا۔

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں
 فرماتے ہیں۔ اسے اسد اب ہمارے شعروں میں، دل لگی کے سامانوں کے سوا اور کچھ نہیں جوتا۔ اچھے شعروں
 کے قدردان نہیں رہے نہ ہمارے شعروں کی خوبیاں پہچانتے والے کہیں نظر آتے ہیں۔ اس لئے
 ہم نے بھی اپنے تعزیر کا رنگ تبدیل کر دیا ہے۔
 ذوقِ سخن جہاں نہیں، بزمِ ادب جہاں نہیں؛ نامِ خوشنوا وہاں اپنی غزل سنائے کیوں (مشارع)

غزل ۱۱۳

دل ہی تو ہے نہ سنگِ فحشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

دوئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ جو دستم بھی کرتے ہیں اور ضبط کی تاکید بھی کرتے ہیں یہ ہمارا دل ہے کوئی اینٹ پتھر
 تو نہیں کہ درد محسوس نہ کرے۔ آخر جب ظلم و ستم کی انتہا ہوگی تو ہمارا دل سرور بھرتے گا اور ہم
 رو کر اپنے دل کی آگ بھجائیں گے اور ہزار بار یونہی کریں گے کوڑا نہیں ستاتا کیوں ہے محبوب
 کو خطاب کرنے کے لئے "کوئی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دیر نہیں، ستم نہیں، در نہیں، آستان نہیں

بیٹھے ہیں رہ گزر یہ ہم، غیسر ہمیں اٹھائے کیوں

یہ شعر لاکھوں میں ایک ہے، معنی بھی صاف اور لطف اندوز ہیں۔

جب وہ جمالِ دلِ فسد و زامورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوزِ پردے میں مُنہ چھپانے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ جبکہ شاید جتنی جو کہ دل کو روشنی کرنے والا اور مہرِ نیم روز کی طرح سے اپنا جمال اپنی مخلوق کو خود ہی دکھا رہا ہے۔ اور اپنے بادلوں سے ہمارے دل کو گہوارا بنا رہا ہے تو ہمیں اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھنی چاہیئے۔ یہ شعراُن شعروں میں سے جو غالب کی حق کی گفتگو سے بڑے لطیف انداز میں کہا گیا ہے۔

دُشمنِ غمزہ جاںِ ستاں، ناوکِ نازِ بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخِ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ جبکہ صورتِ جمال یہ ہے کہ تیرے غمزہ کا خنجر جاںِ ہلاک کرنے والا اور تیرے تیر نازِ بے پناہ ہیں تو تیرے رویہ و تیرے سامنے بتا کون آسکتا ہے جو آئے گا وہ سلامت کیسے رہ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شاید مطلق کا جمال دُشمنِ ایسا ہے کہ وہ بہتیاں جنہوں نے اس کے جمال سے بکتاب بھی کیا ہے اور اُس کے نور سے حق بھی پایا ہے۔ وہ بھی اُس کے رُوبرو یا آئے سامنے نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام شبِ معراج میں آگے چلنے سے معذوری کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ شبِ معراج میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ تو ارشاد ہوا کہ عائشہ وہ تو نور ہی نور ہے اُسے حقیقی طور پر کب کوئی دیکھ سکتا ہے۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ قیدِ حیات اور بندِ غم ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جب تک غم ہے زندگی ہے اور جب تک زندگی ہے غم ضرور ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان موت سے پہلے غم سے نجات حاصل کر لے یہ جامِ ہنسی کو تمام نے آبِ حیات ہے یہی پیتا نہیں جو یہ شرابِ راہِ نجات پلے کیوں (شائع)

حُسن اور اکس پر حُسنِ ظن، رہ گئی بواہوس کی شرم

اپنے پر اعتماد ہے غیہ کو آزمائے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حُسن ملا تو اُس نے حُسنِ ظن بھی عطا کیا ہے۔ لہذا! جانتے ہیں ہیں کوئی دیکھے گا تو ضرور اپنا دل ہمارے حوالے کر دے گا۔ اعتماد حاصل ہے تو پھر بواہوس کو آزمائے کی ضرورت نہ رہی، اور اکس وجہ سے بواہوس کی لالچ قائم رہی اور اُس کے عشق و ہوس کا بھانڈا نہیں پھوٹا۔

واں وہ غرورِ عزت و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع

راہ میں ہم ملیں کہاں؟ یزم میں وہ بلائے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ ہمیں پاسِ وضع داری ہے ہم راستہ میں محبوب سے ملتے ہوئے شرماتے ہیں اور ادھر اُن کو غرورِ عزت و ناز ہے کہ ہم اس دیوانہ کو اپنی یزم میں کیوں بلائیں۔ اس میں ہماری کسرِ شان ہے۔ ہمارا اُن سے ملنا ان حالات میں ناممکن ہے۔

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

روئے زار زار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

فرماتے ہیں۔ مرزا غالب اپنی دفات و توسع میں آجانے کے بعد اپنے دوست اجاڑ کو صبر کی تلقین دلاتے ہیں کہ غالبِ خستہ کے بغیر دنیا کا کوئی کام بند نہیں ہوگا۔ لہذا کوئی داؤد پلانے کی حاجت نہیں۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا ہی

جس کو ہوں دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں؟
فرماتے ہیں۔ غالب ان لوگوں کو جو دنیاوی حسیں کی طرف مائل ہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ جب وہ
بے وفا محبوب و وفا پرست نہیں تو تم ان کی گلی میں جاتے ہی کیوں ہو۔

غزل ۱۱۴

غنیچہ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا، کہ یوں

بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ بوسہ کس طرح لیا جاتا ہے تو اس نے اپنا غنیچہ ناشگفتہ یعنی منہ
مجھے دُور سے دکھا دیا، بس پر میں نے کہا کہ مجھے بوسے کو بتا مجھے دُور سے اپنا منہ نہ دکھا۔

پرسش طرزِ دلبری کیجئے کیا، کہ بن کہے

اُس کے ہر اک اشارے سے نکلے یہ ادا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ اُس سے پوچھا جائے کہ دل چھین لینے کے کیا کیا طریق ہیں، اس کی تمام
حرکات و سکناات یہ اشارے یہ ادائیں زبانِ حال سے دلبری کا فرض ادا کر رہی ہیں۔

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لئے

آنے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ ہماری دل آرزو ہے کہ وہ ہمارے گھر تشریف لائے۔ خدا ایسا کرے۔ مگر خدا نہ کہے کہ وہ رات کے وقت نشہ میں دھت اور مہر اپنی حفاظت کی غرض سے رقیب کو ساتھ لے کر آئے۔ یہ دونوں باتیں ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں۔

”غیر سے رات کیا بنی“ یہ جو کہا تو دیکھئے

سامنے آن بیٹھنا، اور یہ دیکھنا کہ یوں فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے یہ پوچھا کہ غیر کے ساتھ رات کیا معاملہ گزرا۔ اس کے جواب میں وہ میرے سامنے آ بیٹھا کہ یہ سنی یعنی میں اس کے بروٹھا اور وہ میرا منہ کھتا رہا۔

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خاموش بیٹھئے

اُس کی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں فرماتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اُن کی بزم میں خاموشی باادب نہ بیٹھا جائے جبکہ اُن کے خود خاموش بیٹھنے میں بھی یہی مدعا ہے کہ تم بھی خاموش رہو کیونکہ پاس ادب اور مہر و محبت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

میں نے کہا کہ ”بزمِ ناز چلیے غیر سے تہی“

سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

معنی۔ ستم ظریف جس کے ستم میں طرافت پائی جائے۔

فرماتے ہیں۔ میں نے رقیب کو بزمِ ناز میں دیکھ کر مجھ سے کہا کہ یہ بزمِ ناز غیر سے خالی ہوتی چاہئے تو اس ستم ظریف نے مجھے ہی اٹھا کر کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح

دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ یار نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہوش و حواس کس طرح چلے جاتے ہیں تو میری بیخودی کو
کو دیکھ کر ہوا خوب چلنے لگی مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ قدرتی طور پر الہی مدد حاصل ہو
جاتی ہے اور تمام کام خود ہی بننے لگتے ہیں اور زمانہ سازگار ہونے لگتا ہے۔

کب مجھے کوٹے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی

آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ مجھے کوٹے یار میں رہنے کا طور طریق کب آتا تھا۔ اُس کے نقش پا نے مجھے سکھا دیا کہ
خاک میں میری طرح طوا اور جلوہ یار سے حیرت زدہ ہو کر رہنے کا سلیقہ سیکھو۔

گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال

موج محیط آب میں مارے ہے دستِ پا کہ یوں

فرماتے ہیں۔ اگر یہ خیال تیرے دل میں پیدا ہو کہ وصل میں کوئی زوال پیدا ہو سکتا ہے تو تو موج محیط کو
دیکھ کہ وہ کس طرح دست و پا مار کر ساتھ ساتھ رہتی ہے اور کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی اور زمان کے اتحاد
میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ کامیابی کو بھی قائم رکھنے کیلئے جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔

جو یہ کہے کہ رنجیتہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی

گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

معنی۔ رنجیتہ = اُردو

فرماتے ہیں ساگر کوئی تجھ سے کہے کہ اردو شاعری تو ایک نوزائیدہ ہے وہ رشکِ فارسی کس طرح ہو سکتی
 ہے تو تو اسے ایک بار غالب کے اردو اشعار پڑھ کر سننا تاکہ وہ آئندہ اردو کی کم مائیگی کا طعنہ نہ
 دے سکے یہ اردو جس کا نام نہیں جانتے ہیں داغؔ نے اسے جہاں یہ ادھم ہماری نیاں کسے (داغ)

غزل ۱۱۵

حمد سے دل اگر افسردہ ہے، گرم تماشا ہو کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے دا ہو
 فرماتے ہیں کہ اگر تو حمد کرتا ہے اور لوگوں کی ترقی اور خوشحالی تیرے دل کو افسردہ کرتی ہے تو اس کا
 علاج یہ ہے کہ گرم تماشا ہو جا۔ اپنے تنگ دائرے یا حلقے سے باہر نکل کر دیکھ کہ لوگ اپنی ترقی
 اور خوشحالی کے لئے کس قدر جدوجہد کرتے ہیں۔ پھر تو خود ہی انصاف سے کہے گا کہ ان لوگوں
 نے اگر ترقی کی ہے تو پھر اس کے لئے کام بھی کیا ہے اور اس طرح تیری چشمِ تنگ کُل جائے گی اور
 تو خود بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا اور حمد کرتا چھوڑ دے گا۔

بہ قدر حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی بھروں یک گوشہٴ دامن اگر آبِ ہفت دریا ہو
 فرماتے ہیں: گناہ کا شوق حسرتِ دل کے مطابق ہونا چاہیئے میں اپنے دامن کا ایک گوشہ تر کروں
 اگر سات دریاؤں کا پانی ملے۔ کثرتِ معاصی کا استعارہ ہفت دریا سے لیا ہے مطلب یہ
 ہے کہ گناہ کر لینے کے بعد بھی حسرتِ باقی رہتا ہے جس طرح مالِ دولت سے انسان کا پیٹ
 نہیں بھرتا یہی حال گنہگاروں کا ہے کہ ایک گناہ کرنے پر لذتِ گناہ دوسرا گناہ کرنے پر اُکاتی ہے اور یہ
 کہیں جا کر ختم نہیں ہوتا۔

اگر وہ سرودِ گرمِ خسراں ناز آجائے کفِ ہر خاک گلشنِ قمری نالہ فرما ہو
 فرماتے ہیں۔ اگر وہ سرودِ گرمِ خسراں ناز کے ساتھ گلشن کی سیر کو آجائے تو گلشن کی مٹی قمری بن

کرائس سے نالہ و فریاد کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ اس سے شکوہ کلا کرے کہ ہمیں کیوں اپنے
جلوسے سے محروم کر رکھا ہے ۔

غزل ۱۱۶

کعبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حق صحبتِ اہل کشت کو ؟
فرماتے ہیں ۔ اگر میں ہندوستان سے جا کر کعبے میں رہنے لگوں تو مجھے طعنہ دینے کی ضرورت نہیں
میں جلد سے کی صحبت کو بھلانے والا نہیں بنم کہوں سے میرا تعلق ذہنی طور پر تو رہے گا ۔

طاعت میں تار ہے نہ سے دانگیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

معنی ۔ انگلیں ۔ شہد

فرماتے ہیں ۔ جو لوگ عبادتِ محض بہشت میں شراب اور شہد کی نہروں کی خاطر کہتے ہیں وہ کوئی نیکی
کا کام نہیں کہتے ۔ وہ بھی کوئی عبادت ہے جو لالچ کی غرض سے کی جائے ۔ اگر بہشت کو دوزخ
میں ڈال دیا جائے تو میری عبادت ۔ سے دانگیں کا کوئی واسطہ نہ ہے ۔ اور میری عبادتِ خالصہ
بیشک ہو جائے ۔ ایسا ہی حضرت رابعہ بصری کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر میں نے تیری عبادت
جنت کی خاطر کی ہے تو پھر تو مجھے جنت میں نہیں دوزخ میں ڈال ۔ اور اگر میں نے صرف تری
عبادت میں کی ہے تو تو ہی میری جزا ہے کچھ اور نہیں ۔

تجھ کو ہی مانگتا ہوں میں تجھ سے : بس سے بہتر تریء طایا ہے (سراج)

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے

ٹھٹھا لگا ہے قیڑا قسیم سر نوشت کو

فرماتے ہیں میرے اہ و رسم ثواب سے ہر گشت ہونے کی وجہ سے کہ جس نظم سے کاتب تقدیر نے میرے
نوشتہ تقدیر لکھا اس کا سر ٹھٹھا لگا ہوا تھا۔ لہذا میری سر نوشت میں بھی کبھی پیدا ہو گئی۔

آئی اگر بلا تو جگر سے ٹلی نہیں

ایرا ہی دے کے ہم نے بچا یا ہے کشت کو

معنی۔ ایراد اور پش طرح کا ایک جہوج بادشاہ کو شکست یعنی مات سے بچانے کے لئے

استعمال میں لایا جاتا ہے۔ کشت بادشاہ کا محفوظ خانہ میں ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ اسی بلا ٹلی نہیں جگر کے لئے بے حد خطرہ لاحق ہے فی الحال ایرایج میں ڈال دیا ہے
ناکشت و قلم ہے۔

قالب کچھ اپنی سعی سے بلتا نہیں مجھے

خرمن چلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

معنی۔ ملخ۔ ٹڈیاں جو فصلیں کھا جاتی ہیں۔ کشت۔ کینتی مذاحمت۔

فرماتے ہیں۔ اسے قالب مجھے محض اپنی کوششوں سے کچھ نہیں ملتا۔ اگر میری کینتی کو ٹڈیاں نہ کھائیں

تو خرمن میں آگ لگ جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان صرف اپنی ہی کوششوں سے کامیاب نہیں ہوتا جب تک کہ فضل

(الہی) شامل حال نہ ہو۔

تھا اہل کرم وہ مرا بسا قی لزل + شکر وہ پاس اس کا میں کرتا چلائی (بشارت)

غزل ۱۱۷

دوستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
 کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
 فرماتے ہیں ہم اس خیال سے آزاد ہیں کہ آپ ہم سے محبت کا ہی سلوک کریں۔ اگر آپ محبت کرنا
 نہیں چاہتے نہ ہی عداوت یعنی دشمنی ہی کر دے مگر بغیر شرکتِ غیر کے جو کچھ ہمارے ساتھ ہو وہ
 معاملہ کسی اور کے ساتھ نہ ہو۔

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا
 ہے دل پہ بارِ نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
 فرماتے ہیں ضعف نے خونِ جگر سا تمام کر دیا ہے ایک قطرہٴ خون بھی جسم میں باقی نہ رہا یہی وہ
 ہے جو کچھ رنگِ اختلاط تھا سب جاتا رہا۔ اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ نقشِ محبت
 بھی دل پر بار ہے۔

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہٴ غیر کا گلہ
 ہر چند برسیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
 فرماتے ہیں۔ مجھے تم سے فیر کے ذکر کی شکایت ہے باوجودیکہ تم نے اُس کی شکایت کہہ دی مگر میں
 تو چاہتا ہوں کہ غیر کا نام تک تمہارے ہونٹوں پر نہ آئے۔ میرے لئے غیر کا نام سُنا اور وہ
 بھی تمہاری زبان سے ناقابلِ برداشت ہے۔

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ”ہسر درد کی دوا“

یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو؟
فرماتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہر درد کی دوا ہے۔ ہر مرض کا علاج ہے۔ اگر ایسا ہے تو غم الفت کا
بیمار کیوں اچھا نہیں ہوتا۔ (بیمارِ عشق تو اچھا ہونا چاہتا ہی نہیں قبلہ غالب)

ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچتا ہوں خیالات ہی کیوں نہ ہو؟
فرماتے ہیں۔ خدا کا شکر میری بے کسی نے میرا معاملہ کسی کے ساتھ نہیں ڈالا۔ اور میں اتنا مجبور نہ ہوا کہ
غیر سے مدد چاہوں۔ اگر مجھے ان سے کوئی فائدہ بھی نہ پہنچتا پھر بھی شرمندگی تو ضرور ہوتی اور
میری گردن بارِ احسان سے جھکی رہتی۔ میں اگر شرمندہ بھی ہوں تو صرف اپنی ذات سے۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
فرماتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت بخشی ہے کہ وہ خلوت میں اپنے لئے انجمن بنا لیتا ہے اور
خلوت میں اپنے لئے خلوت کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ خیالات اور تصورات کی کمی نہیں ہے بلکہ
ہذا ان محشر خیال پیدا کیا گیا ہے۔ ہاں بکل خیالات سے رہائی پانا یعنی تخلیہ نفس پاک صرف یادِ الہی
ذکرِ الہی میں مشغول ہونا بے حد دشوار ہے۔ مگر ناممکن نہیں۔

ہنگامہ زبونی ہمت ہے انفعال

حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

فرماتے ہیں۔ کسی سے کچھ لینا باعثِ شرمندگی اور کم ہمتی کی دلیل ہے۔ جو کچھ کرنا ہے خود کرو یہاں تک کہ عبرت بھی زمانہ سے نہ لو۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔
اپنی ہستی سے ہو جو کچھ ہو ۛ آگہی مگر نہیں غفلت ہی سہی

وارستگی بہانہ بیگانگی نہیں

اپنے سے کمر نہ غیر سے دشت ہی کیوں نہ ہو
فرماتے ہیں۔ وارستگی وازاٹا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان دشت اور بے پردائی کا سلوک دوسروں سے کرے اور نہ یہ خیال کرے کہ ہم دوسروں سے بہتر ہیں بلکہ بیگانگی اور دشت کا عمل اپنے نفس سے کیا جائے۔ دوسروں کے حقوق تلف نہ کرے۔ اگر اپنے نفس کے تمام حقوق دے نہ سکیں تو مصالحت نہیں۔

مٹتا ہے قوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی

عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
فرماتے ہیں۔ زندگی یعنی فرصتِ ہستی دھٹے ہے جس کا غم کبھی نہیں جاتا چاہے کسی نے اپنی ساری عمر عبادت میں ہی کیوں نہ گزار دی ہو۔ جو کہ مقصدِ حیات و پیدائش بھی ہے۔ پھر یہی اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت تعلق ضرور ہوگا۔ حضرت قبلہ عاقل مختار احمد ڈاجہ اپوری نے بہت لمبی عمر پائی۔ کم بیش ایک سو پندرہ سال اور تمام عمر تقویٰ و طہارت اور گوشہ نشینی میں گزاری۔ کب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شرفِ آفتاب صاحب نے ہمارے لئے کہا ہے۔

اُس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد

اُس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو
فرماتے ہیں۔ اے اسد ہم تو اس فتنہ خو کے در سے کبھی نہیں اُٹھیں گے۔ بلا سے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ گذر جائے۔ اللہ اللہ کیا ثباتِ قدم ہے۔

غزل ۱۱۸

فقس میں ہوں، گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجان گلشن کو

فرماتے ہیں۔ میں دنیا کے رنج و آلام میں گرفتار ہوں مجھے سرگرم نالہ و فریاد دیکھ کر بلانا نہ مانو۔ اور نہ ہی تعمیر کی نظر سے مجھے دیکھو۔ دوست اجاب اگر رنج و غم سے محفوظ ہیں تو ان پر فضل الہی ہے جس کا شکر ادا کرنا ان پر لازم ہے۔

نہیں گر ہمدی آساں نہ ہو۔ یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خس بدایا آرزوئے دوست دشمن کو

فرماتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دشمن میرے جیسا جو شش مشق نہیں رکھتا اور نہ وہ اس راہ میں میرا ہمد بن سکتا ہے گراے خدا مجھے تو یہ رشک بھی کھائے جاتا ہے کہ دشمن کو تو نے آرزوئے دوست بھی کیوں دی۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ دشمن دوست کا ہمد تو نہیں ہو سکتا اور یہ بات بہت مشکل ہے مگر میرے لئے تو یہ ہی بڑی رشک کی بات ہے کہ وہ دل میں آرزوئے دوست رکھتا ہے۔

نہ نکالا آنکھ سے تیری اک آنسو، اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خونچکاں مژگاں سوزن کو

فرماتے ہیں۔ میرے اُن زخموں کا حال کُن کر جن کے سبب سے مژگاں سوزن سے بھی خون ٹپک پڑا۔ تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ دوست اجاب اقربا اور محبوب کی شگدلی کا تصویر کھینچی ہے۔

خدا شرائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں

کبھی میرے گریباں کو کبھی جاٹاں کے دامن کو

فرماتے ہیں۔ خدا میرے ہاتھوں کو شرائے کر یہ ہاتھ کبھی جاٹاں کا دامن پکڑتے ہیں جس سے مجھے
شرمندگی کا احساس ہوتا ہے اور کبھی خود میرا گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے جنون
وحشت کا الزام اپنے ہاتھوں پر لگا دیا ہے۔ کیا خوب شعر ہے۔

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں

نہیں دیکھا شنادر جوئے خوں میں تیرے توسن کو

فرماتے ہیں۔ ابھی ہم قتل گاہ کا تماشا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم نے تیرے گھوڑے کو خون
کے دریا میں تیرا ہوا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں عشق آسان معلوم ہوتا ہے اور دل
جو شہ عشق میں سرپٹ دوڑنا چاہتا ہے۔ مگر جب یہی عشق خون کے دریا میں شادری کرے گا تو
عاشق کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے برعکس فارسی کا ایک حقیقت افروز شعر ہے۔

عشق اول قاتل و ثانی بود

تا گر یزد ہر کہ بیردنی بود

ہوا چہ رچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا

کیا بیتاب کال میں جنبش جو ہر نے آہن کو

فرماتے ہیں۔ میری دیوانگی مد سے جب بڑھ گئی اور میرے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کی تدبیریں کی جانے لگیں
تو جو ہر آہن بھی کان میں بیتاب ہو گیا کہ میں جلد سے جلد اس عظیم عاشق کے یعنی دیوانے کی پیر کی زنجیر بن
جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ میری دیوانگی کا رتبہ بہت بڑا ہے اور اس کیلئے قدرت نے پہلے ہی سے انتظام کر
رکھے ہیں۔ عاشق صادق سے ہر شے وابستہ ہونا چاہتا ہے۔ یہی مطلب زمین و آسمان کو انسان کیلئے متحرک کرنے کا ہے

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈ سے ہے ابھی سے برقِ غم میں کو

فرماتے ہیں۔ میرے کھیت پر باروں کا بار بار آنا میرے لئے موجبِ مسرت نہیں ہے بلکہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ
غم میں جمع ہونے سے پہلے ہی برقِ میری کھیتی کو جلانے کا فیصلہ کر چکی ہے طلب یہ ہے کہ میں ایسا بہ قیمت
نقص ہوں کہ میری ساری کوششیں بیکار جاتی ہیں اور ہر کوشش کا انجام ناکامی ہوتا ہے۔

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایمان ہے
مرے بُت خانہ میں، تو کعبہ میں گارڈ برہمن کو

فرماتے ہیں۔ اگر برہمن۔ اسی عمر بُت خانہ میں بُت پرستی کرتا ہوا اور حقِ وفاداری پوری طرح بخاتا ہو امر
جلد سے تو اس کی وفاداری کے ہلم میں اگر کعبہ میں دفنایا جائے تو وہ اس کا سخت ٹھہر ہے
جو اس کا اٹھ لہر وفاداری، ثباتِ قدم، اطاعت اور خدا کی دی ہوئی سمجھ کے مطابق ہے، اگر اٹھ لہر
نیک نیتی کسی نے ہی سمجھ کے مطابق کام کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خود مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا، جھکا دیتا تھا گردن کو

فرماتے ہیں۔ میری قسمت میں کاتبِ تقدیر نے شہادت لکھ دی تھی تبھی تو مجھ کو گردن جوکا دینے والی تو ملی تھی
میں جب کبھی اور جہاں کہیں تلوار دیکھتا تھا وہیں سر کو جھکا دیتا تھا۔ یہ طلب یہ ہے کہ میں ہرج کو
دیکھتے ہی پہچان لیتا تھا۔ صدق کی تلوار کے آگے سر تسلیم خم کرنا میری فطرت تھی۔

نہ لٹا دن کو تو کب رات کو یوں۔ بے خبر سوتا

رہا کھٹکا نہ چوری کا، دُعا دیتا ہوں رہزن کو
فرماتے ہیں۔ انسان کون بظاہر اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب وہ ہمیشہ و طرب کو چھوڑ کر محنت و مشقت صبر
و قناعت پیدا کرے اور راضی بہ رضا ہو جائے۔ قارئین کی لطف اندوزی کیلئے جنابِ نظیر گربادی کا واقعہ

پیش خدمت ہے کہتے ہیں کہ نواب واجد علی شاہ نے پانچ ہزار روپے تختہ قاصد کو دے کر بھیجا اور اپنے دربار میں بلایا۔ نظیر صاحب نے روپیہ لے کر قاصد سے کہا کہ تمہارے شاہ کی دعوت کا جواب ہم کل صبح دیں گے۔ چوری کے دھڑکے سے تمام رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کافی ایک پل نہ سو سکے۔ طرح طرح کے خیالات اور وہماں کا شکار رہے۔ صبح کو قاصد آیا تو وہ پانچ ہزار روپیہ اس کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ بھائی یہ دولت تو ایک مصیبت ہے۔ ہم چوری کے ڈر سے تمام رات نہ سو سکے۔ ایسی تو نگری سے فقیر و بھل۔ آرام سے یہ بیویلا کر سوتا ہوں اور اللہ کا شکر بجا آتا ہوں۔

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جو اہر کے

جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو

فرماتے ہیں۔ جگر کا دی کر کے اچھے شرکین معدن کو کھو کر جو اہر نکالنے سے بددجہ یا بہتر ہے لہذا ہم نے سخن سنی کہ جو اہرات پر ترجیح دے رکھی ہے۔

مرے شاہِ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب

فریدون و جم و کینسر و دارب و بہمن کو

غالب کا خدا بادشاہ ظفر کو شاہِ سلیمان جاہ کہنے سے یہ ہے کہ سلیمان مومن تھے جبکہ دیگر مشاہیر عالم جس کا ذکر یہ عرصہ ثانی میں کیا گیا ہے وہ سب کافر تھے لہذا وجہ فوقیت ظاہر ہے۔

غزل ۱۱۹

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤں

رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

معنی (پاؤں دھو کر پینا) جو شہی مجت میں

فرماتے ہیں۔ کہ میں جب بھی اس سیم تن کے پاؤں دھو کر چٹا چاہتا ہوں وہ اپنے پاؤں شوخی سے لگن کے باہر نکال دیتا ہے۔

دی سادگی سے جان۔ پڑوں کو کہن کے پاؤ
 بیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤ
 فرماتے ہیں۔ فراد نے ایک عیار عورت کے قریب میں اگر جان دے دی۔ مرزا صاحب کو کہن کی
 اس سادگی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں جو ان کے ایک مصرعے بھی عیاں ہے۔ فرماتے ہیں۔
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لے خدا
 بھاگے تھے ہم بہت، سو اسی کی سزا ہے یہ

ہو کہ اسیر دل بیتے ہیں راہ زن کے پاؤ
 فرماتے ہیں۔ کہ راہزن سے بچنے کے لیے بھاگ جانا پانا لیکن اس نے ہم کو پکڑ لیا اور اپنی خدمت پر
 لگا دیا۔ اسے کاش کہ ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو اس ذلت سے محفوظ رہتے مطلب یہ ہے کہ تقدیر
 ہاں سے قرار نہیں۔ چاہے کتنی ہی کوشش کوئی کیوں نہ کرے۔

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
 تن سے ہوا نگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤ
 فرماتے ہیں۔ کہ اپنے تن کے زخموں کے اندمال کے لئے مرہم کی تلاش میں ہیں دوسری چیزیں کھانا
 کھانا پڑا یہاں تک کہ تن کے زخموں سے کہیں زیادہ پیر زخمی ہو گئے۔

اللہ سے ذوقِ دشتِ نوردی کہ بعد مرگ
 پہنتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤ
 فرماتے ہیں۔ شوقِ محرابِ نوردی مرنے کے بعد بھی قائم رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی میرے
 پاؤں کفن کے اندر حرکت کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آخری زندگی میں بھی میرا ذوقِ دشتِ نوردی کم نہ ہوگا۔

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف

اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں، مرغِ چمن کے پاؤ

فرماتے ہیں۔ اس دفعہ چمن میں ایسی بہار آئی ہے اور درختوں نے ایسی نشوونما پائی ہے کہ چمن کے پرندوں کے پاؤں ایسی لمبی شاخوں میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں

دُکھتے ہیں آج اُس بیتِ نازک بدن کے پاؤ

فرماتے ہیں۔ آج اُس نازک بدن کے پاؤ کیوں دُکھتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ کسی جلدی والے کے پاس خواب میں جا کر لوٹا ہے۔

غالب مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو

پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

فرماتے ہیں۔ کہ میرے کلام میں جوشِ بنی نظر آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خسرو شیریں سخن یعنی بہادر شاہ ظفر کے پاؤں، دھوکہ کھاتا ہوں۔

خُنِ دُخولِ یہ ہے ناقصِ آپ کے اشار میں

رنگِ غالب کا ہے ان میں کیفِ کچھ کچھ میر کا

(شرح)

غزل ۱۲۰

واں اُس کو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار

یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

فرماتے ہیں۔ جوشِ محبت میں عاشق اپنے محبوب کے ہر دکھ اور تکلیف کی ذمہ داری اپنے اُپر ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ محبوب کو جو ہولِ دل کی تکلیف ہے وہ کہیں میری آہوں کے اثر ہونے کے نتیجہ میں تو نہیں ہے وہ اس خیال سے دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کر رہا ہے۔

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ

آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو

فرماتے ہیں۔ میرے مشوق کا ذوقِ ستم دیکھنے کے قابل ہے وہ اپنی صورت بھی آئینہ میں نہیں دیکھتا جب تک آئینہ مقتول کی آنکھ کا نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب میں ذوقِ ظلم و ستم حیرت انگیز طور پر بڑھ گیا ہے اور وہ اپنے ہر مقتول کی آنکھ میں اپنی تصویر دیکھنا پسند کرتا ہے اسے کسی دوسرے آئینے کی حاجت نہیں۔

نوٹ: مشہور ہے کہ مقتول کی آنکھوں میں قاتل کی تصویر اتر آتی ہے

اب تک آئینہ شاید آپ نے دیکھا نہیں

آپ جو کہتے ہیں ہم رکھتے ہیں، اپنا جواب

(عارف)

غزل ۱۲۱

واپ پہنچ کر جو غمش آتا ہے ہم ہے ہم کو
صدرہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو
فرماتے ہیں۔ ہماری کمزوری و ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ کوچہ یار میں پہنچتے ہی ہمارے پیر جواب
دے جاتے ہیں۔ اور یہ ہمارے پیروں کا ہم پر احسان ہے لہذا ہم اپنے قدم چومنے کے
لئے زمین پر گر پڑتے ہیں جہاں ہمارا نقش قدم ہے۔

دل کوئیں، اور مجھے دلِ محو و فارِ کھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاریِ اہم ہے ہم کو
فرماتے ہیں۔ دل کوئیں اور مجھے دلِ محو و فارِ کھتا ہے۔ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کو قید رکھتے ہیں
مطلب یہ ہے کہ دل اور زبان و عمل کی ایک ہی حالت ہے منافقت نہیں ہے۔

ضعف سے نقشِ پے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو
فرماتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی کا وجہ سے چیونٹی کا قدم بھی ہمارے لئے طوقِ گردن ہے ہم اتنے بھاری
بوجھ کا اٹھا کر تیرے کوچے سے کیسے بھاگ سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ انسان باوجود سب کچھ ہونے کے پھر بھی چیونٹی کی طرح مجبور ہے۔ ہر قدم پر
مشیتِ ایزدی ہے جو پاتا ہی ہے کرتی ہے۔ انسان کو طاقت نہیں کہ ان زنجیروں کو توڑ سکے۔

جان کر کیجئے تنغِ نفل کہ کچھ امید بھی ہو

یہ نگاہِ غلط انداز تو سب سے ہم کو
فرماتے ہیں۔ سو سمجھ کر ارادہ کر کے ہم سے چشم پوشی کیجئے تاکہ میں یہ سمجھوں کہ ایک دن میری
عالتِ زار پر اُن کو رحم بھی آجائے گا۔ یہ جو نگاہِ غلط انداز کبھی کبھی پڑتی ہے یہ تو میرے
لئے زہرِ قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

ریشکِ ہمِ طرحی و دردِ اثرِ بانگ۔۔۔ حزن
نالہٗ مرغِ سحرِ تیغِ دو دم ہے ہم کو

معنی۔ ریشکِ ہمِ طرحی، ہم نوائی کا ریشک
فرماتے ہیں۔ کہ ایک تو ہم نوائی کا ریشک دوسرے بانگِ حزن کے درد کا اثر۔ ان دونوں نے
مرغِ سحر کی فریاد کو میرے لئے دو دھاری تلوار بنا دیا ہے۔

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ تم سے سر کی قسم ہے ہم کو

فرماتے ہیں۔ میں نے محبوب سے سر کے کاٹنے کے وعدے کو دوسری دفعہ چاہا۔ وہ ہنس کر کہنے لگے کہ تیرے
سر کی قسم ہے ہم کو کہ ہم تیرے سر کو ضرور کاٹیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم ہرگز تیرا سر نہیں کاٹیں
گے۔ جیسے کہتے ہیں کہ ہم کو فلاں کام کرنے کی قسم ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ہرگز یہ کام نہیں کریں گے
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ لیکن ناچار

پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو

فرماتے ہیں۔ دل کے خون کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ لیکن ہم سے بے رونق آنکھیں دیکھی نہیں جاتیں۔
ہیں آنکھوں کی آب و تاب کا بہت خیال ہے۔ اس وجہ سے ہم خون کے آنسو روتے رہتے ہیں۔

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو

ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

فرماتے ہیں۔ تم وہ نازک ہو کہ ہماری خموشی کو بھی آہ و فغاں سے تعبیر کرتے ہو اور اصرار ہم اتنے
عاجز ہیں کہ تمہاری لاپرواہی اور کوئی ستم نہ کرنا بھی ہمارے لئے ستم ہے۔ شاید تم نے
ہماری کمزوری کو دیکھ کر ستم سے ہاتھ اٹھایا ہے مگر ہم پر تو یہ اور بھی ستم ہے کہ تم بلے
ساتھ تغافل سے کام لیتے ہو۔

قطع

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ہو کسی سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
فرماتے ہیں۔ لکھنؤ ہم کیوں آئے اس کا سبب ہم پر بھی ظاہر نہ ہو سکا۔ سیر و تماشا کی غرض سے لوگ
سفر کرتے ہیں جگہ جگہ جلتے ہیں مگر ہم کو تو یہ شوق بالکل نہیں ہے۔

مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شعر عزم۔ سیرِ نجف طوف حرم ہے ہم کو
فرماتے ہیں۔ یہ شعر سلسلہ شوق کا مقطع نہیں ہے۔ ہاں ہمارے دل میں سیرِ نجف اور طواف
حرم کا ارادہ ضرور ہے۔

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب جادہ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو
غالب پیش کی بجائے سلسلہ میں کلکتہ جاتے ہوئے کھنڈ بنارس وغیرہ ٹھہرے تھے
اس مقطع میں اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

غزل ۱۲۲

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
فرماتے ہیں۔ غیر سے بیشک راہ و رسم رکھو میں نہیں روکتا میں میری غرض صرف یہ ہے کہ کبھی کبھار نظر
الطف و کرم جوہر بھی پڑتی ہے تو کوئی بُری بات نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ میں تنگ نظر نہیں ہوں۔

بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
فرماتے ہیں۔ روزِ حشر تمہیں بھی بطور گواہ ہی سہی، حاضر ہونا ہو گا۔ اگر مجھے رقیب نے رشک و لادلا کر ٹانگ
کیا ہے تو تم اس کے گواہ ہو (پچھے گواہ کی کوئی سزا نہیں ہوتی)

کیا وہ بھی بے گنہہ و حق ناستناس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں، خورشید و ماہ ہو
فرماتے ہیں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ تم بشر نہیں ہو بلکہ خورشید و ماہ ہو لیکن کیا وہ بھی تمہاری طرح حق تلفی

کو نے ولے اور بے گناہ لوگوں کو مارنے والے ہیں ۔

جب میکدہ چھٹا ، تو پھر اب کیا جگہ کی قید

مسجد ہو ، مدرسہ ہو ، کوئی خانقاہ ہو

فرماتے ہیں ۔ جب میکدہ ہم سے چھوٹ گیا ۔ جہاں ساقی شراب پلاتا تھا اور ہم حلیفوں کے ساتھ مٹے

لے لے کر بیا کر تے تھے ۔ وہ پینے پلانے کا در ختم ہو گیا ۔ اب ہم مسجد میں بیٹھ کر شراب پییں یا
کسی خانقاہ میں ایک ہی بات ہے کسی جگہ کی قید نہیں ۔ کوآب شاہ پھانپوری نے کیا خوب کہا ہے :

برباد کر دیا دل آوارہ گرد نے

در زلف طر روح تو اس انجمن میں تھی

ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار

مرتا ہوں ، میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

فرماتے ہیں ۔ اُن کے نقاب میں ایک تار ابھرا ہوا نظر آتا ہے ۔ میرے دل میں یہ خوف پیدا ہو رہا ہے کہ

یکسی مشتاقِ جمالِ رفیب کی نگاہ تو نقاب میں اُلجھ کر نہیں رہ گئی ۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کے

پاس کسی بھی شے کو دیکھ کر بوجہ رشک طرح طرح کے توہمات اور خیالات پیدا ہو جاتے ہیں ۔

حالانکہ نقاب کا تار ایک بے جان چیز ہے اسے تارِ نگاہ سے کیا تعلق

مُنستے ہیں جو بہشت کی تعریف ، سب درست

لیکن خُدا کرے وہ تیرا جلوہ گاہ ہو

فرماتے ہیں ۔ بہشت کے متعلق جو کہا گیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن یہیں اس سے غرض نہیں ہے

یہیں تو جو کچھ وہاں چاہیئے وہ یہ ہے کہ خدا کرے ، تیرا جلوہ نصیب ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ بہشت

کے متعلق سب کچھ ٹھیک ہے مگر میں تو دیدارِ الہی چاہیے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے دیدار سے
سرفراز فرمائے۔

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دُنیا ہو یا رب! اور مرا بادشاہ ہو

فرماتے ہیں۔ غالبؔ، راجا باکمال شاعر بھی دُنیا سے چلا جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا مگر میرا بادشاہ
اور اس کی رعایا سلامت رہے۔

غزل ۱۲۳

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو

کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو، تو کیوں کر ہو

فرماتے ہیں۔ بہت سوچ بچار کیا کرتے تھے کہ ہم انہیں حالِ دل کیسے سنائیں۔ اظہارِ شوق کیسے
کریں۔ مگر جب میں موقع مل گیا اور سب کچھ انہیں سنادیا۔ پھر بھی بات نہ بنی۔ اب اور کیا
کریں وہ بات ہی ختم ہو گئی جس پر اس نکلانے بیٹھے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سب
کچھ سنادیا مگر اُن پر خاک اثر نہ ہوا۔ اُن کے سینہ میں دل نہیں پتھر ہے۔

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال

کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو

فرماتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وصال کی جتنی کہتے رہنا اور انجام پر نظر رکھنا ہی وصال ہے۔ ہم پہروں

بیٹھے سوچتے رہتے ہیں کہ دوسرا یا راضیہ نہ ہوا تو کیا کریں گے کہاں جائیں گے۔ اور اگر ہو سکتا ہے تو کیا طریق کار ہونا چاہیئے۔

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجیے۔
جیسا ہے اور یہی گو مگو تو کیوں کر ہو

فرماتے ہیں۔ شوقِ تنہا یہی چاہتا ہے کہ دل مرادِ بڑا سے مگر ادب جلد بازی کی اجازت نہیں دیتا لہذا شوقِ تنہا اور ادب میں براہِ کشمکش جاری ہے۔ اور جیسا بھی اسی جھگڑے میں قدم رکھنا چاہتی ہے اب بناؤ ہم کیا کریں۔

تم ہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو۔ تو کیوں کر ہو

فرماتے ہیں۔ ہم تم ہی سے پوچھتے ہیں کہ ایمان سے کہہ دو کہ اگر تمام حسینانِ عالم تمہاری جیسی خوشگفتہ ہوں کہ انکار کے سوا کچھ کہنا ہی نہ چاہیں تو صنم پرستوں کا گزارہ کیونکر ہو۔

اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

فرماتے ہیں تم جیسے نازک مزاج جو اپنا عکس بھی آئینہ میں دیکھتے ہیں تو اُلجھتے ہیں تمہیں اپنا عکس بھی گوارا نہیں۔ لیکن آپ کی مانند شہر میں کچھ حسین اور بھی ہوں تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ معلوم نہیں کیا قیامت برپا کر دے گی۔

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کہہ ہو
فرماتے ہیں۔ میرے یہاں سید بخت اگر رات کو بھی دن نہ کہے تو اور کیا کہے۔

ہمیں پھر اُن سے اُمید، اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کہہ ہو
فرماتے ہیں۔ اگر ہمارا محبوب ہماری بات ہی نہیں پوچھتا نہ ہمارے حال سے واقف ہے تو اسے ہماری
قدر کیسے ہو اور ہم اس سے امید کیا رکھیں۔

غاط نہ تھا ہمیں خط پر نگاہِ تسلی کا
نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیوں کہہ ہو
فرماتے ہیں۔ ہمارا گمن فطرت تھا کہ اگر محبوب کا جواب آجائے گا تو دل کو تسلی ہوگی مگر ہماری آنکھ جو
اس کا دیدار چاہتی ہے تسلی حاصل نہ کرے تو کیا کیا جائے۔

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر ہو مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیوں کہہ ہو
فرماتے ہیں۔ خطاب شاید نام سے ہے کہ آپ مجھے صبر و وقار کا دغظ کر رہے ہیں آپ ذرا اس ظالم
کی پلکوں کو دیکھ کر کہو کہ جب ایسے نشترِ دل میں چھپیں تو صبر و وقار کیسے آئے۔

مجھے جنوں نہیں غالب دے بقولِ حضور
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کہہ ہو

بقول حضور سے مراد بہادر شاہ ظفر ہیں۔ اور مصرعہ ثانی اُن کا ہی ہے۔ شعر کا مطلب صاف ہے۔

غزل ۱۲۴

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں باں کیوں ہو
فرماتے ہیں۔ جب کسی کو دل بیسی شے دے دی۔ اور عاشق ہو بیٹھے تو اب رونے پینے کا موقعہ نہیں یہ
شانِ عاشقی کے خلاف ہے جب دل سینہ میں نہیں تو زبان بھی نہیں ہونی چاہیے۔ عاشق کو
خاکوش اور پردہ دار رہنا چاہیے۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سُک سرین کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
فرماتے ہیں۔ وہ اگر روٹنے کی عادت نہیں چھوڑیں گے تو ہم اپنی خودداری کو کیوں چھوڑیں اور نیچے ہو کر
ان سے کیوں کہیں کہ آپ ہم سے کیوں ناراض ہو۔

کیا غم خوار نے رسوا لگے اگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا زواں کیوں ہو
فرماتے ہیں۔ ایسے غم خوار کو غم خوار کی اور محبت بھاڑ میں جانے جس نے غم کی تاب نہ لا کر ہار لیا
ہی پھوڑ دیا یعنی رازِ عشق فاش کر دیا۔ ایسے کم ظرف کو میں اپنا راز دیاں کیوں بناؤں۔
حقیقی راز تو وہ ہے جو دل میں دفن ہو جائے، کسی کو راز رکھنا ہو تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو (شارح)

دنا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا

تو پھر اے سنگِ دل تیرا ہی سنگِ استاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ جب اس کی نظر میں ہماری دنا کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں اور نہ ہی وہ ہمارے عشق کی پکائی کا قائل ہے بلکہ ہماری ان خوبیوں کو سر پھوڑنے کے برابر سمجھتا ہے تو پھر غالب تو ایسے سنگِ دل کو چھوڑا اور اس کے سنگِ استاں پر اپنا سر نہ پھوڑا۔ اور بھی بہت سے حسین و جمیل محبوب ہیں جو تیری دنا داری کی قدر کریں گے تیرے عشق کا مذاق نہ اڑائیں گے۔

قفص میں مجھ سے رودادِ چین کہتے نہ ڈر ہمدم

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا اشیاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ اے ہم سفر اے میرے ساتھی۔ تو جو ابھی گرفتار ہو کر یہاں آیا ہے۔ میں ایک عرصہ سے قید ہوں مجھے کچھ چین کے حالات بتا کہ چین اور اہل چین کی کیا حالت ہے تو جلدی سے رودادِ چین بیان کر دے۔ کل جس اشیاں پہ بجلی گری تھی وہ شاید میرا اشیاں نہ ہو۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ حقیقت کے اظہار میں کسی خوف اور تردد کو ایک طرف اٹھا کر رکھ دیتا چاہیے۔

یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں؟ پر یہ بت لاؤ

کہ جب دل میں تمہی تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ اے شاہدِ حقیقی یہ تو تم نہیں کہہ سکتے کہ ہم دل میں نہیں ہیں۔ تم سے کوئی شے چھپی ہوئی نہیں ہے مگر ہم کو یہ بتا دو کہ جب دل میں تم ہی تم ہو اور تمہارے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے تو پھر میری آنکھوں سے پوشیدہ کیوں ہو۔ کچھ نہ کچھ تو تسکین کے لئے میری آنکھوں کو بھی چاہیے۔

بنایا: اس نے ہر اک شے کو تجلی کا : نظر جس کی ہو دشمن اسی کی نظر دل سے نہاں کیوں ہو؟ شاعر :

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کیسینچو گر تم اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ تم مجھ سے میرے جذبِ دل کی شکایت کرتے ہو کہ تمہارا جذبِ دل ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ بات غلط ہے اگر آپ اپنے آپ کو نہ کھینچیں تو جذبِ دل کو کھینچنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بجائے شکایت کرنے کے تم خود ہی سوچ لو کہ تصور تمہارا ہے یا میرے جذبِ دل کا۔ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو گے تو کشاکش خود بخود دریاں۔ سے ہٹ جائیگی۔

یہ فتنہ آدمی کی خراسانِ دیرانی کو کیا کم ہے

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ تمہارا کسی کا دوست ہو جانا خراسانِ دیرانی کے لئے کافی ہے۔ تم جس کے دوست ہو آسمان اس کا دشمن کیوں ہو۔ تمہاری ہی دوستی دشمنی سے بھری ہے۔ آسمان خواہ مخواہ اپنا نام دشمنوں میں کیوں درج کرے۔

یہی ہے آزمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں

عدو کے ہو لئے جب تم، تو میرا امتحان کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ میرے شق و محبت اور وفاداری کا امتحان اگر لینا تھا تو پھر عدو کے ہونے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر اس سے عمر بھر نبھانے کا وعدہ کر چکے تو پھر مجھے کیوں آزماتے ہو۔ یہ آزمانا نہیں ہے بلکہ یہ تو سراسر ستانا منظور ہے۔

بدنام ہو گئے رہنے بھی دو امتحان کو ۛ دیکھے گا تم سے کون عزیز اپنی جان کو

میر تقی میر

کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی

بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہتو کہ ہاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ کہ تم نے جو یہ کہا کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں بدنامی و رسوائی کیوں ہو۔ کیا وجہ ہے کہ ایسا ہو۔
ہم تم سے بھی تو ملتے ہیں۔ "بجا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہو۔ پھر دوبارہ کہو کہ کیوں ہو۔ مطلب یہ ہے
کہ رسوائی ضرور ہوگی۔

"نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہر ہاں کیوں ہو؟

فرماتے ہیں۔ اے غالب تو ملنے دے کہ اپنا کام نکالا چاہتا ہے۔ وہ تیرے بے مہر کہنے سے تجھ پر
کیوں مہر ہاں ہو۔ معشوق تیری چالوں کو سمجھ گیا ہے پہلے وہ ضد سے جو کچھ اُلٹ کرتا تھا۔
مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔

غزل ۱۲۵

سہیئے اب ایسی بنگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

فرماتے ہیں اس بے وفانا حول سے اس دنیا سے دل بھر گیا نہ یہاں دوستی ہے نہ ہم وطنی کا خیال ہے
ہم سخن جو کہ ہم پیشہ ہیں ان سے دل برداشتہ ہو چکا ہوں۔ اب کوئی ایسی بنگہ چلیں جہاں ان
سب سے نجات حاصل ہو۔

بے درد دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

فرماتے ہیں ۔ اس مادل سے تو بہتر ہے کہ انسان جنگل میں چلا جائے ۔ لکڑی پھونسنے کا ایک گھر بنائے ۔
جہاں نہ در جو نہ کوئی دیوار ہو اور نہ ہی کوئی پڑوسی ہو اور وہاں کسی پاسباں کی بھی ضرورت
نہ ہو تاکہ یہ غم اور لعن طعن کے جو صد مات ماحول کی طرف سے میرے دل کو چھپنی کہتے رہتے
ہیں ان سب سے نہ بات مل جائے ۔

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار

اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

فرماتے ہیں ۔ مذکورہ بالا جگہ پر بیماری کے دنوں میں ان دشمنوں میں سے کوئی تیمار دار بھی نہ بنے گا اور ہم
اگر وہاں اس جہاں فانی سے گزر بھی جائیں گے تو رہنے پینے والا بھی وہاں کوئی نہ ہوگا ۔

غزل ۱۲۶

از مہر تابہ ذرہ ' دل و دل ہے آئنے

طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنے

فرماتے ہیں ۔ آفتاب سے ذرہ تک اس کائنات میں مکمل اتحاد ہے ہر شے ایک دوسرے کے مقابل
بھی ہے مگر پھر بھی اپنے وجود کے لئے دل سے دل ملائے ہوئے ہے منہ سے منہ ملائے ہوئے
اور ایک دوسرے کا سہارا لئے ہوئے اور پھر سب کسی کا سہارا لئے ہوئے ہیں ۔ طوطی شش جہت

میں جس طرف منہ کرے گی مقابل میں آئینہ پائے گی۔ طوطی کو استعارۂ استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات عکسِ خالق ہے اور اسی کا نمودِ حسن ہے جو اپنی ذات میں جب ہی تک قائم ہے جب آئینہ کے سامنے خالقِ حقیقی کا چہرہ ہے۔ جو نبی چہرہ ہے کما سب جلوہ ختم ہو جائے گا۔

غزل ۱۲۷

ہے سبزہ زار ہر درو دیوارِ غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پیرا اس کی خزاں نہ پوچھ
فرماتے ہیں۔ میرے غم کدہ کی یہ حالت ہے کہ درو دیوارِ منہدم ہو چکے ہیں اور خودِ سبزہ ہر جگہ پر اگے آیا ہے جس گھر کی بہار کا یہ عالم ہے اس کی خزاں کا عالم کیا ہوگا۔

ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائیے
دشواری رہ و ستم ہم رہاں نہ پوچھ
فرماتے ہیں راہ کی دشواریاں اور ہم سفروں کے ستم کا حال مجھ سے نہ پوچھو۔ میں نے ہمسایوں کو چھوڑ دیا ہے اب منزلیں خود ہی طے کروں گا اور بے کسی اور تنہائی کی حسرت اٹھاؤں گا۔
منزل بھلائے تو طے کیسے ہم سفر
جو راہبر ہیں آج وہی راہزن بھی ہیں
(جاوید شمس)

غزل ۱۲۸

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
 فرماتے ہیں۔ مجبورِ جنتی کے جلوے چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں اگر اُنکھ اٹھا کر دیکھئے کون سی
 شے ہے جو اس کے خُسن کی نہائش نہیں کر رہی۔ مگر یہ طاقت کس کو ہے ان سب کیفیات کو
 دیکھے اور ان میں جو ہزار حسن ہیں اس سے لطف اندوز ہو سکے۔ دیکھتے دیکھتے آنکھیں خیرہ ہو
 جائیں گے مگر اُس کی نمد توں کی نیزگیاں کبھی بھی ختم نہ ہوں۔ میرا نمیس کفنوی فرماتے ہیں اور
 کیا خوب فرماتے ہیں۔ ۵

جُگل میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں یا معدنِ کوہِ وودشت دورِ یاد دیکھوں
 ہر رنگ میں ہیں تیرے ہزاروں جلوے حیران ہوں دوا نکھوں سے کیا کیا دیکھوں
 ہے رنگ پر براتِ معاشِ جنوںِ عشق یعنی ہنوز منتِ طفلِ ماں اٹھائیے
 معنی۔ برات۔ تنخواہ کی چھٹی

فرماتے ہیں۔ لڑکے جو پتھر راتے ہیں ان پتھروں میں ہماری تنخواہ کی چھٹیاں کمی ہیں جس سے ہماری
 معاش کا سلسلہ جاری ہے۔ لہذا ابھی اور عرصہ تک لڑکوں کے پتھروں کی مار کھانی ضروری
 ہے۔ پھر ہمارا جنوںِ عشق تکمیل کو پہنچے گا۔

دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہے ختم اے خانماں غراب نہ احساں اٹھائیے
 فرماتے ہیں۔ دیوار بھی مزدور کے احساں کا بوجھ نہ اٹھا سکی جو بہت مضبوطی سے بنی ہے۔ تو اے

خانہاں خراب تو دنیا میں کسی کا احسان کیسے اٹھائے گا لہذا دیوار سے عبرت حاصل کر
 زخمِ دل دیکر کا بھی ممکن تھا کچھ علاج : آٹھ تھی اپنی آن کہ احسان اٹھائیے (شارح)
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے یا پردہ تبسّم پہنا لیا اٹھائیے
 فرماتے ہیں : آپ اپنی چھٹی ہوئی مسکراہٹ کی کیفیت سے آگاہی بخشیں کہ وہ کس لئے ہے تاکہ پھر
 میرے زخمِ رشک کا کوئی مددگار سکے یہ میرا یقین بھی کسی عین الیقین بنے
 اک دن تو پردہ رخ تاباں اٹھائیے (شارح)

غزل ۱۲۹

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے بھول پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہیئے
 شاعر آنکھ کو مینانہ اور بھول کو محراب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قبلہ حاجات طنزاً خشک ملایا زائد
 فرماتے ہیں۔ اسے قبلہ حاجات مسجد کے پاس ہی خرابات یعنی مینانہ ہونا چاہیئے تاکہ لوگوں کا امتحان
 لیا جاسکے یہی خالقِ مطلق کا منشا اور حکیم ہے۔ کیا اس نے آدم کے ساتھ شیطان کو پیدا نہیں
 کیا تا نیک اور بدی دونوں اپنا اپنا کام کرتی رہیں جس طرح بھول کے پاس ہی آنکھ ہے محراب
 مسجد کے اندر ہی مینانہ ہے۔ ہر چیز کی ضد ہونی لازمی ہے۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے
 فرماتے ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ بھی کس اور شخص پر عاشق ہو گئے جس طرح ہم آپ پر ہوئے تھے۔ اب
 ان تمام ظلم و ستم کا بدلہ آپ کو ضرور مل جائے گا جو آپ نے ہمارے لئے روا رکھے ہوئے تھے۔

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیئے

فرماتے ہیں۔ اسے تلک تنائیں آرزوئیں سب خاک میں مل گئیں اور میرا دل میں حسرت پرست ہو کر
رو گیا ہے اس دل حسرت پرست کی کیسی تو کوئی آرزو پوری کر دے۔ کچھ اور نہیں کرتا تو کم از کم
داد ہی دے جس سے گزری ہوئی تنائوں کی تلافی ہو سکے۔

یکے میں مر رُخوں کے لئے ہم مستوری تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
فرماتے ہیں۔ ہم نے عینوں کے لئے مستوری یکسی ہے تاکہ مشوڑوں کی ملاقات کریں تو کوئی تحفہ پیش
کر کے مذید تقریب بنائیں۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چلیے
فرماتے ہیں۔ شراب پینے سے میری غرض نشاط و سرور حاصل کرنا نہیں بلکہ میں تو اپنے رنج و غم کو
محو کر جانے کے لیے شراب پیتا ہوں۔ مجھ کو غم نفا کرنے کے لئے دن رات ایک بخودی
کی ضرورت ہے۔

ہے رنگ لالہ گل و نسریں جدا جدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
فرماتے ہیں۔ جس طرح لالہ گل اور نسریں کے رنگ جدا جدا ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ خوبصورت اور
خوشنما ہے اور اپنی بہار دکھا رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی ہے اور اسکی کا ہاتھ ہر جگہ نظر آ رہا
ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گلشن میں بہار آئی ہوئی ہے جس قدر حسن ہم کائنات میں دیکھتے
ہیں وہ سب کے سب شاہد مطلق میں موجود ہیں اور ان سب سے اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر ہو رہی ہیں۔

ق

سر پائے خم پہ چلبے ہنگام بے خودی رُوسوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
فرماتے ہیں۔ بوقتِ بے خودی سر کو پائے خم پہ ہوتا چاہیے جس طرح مناجات کے وقت قبلہ رو ہوتے

ہیں پھر آپ ہی معنی کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یعنی بحسب گردشِ ہیئانہ صفات عارف ہمیشہ مستِ معنی ذات چاہیے
 فرماتے ہیں۔ حسبِ نشا گردشِ ہیئانہ صفات عارف کو چلتے رہنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کی یوں تو تمام صفات ازل وابدی ہیں اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں لیکن پھر بھی اُس کی
 ایک ایک صفات کا دُرِ پل رہا ہوتا ہے اور عارف باللہ کے لئے وہی ایک صفت اہمِ عظم
 ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں مختلف صفات کا پرچار کیا ہے جیسے
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بعثت میں انستقم اور انجبار کی صفت ظاہر کی حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام نے انفقور کی صفت، ہمارے آقا و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ
 کی تمام صفاتِ حسنہِ علویہ کا اظہار کر کے اپنی ذاتِ متودہ صفات کو ذاتِ الہی کا مظہر اتم ثابت کیا ہے۔

نشود نما ہے اصل سے غالبِ فروع کو خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے
 فرماتے ہیں۔ شائیں اصل یعنی جڑ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں۔ یعنی درخت کی جڑ ہوگی تو درخت کی
 تمام شاخیں پھولیں گی۔ انسان جو بات منہ سے کہتا ہے اُس کی اصل یعنی جڑ دہن میں ہوتی
 ہے۔ اس شعر میں اور اس سے پہلے شعروں میں شاعر مطلق اور اس کی صفات کی بات چل رہی
 ہے یہاں بھی اسی میں سے ایک کا اظہار ہے کہ تمام کائنات کا ایک پیدا کرنے والا ہے اور وہ
 عالمِ ظہور سے پوشیدہ ہے جس طرح درخت کی شاخیں باہر اور اُس کی اصل یعنی جڑ پوشیدہ
 ہے۔ علامہ اقبال کا ایک شعر بھی اسی تیسل کا ہے۔ فرماتے ہیں۔

شاعر کی فکر کو پر پر وازِ خاموشی
 سرمایہ دارِ گرمی آوازِ خاموشی

غزل ۱۳۰

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

معنی - چکین، ٹپکنا، ٹکنا۔ بساطِ عجز، سراپہ عاجزی

فرماتے ہیں۔ بساطِ عجز میں دل کی حقیقت ایک خون کے قطرے کی ہے مگر ٹپکنے کی وجہ سے وہ
ہر وقت سرنگوں رہتا ہے۔ عجز نہیں کب ٹپک جائے۔
مطلب اس شعر کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری متاعِ عشق صرف ایک دل تھا اب اس کے
سلسلہ ٹپکنے سے ہر وقت خوف رہتا ہے۔

رہے اُس شوق سے آزرده ہم چندے تکلف سے

تکلف بر طرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

فرماتے ہیں۔ اُس شوق کے ساتھ تھوڑے دن تک بناوٹ سے آزرده خاطر رہے۔ لہذا کیا اُس کا
پاس کیا اُس کا۔ وہ بھی ایک اندازِ جنوں تھا جو شرم و لہاظ سے پیدا ہوا تھا۔

خیالِ مرگ کب سکیں دلِ آزرده کو بخشے

مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زیلوں وہ بھی

فرماتے ہیں۔ ہمارا آزرده و غمگین دل مرجانے کے خیال سے بھی تسکین نہیں پاتا۔ میری تمنا کے دام
میں خیالِ مرگ ایک مریں سا شکار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرضِ عشق ایسا نہیں کہ مر کر بچھا

چھوٹ جائے مجازی عشق حقیقی عشق میں تبدیل ہو جائے گا۔

نہ کرتا کاش نالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا ہمد

کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

فرماتے ہیں۔ اے میرے دردِ کاش میں نالہ و فغاں نہ کرتا تو میرے لیے بہتر ہوتا مجھے کیا معلوم تھا کہ رازِ عشقِ فاش ہو جائے گا اور ضبط نہ کرنے کی دیر سے وہ چھپے ہوئے دے ہوئے سارے غم ظاہر ہو جائیں گے اور بھلے کسی کے یہی نالہ و فغاں باعثِ افزائشِ رنج و غم ہو جائے گا۔ میرا خیال تھا کہ نالہ با اثر ہونے کی صورت میں کامیابی حاصل ہوگی مگر میرا نالہ بے اثر رہا اور اُلٹا باعثِ دردِ دنیا

نہ اتنا بڑش تیغِ جفا پر نازِ سراؤ

مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

فرماتے ہیں۔ اے میرے قاتل تو اپنی بڑش تیغِ جفا پر اتنا نازاں نہ ہو۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تیرے ستم کی تلوار مجھے بار بار قتل کر رہی ہے۔ مگر وہ کیا میرے دریائے بیتابی کی ایک ہلکی سی موج ہی تو ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میرے دریائے بیتابی میں یہ طوفان برپا نہ ہوتا تو تیغِ جفا مجھ پر کوئی اثر نہ کر سکتی۔ (معنی بڑش، کاٹ، بڑش تیغ۔ تلوار کی کاٹ)

مئے عشرت کی خواہشِ ساقیِ گردوں سے کیا کیجئے

لئے بیٹھا ہے اک، دو چار جامِ واژگول وہ بھی

معنی۔ واژگول۔ خالی یا لٹے جام

فرماتے ہیں۔ ساقیِ گردوں سے بیش و عشرت کے جام کی خواہش کیا کریں اس کے پاس بھی ایک دو

جہاں اُٹے پڑے ہیں یعنی خالی۔ ایک در چار مل کر سات آسمانوں کی طرف اشارہ ہے۔

مرے دل میں ہے غالب شوقِ نعلِ مشکادہ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی
یہاں تخلص غالب پر لطف ہے۔ فرماتے ہیں خدا وہ دن بھی دکھائے جب میرا شوقِ نعلِ کلاب
ہوا اور میں پھر اس سے ہجر کا شکوہ بھی کروں۔

غزل ۱۳۱

ہے بزمِ بتال میں سُخنِ آزرده لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے

فرماتے ہیں۔ اُس کا مغل ناز میں بات کرنی محال ہے اس لئے جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ خوشامد
طلب یعنی محبوب سُننا نہیں چاہتا۔ وہ بتِ ناز چاہتا ہے۔ ہم یکنی چٹری باتیں کریں لہذا
ہمارا سخن با ایں دجہ ہم سے آزرده یعنی ناراض ہو گیا ہے اور ہم بھی ان خوشامدِ طلب
محبوبوں سے تنگ آچکے ہیں۔

ہے دورِ قَدَحِ وجہِ پریشانی صہبا
یک بار لگا دو خُمِ مے میسر لبوں سے

فرماتے ہیں۔ صہبا دورِ قَدَحِ کی وجہ سے پریشان رہتی ہے اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے یہ ہماری
تشنگی کو مٹاتی ہے لہذا تھوڑی تھوڑی شراب کے بجائے ایک دفعہ ہی میرے منہ سے شراب کا

شکاں گادو مہیا کی زحمت اور میری تشنگی دونوں مٹ جائیں گی مطلب کی بات کس لطیف انداز سے بیان کی ہے۔

زندہ ان درمے کدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان۔ بے ادبوں سے

معنی۔ طرف۔ مقابل

فرماتے ہیں۔ میاں کے اس پاس جو زندوں کا جگہا رہتا ہے۔ اسے زاہد ان بے ادبوں کے منہ نہ
لگنا یہ بڑے گستاخ لوگ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے شراب کی بُرائی نہ کرنا ورنہ
یہ آپ کی شان میں گستاخی کے مرکب ہو جائیں گے۔

زاہد نہ چھڑان کو مستانے آدمی ہیں : تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں (داغ دہوی)

بے وارِ وفا دیکھ ! کہ جاتی رہی آخر
ہر چہند مری جان کو تھا رابطہ لبوں سے

فرماتے ہیں۔ اے بیدار و فنا دیکھ آخر میری جان میرے لبوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔
حالانکہ ان دونوں میں بڑا انس تھا۔ دونوں میں باہم رابطہ تھا مگر اے یونانی تیری بے وفائی نے
آج اس کو خاک میں ملا دیا۔

غزل ۱۳۲

تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کہتے

فرماتے ہیں۔ ہمارے محبوب کا یہ طریق ہے کہ اگر کوئی ان کی محفل میں ہمارا ذکر کرے تو وہ اس کو نہ کہتے

نہیں، سُن لیتے ہیں مگر اپنے آپ سے کہیں ہمارا ذکر کسی سے نہیں کرتے۔ منع اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں شکایت کا موقع نہ ملے۔

غالب ترا احوال سُنادیں گے ہم اُن کو
وہ سُن کے بلالیں، یہ اجارا نہیں کرتے

فرماتے ہیں۔ کیا خوب قطع ہے۔ اے غالب ہم کوئی دزدوں وقت پا کر تیرا سب احوال تیرے محبوب کو سُنادیں گے مگر یہ ٹھیکہ نہیں لیتے کہ وہ ضرور تجھے بلالیں گے۔ اس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے

غزل ۱۳۳

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

فرماتے ہیں۔ ہمارے گھر میں حسرتِ تعمیر کے علاوہ کوئی اثاثہ ہی نہ تھا۔ جسے تیرا غم برباد کرتا۔ ایک حسرتِ تعمیر تھی جو اُس کے درت بُرد سے محفوظ رہی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں (غالب)

غزل ۱۳۴

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کو دیکھنا، تقریب تیرے یاد آنے کی

فرماتے ہیں۔ غم دنیا سے سر اٹھانے کی فرصت جب کبھی ملے ہے۔ تو سر اٹھاتے ہی فلک پر نظر پڑتی ہے۔ اور چونکہ فلک ہمیشہ سے جفا پیشہ مشہور ہے اس لئے فوراً ہی تیری جفائیں یاد آ کر نئے غم میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ غرض یہ کہ ہیں کسی حالت میں بھی چین نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی غم ہمیشہ دانگ گیر رہتا ہے۔

کھلے گا کس طرح مضمون کے مکتوب کا یارب !
قسم کھائی ہے اس کا قمر نے کاغذ کے جلانے کی

فرماتے ہیں۔ اے خدا میرے خط کا مضمون میرے محبوب پر کس طرح ظاہر ہو گا۔ کہ وہ میرے خط کو پڑھے مگر وہ کافر یہ کہاں کرنے والا ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خط دیکھتے ہی اس کو ملکہ آتا ہے اور وہ میرے خط کو آگ کی نذر کر دیتا ہے تو جلتے وقت خط کا مضمون نمایاں ہو جاتا ہے تا میرے سوز عشق اور آتش فراق کا اُسے پتہ چل جاتا۔ مگر اس نے کاغذ کے جلانے کی قسم کھا رکھی ہے کہ کہیں ان میں میرا مکتوب تو نہیں۔

پلٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے

دلے شکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

فرماتے ہیں۔ ریشم کے کپڑے میں شعلہ آتش کا چھپنا ممکن ہو سکتا ہے لیکن سوزِ غم کو اپنے سینہ میں چھپائے رکھنا بہت مشکل ہے۔ ایسی کوئی محنت میں معام نہیں کیونکہ سوزِ غم شعلہ آتش کے مقابلہ میں بہت باغی و سرکش ہوتا ہے۔ دلا، عاشق تو ریشم کے کپڑے سے بھی نازک ہے!

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اُنھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

فرماتے ہیں۔ کہ انہیں یعنی محبوب کو دلفگار، تیرِ نظر سے گائل شدہ عشاق کو دیکھنا منظور تھا۔
بڑ کہیں رابوں میں پڑے ہائے ہائے کرتے ہوں گے۔ وہ اپنے اس شوق کا اظہار کھلم کھدا تو غیرِ دل کے سامنے کیسے کرتے۔ یہ کہہ دیا کہ ہم ذرا باغ کی سیر کو جاتے ہیں تاکہ وہاں گل دلا کر آنا
دیکھیں۔ ان کے خیال میں دونوں یکساں درجہ رکھتے تھے اور یہ اُن کے بہانے کی شوخی ہے جسے حضرت غالب بھانپ گئے۔

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

فرماتے ہیں۔ ذرا ہماری سادگی یعنی بیوقوفی ملاحظہ کیجئے کہ ہم تیرے التفاتِ ناز پر خوشی سے جاننا کہ
ہے تھے اور تیرے التفات پر فریغ نہ ہو رہے تھے۔ مگر ظالم ترا آنا، آنا نہ تھا بلکہ تو نے جانے
کی تمہید باندھنی تھی۔ اسی وجہ سے آتے ہی چلا گیا تاہم اس کے فراق میں تڑپ تڑپ کر اپنے
آپ کو گھلنے رہیں۔

لگد کو بے حوادث کا تحمل نہ نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اُٹھانے کی

معنی ۔ نلکہ، شوکر۔ دولتی۔ حوادث، حالات

فرماتے ہیں۔ اب ہم ایسے خیف و ناتواں ہو چکے ہیں کہ کسی بارِ حوادث کے اٹھانے کی نہ جہت ہے نہ طاقت۔ یا ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم بُتوں کی ناز برداری میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور ہمارے ذوق و شوق میں کوئی کمزوری واقع نہ ہوتی تھی۔

کہوں کیا خوبی اوصافِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اُس نے، جس سے کی تھی ہم نے بارِ ہانگی

فرماتے ہیں۔ ابنائے زماں یعنی اُس زمانے میں لوگوں کی وضع کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آج کل یہ لوگ نیکی کا بدلہ بدی سے دیتے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کے ساتھ بار بار نیکی کی ان ہی لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی۔ خوبی کا لفظ طنزاً استعمال کیا ہے مطلب بُرائی ہے

غزل ۱۳۵

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
دل جوش گریہ سے ہے ڈوبی ہوئی اُسامی

معنی ۔ ڈوبی ہوئی اُسامی ۔ وہ کاشتکار جو ہل گزاری اور کسی کا قرض ادا نہ کر سکے۔ اور وہ جواری جو ہمیشہ ہارتا ہو۔ آرزو خرامی۔ آرزو مند، جستجو۔ آرزو یعنی ارمان

فرماتے ہیں۔ اے آرزو خرامی تو اپنی دلی مراد سے ہاتھ دھو لے اب تجھے دل سے کچھ حاصل نہ ہو گا بلکہ تمام توقعات ترک کر دے ورنہ یہ ہے کہ جوش گریہ گریہ کے اثر کو کھو بیٹھا ہے اور اب دل محض ایک ڈوبی ہوئی اُسامی ہے جو اپنا قرض ادا کر سکتا ہے اور نہ ہل گزاری۔

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

فرماتے ہیں : میں اُس شمع کی مانند ہوں کہ جس کو کچھ جلنے کے بعد کوئی بجھا دے اور وہ محفل کو روشنی
دینے میں ناکام رہ جائے۔ میرا شمار بھی اُن جلے ہوؤں میں ہے کیونکہ میں بھی ایک داغِ ناتمام
ہوں۔ کاش میں پوری طرح بزم کو روشن کر سکتا۔ لیکن جیسا دوسری جگہ فرماتے ہیں۔
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی نہ اک شمع رہ گئی۔ نہ سو وہ بھی خاموش ہے۔

غزل ۱۳۶

کیا تنگ ہم ستمِ زردگاہ کا جہان ہے جس میں کہ ایک بقیۂ مورا آسمان ہے
فرماتے ہیں : کہ ہم ستم کے اسے ہوؤں کا جہان جیونشی کے انڈے کے برابر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
مظلوم کی دنیا سکڑ جاتی ہے۔ سارا جہاں سٹھڑا نظر آتا ہے۔ اس کا کوئی مددگار یا کوئی پوچھنے
والا نہیں ہوتا اور سماج میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے پر تو سے آفتاب کے دترے میں جان ہے
فرماتے ہیں : چونکہ تو کائنات کا خالق ہے اور تو ہی اس کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ تیرا ہی ذوق اس
کی حرکت یعنی زندگی ہے۔ تیرے ہی سے کائنات کا کاروبار رواں دواں ہے۔ تو اگر اپنا ذوق کم
کے یا ایک گھڑی کے لئے ہٹائے تو تمام کائنات بستی سے گزر کر نیستی میں چلی جائے۔ جس
طرح تیرے پیالے کے آفتاب کے پر تو سے زندگی کا ذرہ ذرہ روشنی پار ہے۔ اسی طرح
اے میرے آفتاب ساری کائنات تیرا پر تو ہر وقت چاہتی ہے۔

حالاں کہ ہے یہ سیٹی خار سے لالہ رنگ غافل کو میرے شیشہ پر مے کا گمان ہے
 فرماتے ہیں۔ سنگِ خار (زمانہ اہل زمانہ) سنگِ خار کی تپسروں یعنی زمانے کی گردش اور سختی نے میرے
 شیشہ کو لال کر دیا ہے مطلب خون ہو چکا ہے۔ غافل نادان تف یہ خیال کہ تلبے کے خراب
 پٹی رکھی ہے۔ حالانکہ شیشہ خون کی شراب سے لبریز ہے اسی وجہ سے آنکھیں شراب سے نہیں
 خون کے آندو بہانے سے سرخ ہیں۔ (شیشہ سے مراد یہاں آنکھیں ہیں)

کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا آوے نیکوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
 فرماتے ہیں۔ اہل ہوس کے دلوں میں ہماری طرح آتشِ عشق نہیں بھڑکتی اسی وجہ سے محبوب نے اُن کے
 دلوں میں جگہ کر لی ہے کیونکہ ٹھنڈی جگہ رہنا ہر کوئی پسند کرتا ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 فرماتے ہیں۔ محبوب کے اس انکار پر کہ اُس نے غیر کو بوسہ نہیں دیا فرماتے ہیں کہ دیکھو ہمارا منہ نہ کھلاؤ ہمارے بھی
 منہ میں زبان ہے یعنی ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ آپ نے غیر کو بوسہ دیا ہے۔

بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے
 فرماتے ہیں۔ جس کو دیوارِ یار کا سایہ نصیب ہو جائے اس کا مرتبہ فرمانروائے ہندوستان سے کم نہیں۔
 یعنی جو محبوبِ حقیقی کے سایہِ عاطفت میں آگیا اس کی نظر میں فرمانروائی کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے
 فرماتے ہیں۔ جو غم یعنی دنیا کے مصائب نے میرے جگر پر ایک زخم کاری لگا کر داغِ ڈال دیا تھا اب جگر

تو مٹ گئی صرف لٹاں باقی رہ گیا ہے بناؤ ایسی حالت میں زندگی کا اعتبار کیسے قائم رہ سکتا ہے

ہے ہمارے اعتماد و فاداری اس قدر غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ ناہربان ہے
فرماتے ہیں۔ ہماری وفاداری پر ہمارے محبوب کو کامل یقین ہے اور وہ جانتا ہے کہ یادِ وجود ہمارے
ناہربان اور بے مہر ہونے کے وہ (یعنی غالب) ہماری محبت سے کبھی کنارہ کش نہیں ہوگا۔ بایں وجہ
وہ دل کھول کر ہم پرستم کر رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارا محبوب ہم سے بالکل لا تعلق نہیں ہو گیا۔
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں : پھر وہی زندگی ہماری ہے (غالب) :

غزل ۱۳۷

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے لمبے !

کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے لمبے !

فرماتے ہیں یہ ساری غزل قطعہ بند ہے اور کسی محبوب کا مرثیہ معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں (مرثیہ دقت۔
دیکھ کر) تیری حالت نزع دیکھ کر میں سخت درد مند و رنجیدہ خاطر ہو رہا ہوں اور تو اس حالت
میں بھی مجھے تڑپتا ہوا بے چین و بے قرار دیکھ کر اور بھی بے قرار ہو رہا ہے۔ تو تو غفلت شعار
اورستم شعار تھا یہ کیا ہوا۔ آج ایسی بھردی۔ یہ تو مجھے تیرے بعد اور بھی سستائے گی۔

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ

تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے لمبے

وے کاش تو نے میری غم خواری نہ کی ہوتی تجھے اس کا خیال نہ آیا ہوتا۔ تو نے میری
غم خواری کر کے اپنے آپ کو رسوا کر لیا۔ مجھ سے محبت کی لیکن خود سے دشمنی مول لے لی۔ اربا

رہوائی زمانہ کی وجہ سے اپنی جان دے رہا ہے ۔

عمر بھر کا تُوٹے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے !

فرماتے ہیں ۔ تو نے ساری عمر وفاداری سے ملتے رہنے کا عہد باندھا تو کیا فائدہ اب تیری عمر نے
ہی تجھ سے وفائے کی عمر کس کی پائیدار ہوئی ہے تو مجھے چھوڑ کر بے قرار تر پڑتا ہوا اس دنیائے
نانی سے جا رہا ہے ۔ افسوس سدا دوس ۔

زہر لگتی ہے مجھے اب وہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے !

فرماتے ہیں ۔ مجھے اب یہ زندگی بہت بُری لگتی ہے کیونکہ یہ تیرے لئے سازگار نہیں تھی ۔ میں تو ایسی زندگی
سے موت کو بہتر خیال کرتا ہوں ۔ یہ بہت بے وفاء ہے

گلِ فِشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا

خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے !

فرماتے ہیں ۔ تیرے ناز و انداز کے جلوہ کیا جوئے جن سے پھول جھڑا کرتے تھے اور اب یہ وقت
ایا ہے کہ ہم تیری قبر پر پھول رکھ کر لالہ کاری کر رہے ہیں ۔

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے

فرماتے ہیں۔ رسوا ہو جانے کی شرم سے تو نے اپنے آپ کو زمین کا پتہ بند بنا لیا اور اپنے چہرے
پر خاک کی نقاب ڈال لی۔ تجھ سے زیادہ عشن و محبت کی پردہ داری کرنے والا اور کون ہو سکتا
ہے تجھ پر یہ بات ختم ہو گئی۔

خاک میں ناموسِ بیابانِ محبت مل گئی
اٹھ گئی دنیا سے راہِ درسم یاری ہائے

فرماتے ہیں۔ تیرے اس دارِ نانی سے چلے جانے سے بیابانِ محبت کی عزت و ابرو بھی مر گئی۔ اب تیرے
بیدار محبوب کبھی دنیا میں نہیں آئے گا۔ راہِ درسم یاری بھی تیرے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔

ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک گئے نہ پایا زخمِ کاری ہائے

فرماتے ہیں۔ ہائے انوس کہ دستِ قاتل اپنا کام کہ نہ سے پہلے ہی ناکارہ ہو گیا میری ترغابش تھی کہ حسبِ
مراد تیری تلواروں کے خوب زخم اپنے دل بگڑ بگڑاؤں لیکن یہ میری تمنا آدھوری ہی رہ گئی مطلب
یہ کہ تیرے ناز و انداز سے جی بھر کے لطف اندوز نہ ہو پایا۔

کس طرح کاٹے کوئی شبِ ہائے تاریکِ گال
ہے نظرِ خو کردہ اختِ شہاری ہائے

فرماتے ہیں۔ ہم تو مادی ہو چکے تھے کہ برسات کی راتوں میں تیرے انتظار کی گھڑیاں اور فراق کی راتیں
دور رو کر کاٹیں۔ اب ہم کس طرح آنے والی برسات کی راتیں کاٹیں گے غم کو شب ہائے تار سے
نشیہ دی ہے اور بڑا کمال رونے کا استعمال کیا ہے۔ رونے آئے گئے کے لب پارہ ہی کیا ہے۔

گوش مہجور پیام و چشم محرم جمال
ایک دل تس پر یہ نا امید واری ہائے

فرماتے ہیں۔ کان تو پیام یا رسنے سے معذور ہو گئے ہیں اور آنکھوں کو جمال یا رس کے نظارے سے محروم کر دیا
گیا ہے میرے یکہ جھوٹے سے دل پر یہ دوز بردست بلائیں نازل کر دی گئی ہیں۔

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی دشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے

فرماتے ہیں، غالب میرے عشق نے ابھی دشت کا رنگ نہیں پکڑا تھا یعنی درجہ کمال کو نہ پہنچا تھا اور
نہ ہی حالتِ جنون نے گیرا تھا یعنی معرا نور دی بھی شروع نہ ہوئی تھی کہ میرے محبوب نے رسوائی
کے خوف سے اپنی جان دے دی۔ مالا نکہ میرے دل میں ذوقِ خواری پوری طرح موجزن ہونے
نہ پایا تھا۔

غزل ۱۳۸

مرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

فرماتے ہیں۔ مرگشتگی کے سبب زندگی سے دل بھر گیا تھا اور میں نا امید ہو گیا تھا، اب تسکین کو

خوشخبری دینی چاہیئے کہ زندگی کا خاتمہ ہوتے ہی اپنی سرگردانی سے کلی طور پر نجات مل جائے گی
جس سے سکون حاصل ہو جائے گا۔۔۔ معنی گشتِ گل جوشِ وحشت، پریشانی، سرگردانی

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر

اتک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

فرماتے ہیں۔ میرا محبوب میرے آوارہ دل کی خبر نہیں لیتا حالانکہ اس آوارہ کو میں کب سے کدو
چکا ہوں۔ لیکن میرے محبوب کو یہی لگتا ہے کہ وہ میرے ہی پاس ہے۔

کچھ بیاں سُردرتِ غم کہاں تلک

ہر مُو مرے بدن پہ زباںِ سپاس ہے

فرماتے ہیں۔ سُردرتِ غم عشق کا کہاں تلک بیان کر دوں۔ یہ خوشی ایسی ہے جو ختم نہیں ہوتی مطلب
یہ ہے کہ میرے بدن کا رُو آں سُردرتِ غم دینے والے کا شکریہ ادا کر رہا ہے

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا

ہر حیدائش کے پاس دلِ حق شناس ہے

فرماتے ہیں۔ میرا حق شناس دل کب کا اس کے پاس پہنچ چکا ہے جو ہر وقت اُسے وفاداری کا
سبق پڑھاتا ہے۔ مگر وہ اپنے غرورِ حسن کی وجہ سے اس قدر بے پردہ ہے کہ سنی اُن سنی ایک کر
دیتا ہے ماسی وجہ سے وہ آج تک بیگانہ وفا ہے اور جانتا ہی نہیں کہ فنا کس چڑا کا نام ہے۔

پی جس قدر ملی شبِ مہتاب میں شراب

اس بغنی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

فرماتے ہیں۔ شبِ ہفتاب میں جس قدر شراب میسر آتی ہے بغرض علاجِ پی لیتا ہوں چونکہ میرا مزاج بلغمی ہے اور بلغم کی شدت میں شراب سے کمی آجاتی ہے اور میرے لئے مفید ہے شبِ ہفتاب ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے شراب کی حدت کم کرتی ہے اور شراب کے نقصانات سے بچاتی ہے۔

ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرفِ اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اُداس ہے

فرماتے ہیں۔ اے اسد ہر ایک مکان کو اس کے رہنے والوں کی نسبت سے شرف حاصل ہوتا ہے جب سے مجنوں مر گیا ہے تو جنگلِ اُداس ہے، اُداسی کا شکار ہے مطلب یہ ہے حقیقی جنونِ عشق کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ صحرانوحی مجنوں کی موجودگی سے جو امیدوار تھے تمنا اس کے مرنے کے بعد وہ اس امتیاز سے محروم ہو گیا۔

غزل ۱۳۹

گر خاموشی سے فائدہ اخفاٹے مال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی مُحال ہے
فرماتے ہیں۔ اگر خاموش رہنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دل کا حال کسی پر ظاہر نہیں ہوتا تو یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ میرا کہنا نہ کہنے کے برابر ہے۔ اکثر لوگ میرا کلام نہیں سمجھتے۔

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ؟ دلِ فردِ جمع و خرجِ زباں لال ہے
فرماتے ہیں۔ بہت کچھ سنانے کے لئے تھا مگر لوگ سمجھتے نہیں تاہم زبانِ لال ہے یعنی کچھ کہتا نہیں اور

نہنے سے حسرت اظہار کا گلہ ہے۔ مگر گلہ شکوہ بھی کس سے کر دیں۔ جانتا تو بہت کچھ ہوں یعنی آمد ہے خرچ نہیں اس تمام کا حساب دل رکھتا ہے جو فرد جمع و خرچ کا نعم البدل بنا ہوا ہے۔

کس پر دے میں ہے اُمید پرواز اے خدا ! رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
فرماتے ہیں اے خدا کس پر دے میں چھپی ہوئی تیری رحمت اُمید پرواز ہے یعنی اُمید کو معطل کر رہی
ہے۔ اُسے تو ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ میرا لب بے سوال عذر خواہ معصیت ہے یعنی شرم کی وجہ
سے میرے لب سوال نہیں کرتے کہ تیری تجلی جلوہ گر ہو، اُمید پرواز۔ جلوہ گر۔ جلوہ فرما

بے خدا نخواستہ وہ، اور دشمنی اے شوقِ منفعل! یہ تجھے کیا خیال ہے
معنی۔ منفعل۔ شرمسار۔ اثر قبول کرنے والا۔
فرماتے ہیں۔ اے شوقِ منفعل! جو اس خیال سے اثر لے رہا ہے کہ اس شوق نے میرے ماتہ
دشمنی کی ہے یا وہ آئندہ کرے گا۔ خدا نخواستہ وہ ایسا جرم کیوں کرنے لگا ہے۔ یہ تیرا خیال
غلام ہے۔

مشکیں لباسِ کعبہ علی شکرِ قدم سے جان نافِ زمیں ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
فرماتے ہیں۔ (یہ شعر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ہے) یہ غلافِ کعبہ جو کہ مشکیں یعنی
سریگیں رنگ کا ہے۔ اس کو نافِ غزال کی مشک نے سریگیں نہیں کیا ہے بلکہ حضرت علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں کے اثر سے ہوا ہے۔ اس شعر میں ان دونوں واقعات کی طرف
اشارہ ہے کہ اول آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ دوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاغذوں
پر چڑھ کر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تھا۔

وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے
 فرماتے ہیں۔ میرے جہانِ عشق کے لئے دنیا کا میدان بہت تنگ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زمین اس
 کمزوری کی وجہ سے عرقِ انفعال میں ڈوبی رہتی ہے۔ یعنی ندامت کے پسینہ میں

ہستی کے سمت فریب میں اُجاڑا ہوا اسد عالم تمام حلقہ طامِ خیال ہے
 فرماتے ہیں۔ دنیا محض ایک دھوکہ ہے۔ اس کے فریب میں آنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ یہ دنیا
 ایک دن فنا ہونے والی ہے

غزل ۱۴۰

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کہو دکھو دکھ کے پوچھو
 حذر کرو میرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

فرماتے ہیں۔ میرے دل میں شکایتیں بھری پڑی ہیں جس طرح چوہے میں آگ دبی پڑی ہوتی ہے۔ اگر اس کو
 کہیں دیکھے تو آگ بھڑک اُٹھے گی۔ لہذا تم مجھ سے اپنی شکایتیں کہو دکھو دکھ نہ پوچھو ورنہ یہ آگ بھڑک اُٹھے
 گی۔ اور دل کی باتیں دشمنی کی آگ میں تبدیل ہو جائیں گی۔

دلایہ دردِ الم بھی تو مُغتنم ہے کہ آخر
 نہ گریہ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

فرماتے ہیں۔ اے میرے دل درد و غم کو بھی غنیمت جان کہ جب یہ نہ ہوگا تو زندگی بھی نہ ہوگی۔ پھر نہ
 گریہ سحری باقی رہے گا اور نہ آہِ نیم شبی۔ رسنی مُغتنم، غنیمت ہے۔

غزل ۱۴۱

ایک جا حرفِ وفا کھاتا تھا وہ بھی مٹ گیا ظاہر اکاغذ تم سے خط کا غلط بردار ہے
معنی - غلط بردار - وہ کاغذ جس پر سے حروفِ مٹائے جاسکیں یا خود مٹ جائیں۔
فرماتے ہیں - آپ نے اپنے خط میں ایک جگہ حرفِ وفا کھاتا تھا وہ بھی مٹ گیا، اس سے پتہ
چلا کہ آپ کے خط کا کاغذ غلط بردار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے سچے دل سے حرفِ وفا نہیں
کھاتا اس لئے وہ خود بخود ہی مٹ گیا۔

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتامی پر نہ کیوں ہم نہیں چلتے نفس ہر خیز آتش بار ہے
فرماتے ہیں - ہمارا ذوقِ فنا کیا ہے۔ فنا فی اللہ ہونا اور اس کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کرنا۔ مگر ہمارا اس ذوقِ فنا
کیا ابھی تک یہ حاصل نہیں ہوا اس ناتامی اور ناکامی پر ہمارا دل ہر وقت جلتا رہتا ہے۔ یہ رنج و ملال
بہیں کھلے جاتا ہے۔ یعنی یہی حالت ظاہر میں بھی ہے کہ ہم سانس لیتے ہیں جس میں آگیں ہے جو داخل
ہو کر ہمارے جسم کے انجن کو چلاتی ہے۔ خوب آگ بھڑکاتی ہے مگر ہم جل نہیں جاتے، ہر چند کہ ہمارے آتش باز
آگ سے پانی میں بجتے وقت اٹھتی ہے صدا۔ ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے ناچار ہے
فرماتے ہیں - آگ شور و غوغا کرنے والی شے نہیں ہے مگر اس کو پانی میں ڈالیں تو ایک آواز اس کے
بجھتے وقت نکلتی ہے اس سے پتہ چلا کہ زندگی سب کو پیاری ہے اور مصیبت کے وقت
ہر کوئی رنجور ہو جاتا ہے کہ نالہ ڈفریاد کرے۔

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوے سے زمیں تا آسمان سرشار ہے

معنی - عذر خواہ - معافی چاہنے والا

فرماتے ہیں - در سے درے کی بدستی و غفلت کا مقدرت چاہنے والا خود خالق مطلق ہے جس کے

جلوؤں کی تابانی سے زمین و آسمان میں رشا رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی رحمت خود ہی نقاشا کرتی ہے کہ وہ
اپنی مخلوق پر رجوع بہ رحمت ہو۔ اس کی رحمت ہر شے کو اپنے اندر لپیٹ لے گی۔

بھسے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی

زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

فرماتے ہیں۔ تو مجھ سے یہ مت کہہ کہ تو تو شدتِ محبت میں ہم کو اپنی زندگی قلمو دیتا تھا تو جان لے کہ
وہ وقت گزر گیا مجھے اُس وقت اپنی زندگی بہت پوری تھی۔ اب تو میں اپنی زندگی سے ہی بہت
بیزار ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان خود اپنی زندگی سے ہی بیزار ہو جائے تو اُسے کوئی چیز
ابھی نہیں ملتی چاہے وہ محبوب (مجازی) ہی کیوں نہ ہو۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔

آنکھ کی تصویر سہ نامہ پہ کھینچی ہے کہ تا

تجھ پہ کُمل جائے کہ اُس کو حسرت دیدار ہے

فرماتے ہیں۔ میں نے خط کے الفاظ پر آنکھ کی تصویر بنا دی ہے تاکہ محبوب یہ بات سمجھ جائے کہ میری
آنکھیں اس کی دید کا منتظر ہیں اور میں دل میں حسرت دیدار لئے بیٹھا ہوں۔

غزل ۱۴۲

پنیں میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے

کنہا بھی کہہ اداں کو بدلتے نہیں دیتے

فرماتے ہیں۔ اگر کبھی میرا محبوب میری گلی سے گزر کر کہیں جاتا ہے تو کہا اداں کو کنہا بھی بدلتے کی

اجازت نہیں دیتا۔ مجھ سے نفرت سہی لیکن میری گلی نے اُن کا کیا بگاڑا ہے۔
 دوسرے معنی یہ بھی ممکن ہیں کہ وہ اپنی دید کا سہیں ذرا سا بھی موقع نہیں دینا چاہتے۔ کہ کہیں
 کہاؤں کے کہنا بعد لیتے وقت ہم ان کی پاکی کا نظارہ نہ کر لیں۔

غزل ۱۴۳

مری ہستی فضا میں حیرت آباد تھا ہے جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا علقہ ہے
 فرماتے ہیں۔ میرا وجود میری ہستی (یعنی انسان کا) مقام حیرت کی تمنا لئے ہوئے ہے۔ اور اسی
 لئے یہ نالہ و فریاد اسی ہستی عالم کا ایک موبہوم پرندہ ہے جسے غفلت کہتے ہیں۔
 مطالب شعر کا یہ ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی طرح اپنے خالق کو دیکھے اور مقام حیرت کو آباد
 کرنے والا بن جائے۔ اسی لئے وہ اپنی زبان سے اپنے حال سے نالہ و فریاد کر رہا ہے۔ مقام
 حیرت، وہ مقام ہے جہاں طالب کو مطلوب کی تجلی ہوتی ہے۔

وفا کے دلبر الہیے اتفاقی اور نہ اے بہم اثر فریادِ دل ہے۔ مئے حزیں کا کس نے دیکھا ہے
 فرماتے ہیں کسی معشوق کا وفادار ہونا ایک اتفاقی امر ہے۔ اے بہم بایں وجہ ہم نالہ و فریاد کے اثر کے
 قائل ہی نہیں ہیں۔ معشوق عاشق کی محبت اور نالہ و فریاد سے ہاتھ نہیں آتا۔

خزاں کیا؟ فصل گل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو

وہی ہم نہیں، قص ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

نباں بابل سے فرماتے ہیں۔ کیسی خزاں کہاں کی فصل گل کوئی موسم ہو۔ ہم تو قصیر، اپنے بال
 و پر کا ماتم کر رہے ہیں۔ ہماری حالت میں کسی وقت کسی موسم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہیں
 ایک ہی کام ہے کہ اپنے بال و پر کا ماتم کرتے رہیں۔

نہ لائی شوخی اندیشہ تابِ رنج تو میدی
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

فرماتے ہیں۔ میرے غور و فکر کی شوخی، ناامیدی کے رنج و دلال کی تاب نہ لاسکی۔ اس لئے تجدیدِ تمنا کے لئے میں کفِ افسوس ملتا ہوں یعنی دوبارہ اپنی امید کو دل میں قائم کرتا ہوں مطلب یہ ہے کہ میں جو عالمِ یاس میں کفِ افسوس ملتا ہوں وہیں اپنی تمنا کی تجدید کرتا ہوں جیسے کوئی بیعت کر کے اپنے ایمان کا اعادہ کرتا ہے۔
نہ بے مغل ہوں نہ رنگینی بہا ہوں میں : صبا کی طرح پریشان سبے قرار ہوں میں (سیاب)

غزل ۱۴۴

رحم کر ظالم، کہ کیا دودِ چراغِ گشتہ ہے
نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ گشتہ ہے

معنی۔ دودِ چراغِ گشتہ (بیمارِ وفا) استعارہ۔ بجھے ہوئے چراغ کا دھواں
فرماتے ہیں۔ رحم کر ظالم بیمارِ وفا پر۔ میری ہستی ہی کیا ہے۔ میری تو نبض بھی دودی ہو چکی ہے مطلب یہ ہے کہ میری تو نبض بھی بجھے ہوئے چراغ کے دھوئے کی مانند ہو چکی ہے۔

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے یہیں
ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ گشتہ ہے

فرماتے ہیں۔ دل لگی کی آرزو یہیں بے چین رکھتی ہے جس طرح چراغ کی رونق اُس کی روشنی جلتے سے ہے مگر بتناؤ جلتا ہے اس کا تیل اور جتنی جل کر دھواں بن جاتا ہے اور جب چراغ نہیں جلتا تو چراغ کی بے رونقی چراغ کے لئے مفید ہے۔

غزل ۱۴۵

چشمِ خواباں خامشی میں بھی نوا پر داز ہے
سُرمہ تو کہو سے کہ دُور شدلہ آواز ہے

فرماتے ہیں جینوں کی آنکھیں خاموشی میں بھی باتیں کرتی ہیں اور اپنے چاہنے والوں کو محبت بھرا پیام
دیتی نظر آتی ہیں چونکہ جو سُرمہ و کابل اپنی آنکھوں میں وہ لگاتی ہیں وہ شعلہ آواز کا دھواں ہے
اور اس ذریعہ سے وہ اپنے چاہنے والوں تک اپنا پیام خاموشی کے ساتھ پہنچا دیتی ہیں۔ اسی وجہ
سے اُن کے سُرمہ کو قوتِ گویائی نصیب ہوتی ہے۔

پیکرِ عشاق، سازِ طالعِ ناباز ہے
نالہ گویا گردشِ ستیاریہ کی آواز ہے

فرماتے ہیں۔ پیکرِ عشاق یعنی عاشقوں کے بدنِ بے غیبی کے ساز ہیں جس کی وجہ سے وہ نالہ و فریاد
کرتے ہیں۔ اور اُن کے نالے بہت ستاروں کی آواز ہے۔

دستِ گاہِ دیدہ خنوبارِ مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوہ گلِ فرشتہ پاندا ہے

فرماتے ہیں۔ مجنوں کے دیدہ خنوبار کی دستِ گاہ ملاحظہ کیجئے کہ اس نے کس طرح بیاباں (جلوہ گل)
کو فرشتہ پاندا بنا دیا ہے کہ سیلوں میں تک بیاباں جلوہ گل کا زلزلہ پیش کر رہا ہے۔
صحرا میں بھی گل کھلتے ہیں آتی ہیں بہاریں ۛ موسم کا آخر وقفِ گلستاں نہیں ہوتا
(آزادہ دہلوی)

غزل ۱۴۶

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تری شہرت ہی سہی
فرماتے ہیں کہ تو میرے عشق کا قائل نہیں ہے اور بقول تیرے مجھے تجھ سے عشق نہیں ہے وحشت
ہے مگر میرے اس دعویٰ عشق سے تیرے حسن کی شہرت خوب ہو رہی ہے۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
فرماتے ہیں کہ تم ہم سے قطع تعلق نہ کرو کسی نہ کسی قسم کا تعلق تو رہنا چاہیے۔ تم اگر اپنے دل میں ملے
لئے لگاؤ، محبت نہیں پاتے نہ سہی، ہم تمہاری دشمنی کو بھی غنیمت خیال کریں گے بلکہ عزیز رکھیں گے۔

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
فرماتے ہیں کہ اگر آپ مجلس میں مجھ سے ملنا باعث رسوائی خیال کرتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔
آپ ہم سے چھپ کر خلوت میں ملیں۔ یا اس کے برعکس آپ مجلس میں مجھ سے ملیں اگر خلوت
میں اپنی رسوائی سمجھتے ہو۔

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
فرماتے ہیں کہ آپ کو غیر کی محبت کا یقین ہے آپ اُسے سچا عاشق سمجھتے ہیں تو سمجھو پھر ہم اپنا
دقت کیوں ضائع کریں۔ ہم اپنا نقصان کیوں کریں۔ آخر ہم اپنے دشمن تو نہیں۔
محبت ہے تو غم کھانا پڑے گا نہ ہر اک طوفان سے ٹکرانا پڑے گا (مادق دہلوی)

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

فرماتے ہیں۔ اپنے آپ کو جاننا ضروری ہے اپنی صلاحیتوں کا محاسبہ کرنا عرفان الہی میں مددگار و معادن ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“ جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور خود اپنی ہستی کو متعلقہ کاموں میں لگانے سے یا تو آگہی یعنی علم حاصل ہوگا یا کم از کم غفلت یعنی ناکامی کی وجہ سے تجربہ حاصل ہوگا اور ہم آئندہ احسن طریق سے دو کام کر سکیں گے۔

عمر بر حیند کہ ہے برقِ خرام دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

فرماتے ہیں۔ عمر کی تیز رفتاری واقعی بھل کی چمک کے مانند ہے۔ پھر بھی دل کے خون کرنے کی فرصت اگر مل جائے تو وہ بھی نیست ہے۔

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی

فرماتے ہیں۔ ہم وہ عاشق نہیں ہیں کہ عشق کی تکلیفوں سے گھبرا کر ترکِ وفا کر بیٹھیں۔ عشق اگر مصیبت بھی بنے تو پھر بھی مشق ہے۔ جو لذتِ عشق کے دلداد ہیں وہی اس کی قدر جانتے ہیں۔

کچھ تو دے اے ناکِ نالِ صاف آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

فرماتے ہیں۔ اے ناکِ نالِ صاف کچھ تو دے اگر میری امید بڑ نہیں آتی تو نہ سہی کم از کم فریاد کی مہلت تو دے۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تیری عادت ہی سہی

فرماتے ہیں۔ ہم بھی لکشتش کر کے اور اپنی طبیعت پر جبر کر کے رفتہ رفتہ تسلیم و رضا کی عادت پیدا کریں گے۔

یار سے چھوڑ پٹلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
فرماتے ہیں۔ تعلق رہنا ضروری ہے چاہے دل لگی کی خاطر سے ہی ہو اگر وصل نصیب نہ ہو نہ سہی
حسرت اظہار وصل میں بھی ایک لذت ہے۔

غزل ۱۴۷

ہے آرمیدگی میں نیکو ہش بجائے مجھے
صبح وطن ہے خندہ دندان نما۔ مجھے

معنی۔ آرمیدگی۔ بحالت آرام، نیکو ہش، ناکامت، سرزنش۔
فرماتے ہیں۔ آرام ہے پڑے رہنے کی وجہ سے میں ہر طامات کا منزاوار ہوں اسی لیے ہر صبح وطن مجھے ایک
ہی حالت میں پا کر میرا تسخیراتی ہے (صبح وطن یعنی ایک ہی حالت پر قیام) مطلب یہ ہے مجھے
عبادت کرنی چاہیے۔ اس شایستگی کی طلب یہیں جستجو کرنی چاہیے تا مقصدِ حیات پورا ہو۔

دھونڈے ہے اُس مُغنی آتشِ نفس کو جی

جس کی صدا ہو جلوہ برقِ فنا مجھے

فرماتے ہیں۔ میرا دل ایسے مُغنی کو دھونڈتا رہتا ہے جس کا آتشیں نغمہ میری ساری خواہشات کو بجلی بن

کراٹا جانا جل کر راکھ کر دے اور اس خاک کے بعد مجھے ایک نئی زندگی نصیب ہو یعنی وہ ایک کابل
'فانی امڈ ہو۔'

مستان طے کروں ہوں رو وادی خیال
تا باز گشت سے نہ رہے مُدعا مجھے

فرماتے ہیں۔ اپنے خیالوں کی وادی میں رستانہ دار راستہ طے کر رہا ہوں۔ تاکہ مجھے پٹ کر واپس
لے کر کوئی مطلب کوئی غرض نہ رہے۔ (بازگشت لٹنا۔ پلٹنا)

کہتا ہے بس کہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکبت گل سے حیا مجھے

فرماتے ہیں۔ باغ دنیا میں تو نے اپنے آپ کو بے حجاب کر رکھا ہے یعنی یہاں کی ہر اک شے میں تیرا
جلوہ بڑی شان و شوکت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے بھی نکبت گل سے حیا
لگے گی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا دل بھی ان جلووں کو عکس کرنے لگا ہے۔

کھتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

فرماتے ہیں۔ میرے دل کا معاملہ یعنی راز و عشق کسی پہ کیوں ظاہر ہوتا مگر شعروں کے انتخاب نے سارے
زمانہ کو میرے خیالات سے آگاہ کر دیا۔ اور اس طرح میری شہرت رسوائی کی حد تک پہنچ گئی۔
ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام؟ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
(شیفہ)

غزل ۱۴۸

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

فرماتے ہیں۔ اے غالب اگر زندگی ایسے ہی مصائب اور تکلیفوں کے ساتھ گزرتی رہی تو ہم کسی سے کس طرح کہہ سکیں گے کہ ہمارا خدا بہت رحیم و کریم ہے بڑے انفصال کرنے والا ہے خدا تعالیٰ کے رحم کو مذہب کہنے کے لیے، یا انڈیا زبان اختیار کیا ہے نہ کہ بطور شکایت۔

غزل ۱۴۹

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے

بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

فرماتے ہیں۔ اُس کی بزمِ ناز میں حیا ہوتے ہوئے کچھ بس نہیں چو باوجودیکہ غیر سے اُن کے اشارے متواتر ہوتے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں غیرت کے ساتھ چُپ بیٹھا رہا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

دل ہی تو ہے سیامتِ درباں سے ڈر گیا

میں، اور جاؤں در سے تم سے بن صدا کیے

فرماتے ہیں۔ میرا دل درباں کی سیامت سے خوفزدہ ہو گیا۔ ورنہ یہ کہاں ممکن ہے کہ میں تیرے در سے

بغیر صدائیے گزر جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ کمزور دل والے بعض دفعہ صاحب اقتدار حکومت کے جابر حکمران کے ڈسے اپنی آواز بلند نہیں کرتے، اگر سیاسی دربانوں کا ڈرنہ ہو تو حق گو انسان ہر بات آزادی سے کر سکتا ہے۔

رکتا پھروں ہوں غرقہ و سجادہ گرئیائے

مَدّت ہوئی ہے دعوتِ آبِ دہوا کیے

فرماتے ہیں۔ شراب کے بدلے اپنا غرقہ اور سجادہ گرویں رکتا پھرتا ہوں کیونکہ ایک عرصہ سے موسمِ بہار کی دعوت نہیں کی یعنی شراب نوشی نہیں کی ہے۔

بے صرفہ ہی گزرتی ہے، ہو گر چہ عمرِ خضر

حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے؟

فرماتے ہیں۔ انسان دُنیا کے دھندل میں اس قدر پھنس جاتا ہے کہ جان چھڑائے نہیں چھوٹی، مقصد پیدائش جو قدامتِ بایا قَوْمِ اخلاقت الجن والانس الایعبدون "اس ہے غفلت ہی رہتی ہے، اور عمر کا یہ حال ہے کہ بے مصرف ہی گزرتی چلی جاتی ہے، اگرچہ وہ حضرت خضر کی ہی عمر کیوں نہ ہو۔ ان کی عمر کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ میکا و ضرہ گزرے گا، حضرت خضر بھی کل کہیں گے کہ ہم گنجلے میں کیا کرتے رہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ اے لئیم!

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے؟

فرماتے ہیں۔ اگر مجھے ایسی قدرت ہو کہ میں خاک کا زبان میں بات کر سکتا۔ تو میں ضرور ہی اس سے یہ پوچھتا کہ تو نے اُن قیمتی خزانوں کا کیا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو بڑے بڑے انسان تیری آغوش

میں آئے تو تو نے اُن سب کو خاک میں ملا دیا۔ حتیٰ کہ اُن کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

کس روز تہمتیں نہ تراش کیئے عدد

کس دن ہمارے سر پہ نہ آسے چلا کیئے؟

فرماتے ہیں۔ وہ کون سادہ شاہ کہ ہمارے دشمنوں نے ہم پر تہمتیں نہ باندھی ہوں اور تم نے اُن جھوٹی

باتوں کو سچا سمجھ کر ہمارے سر پر ظلم و ستم کے آسے نہ چلائے ہوں۔

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو

دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیئے

فرماتے ہیں۔ غیر کی صحبت میں تو کہیں اس کو یہ عادت نہیں پڑی ہے کہ وہ بغیر مانگے بوسہ دینے لگا ہے

اس دہم نے وصل کی خوشی کو غم میں بدل دیا اور ہم وصل سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ واہے قسمت۔

خدا کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں

بھولے سے اُس نے سینکڑوں عابے فدا کیئے

فرماتے ہیں۔ خدا کی اور بات ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرے جبکہ وہ اپنی ضد کو محمول

گی تو سینکڑوں مرتبہ اُس نے اپنے وعدوں کو پورا کیا جس سے اس کی فطرت کا پتہ چلتا ہے

کہ وہ بُری نہیں۔

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا؟

مانا کہ تم کہا کیئے اور وہ ٹنا کیئے

فرماتے ہیں۔ اے غالب ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم محبوب کو اپنی پریشان حالی سے آگاہ بھی کرتے رہو

گئے اور وہ سنتا بھی رہے گا لیکن اس کا جواب کیا ہو گا۔ صرف خاموشی سے

یاں لب پہ سو ہزار سخن اضطراب ہیں
واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

غزل ۱۵۰

وقتِ عمر قطع رہ اضطراب ہے اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب سے
فرماتے ہیں۔ حالتِ اضطراب میں جو عمر گزرتی ہے اس کا حساب شمسی کلیڈر سے نہیں بلکہ برقی
کلیڈر سے چاہیے کیونکہ ایک تو عمر کی رفتار بہت تیز ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ
حالتِ اضطراب میں ہے۔

مینڈے مے ہے سر و نشاطِ بہار سے بالِ تابدو جلوۂ موجِ شراب ہے
معنی۔ تددو = ایک قسم کا پرندہ
فرماتے ہیں۔ مینڈے مے نشاطِ بہار کے سبب سے سر و سعی محبوب کا مد مقابل ہو گیا ہے اور موجِ شراب
کی لہریں تددو پرندہ کے بال و پر کا منظر پیش کر رہی ہے۔

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
معنی۔ پاشنہ = ایڑی گوں = مطلب، غرض، خواہش
فرماتے ہیں۔ مشق میں پائے ثبات کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے نہیں بھاگنے کے قابل ہوں اور نہ ہی کھڑا
رہنے کی طاقت پاتا ہوں مطلب یہ ہے کہ میدانِ عشق میں جو بہت سے مصائب جھیلنے پڑتے

ہیں۔ اُن سے گھبرا کر انسان چاہتا ہے چھوڑ دے مگر ساتھ ہی اس کی دل کشی ایسی ہے کہ
چھوڑنے کو دل بھی نہیں چاہتا۔

جادِ بادِ بادہ نوشی زنداں ہے شش بہت غافل گداں کو ہے ہیکہ گیتی خراب ہے

معنی۔ بادہ۔ شرابِ عرفان، زنداں۔ عارفِ مرگ
فرماتے ہیں۔ (یہ شعر کھلا کھلا تصوف میں ہے) عارفوں کو برجِ معرفت کے شش بہت یعنی ساری
دنیا اپنی ہی جائداد نظر آتی ہے۔ وہ رات دن صبح و شام شرابِ عرفان پیتے رہتے ہیں۔
اور خدا کی غلطی کے بلوں سے مسح ہوتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو ذاتِ خداوندی سے
غافل ہیں۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا خراب ہے مگر شرابِ عرفان نوش کرنے والے
ہر بات میں ہر منظر میں تجلیاتِ الہی کے نظارے کرتے ہیں۔

نظارہ کیا حریف ہو اُس برقی حُسن کا جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے

معنی۔ حریف۔ ہم پیشہ، دشمن، بد مقابل جوشِ بہار۔ نمودِ حسن، ظہورِ عالم
فرماتے ہیں۔ ظہورِ عالم ایک طرف شاہِ حقیقی کے حُسن کی نمائش کر رہی مگر ساتھ ہی اس کو دیکھنے سے
روک بھی رہی ہے اور وہ محبوبِ حقیقی کو چھپائے ہوئے بھی ہے یعنی اس کے لئے نقاب بنی
ہوئی ہے مطلب یہ ہے کہ نظارہ اُس برقی حُسن کا دشمن نہیں ہے بلکہ خود جوشِ بہار جلوہ
ہی نقاب بنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی اور خود پردے میں چھپ گیا۔ یہ مضمون بڑی
شان کے ساتھ بیان کیا ہے۔

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے،

فرماتے ہیں۔ میں، اپنے نامراد دل کی تسلی کس طرح کروں۔ میں یہ ماننا ہوں کہ تیرے رُخ کی کچھ جھلکیاں

دیکھ کر دل خوش ہے۔ مگر میرے دل کو تسلی جب ہی ہو سکتی ہے جب مجھے تیرا وصال حاصل ہو۔ دُور سے دیکھ لینا دل کی تسلی کے لئے کافی نہیں۔

گزار است مُسرتِ پیغامِ یار سے قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب کے
فرماتے ہیں۔ اے است میں پیغامِ یار کی خوشی سے باز آیا چڑھوں میں اگر قاصد کو پیغام دے کر بھیجوں گا وہ
اُس سے شرفِ ہمکلامی پائے گا۔ مجھے یہ رشک مار ڈالے گا۔ لہذا یہی بہتر ہے کہ قاصد کا
وسیلہ ہی نہ ہو۔

غزل ۱۵۱

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
نیں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
فرماتے ہیں۔ میں اپنی بد نصیبی کا کیا کہوں کہ مجھے اپنے آپ پر رشک آتا ہے۔ اور میں حالتِ رشک
میں اُسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ (کہتے ہیں کہ استہلکے محبت میں بدگمانی ہوتی ہے اور
بڑی کامیابی میں خود اپنے پر رشک آتا ہے)

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آبگینہ تنہا صہبائے پگھلا جائے ہے

فرماتے ہیں۔ اگر تیرے غور و فکر میں ایسی ہی گرمی ہے تو اپنے دل کی فاتحہ پڑھ لے کیونکہ آبگینہ شراب
کی تیزی سے گھل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آتشِ نگر اچھی ہے بہت کاموں کو سلجھا دیتی ہے۔

مگر حد سے زیادہ اگر دل پر بوجھ ڈالا جائے تو دل کو لے بیٹھتی ہے کیونکہ دل کو خون کی زیادہ مقدار دماغ کو دینی پڑتی ہے اور اکثر لوگوں کا دل اس زبرد کو نبھال نہیں سکتا۔

غیر کو یارب، وہ کیونکر منع گستاخی کرے

گر جیابھی اس کو آتی ہے تو شرابا جائے ہے

فرماتے ہیں: غیر کو یارب گستاخی کرنے سے وہ کس طرح روکے۔ اگر اس کو غیر کی گستاخی سے جیابھی آتی ہے تو وہ شرم کی وجہ سے اسے روک بھی نہیں سکتا۔

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کیسے چھو جائے

دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

فرماتے ہیں: شوق کو نالہ و فغاں، آہ و فریاد کا لپکا پڑ گیا ہے۔ رات دن اُس کا یہی وظیفہ ہے۔ مگر ہمارے دل کی یہ حالت ہے کہ سانس بھی لیتا ہے تو اُسے ناگوار گزرتا ہے۔

دور چشم بد! تری بزمِ طرب سے واہ وا!

نغمہ ہو جاتا ہے داں گونا گونا میرا جاتے ہے

فرماتے ہیں: چشم بد! دور را تیری بزمِ طرب کی کیا بات ہے خوشی ہی خوشی ہے وہاں غم کی بات کی کیا مجال۔ اگر میرا نالہ و داں پہنچ جائے تو وہ بھی نغمہ بن جاتا ہے۔ اس سے زیادہ اور بزمِ طرب کیا ہوگی۔

رنج و راحت زندگی کے ساتھ ہیں : صبح کو گریہ تو نغمے شام کو (مشاعر)

گرچہ طرز تغافل پرودہ دارِ رازِ عشق

پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

فرماتے ہیں۔ اگرچہ اس کا طرز تغافل یعنی چشم پوشی سے کام لینا رازِ عشق کی پرودہ داری کرتا ہے۔

لیکن ہم اس کی بزم میں اس کے سامنے خود اپنے عیاں کو بیٹھتے ہیں اور اس طرح سے وہ

ہمارے دل کی حالت، ہمارا مذاپایتا ہے۔ کھونا اور پانا میں صفتِ تغافل ہے۔

اس کی بزمِ آرائیاں سُن کر دلِ رنجوریاں

مثلِ نقشِ مدعا ئے غیر بیٹھا جلتے ہے

فرماتے ہیں۔ اس کی محفلِ ناز کا حال سُن کر میں بہت غمگین ہوتا ہوں۔ اور میرا دل اس غم کی تاب نہ

لا کر اس طرح بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ جیسے غیر کے دل میں ناپاک عزائم نقش ہو گئے ہیں۔

ہو کے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا

رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

فرماتے ہیں۔ وہ پری چہرہ غیر پر عاشق ہونے کی وجہ سے اور بھی نازک بنتا جا رہا ہے۔ کیونکہ عشق کے

صدات اسے بھی جھیلنے پڑ رہے ہیں۔ اور محبت کے صدات سے اس کا رنگ اڑنے لگا ہے

مگر ساتھ ہی ساتھ کھلتا بھی جا رہا ہے۔

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں

کینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کینچتا جائے ہے

فرماتے ہیں۔ اس کی تصویر پر بھی مصور سے کیا کیا ناز و انداز کا مظاہرہ کر رہی ہے وہ جس قدر اس کو

بتاتا ہے۔ اُسی قدر اس کے لئے مشکل ہوتی جا رہی ہے۔

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسد

پاس مجھ آتشِ بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے ا

فرماتے ہیں۔ اے اسد غمِ عشق نے اس حالت کو پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میرا سایہ بھی مجھ سے مانندِ دھوئیں کے دُور بھاگتا ہے۔ یعنی میرا سوزِ بکریا ہے شعاعِ آتش ہے جس سے راتِ دن دھواں ہی دھواں نکل رہا ہے۔

غزل ۱۵۲

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے تب اماں ہجرت میں دی بردیلی نے مجھے

معنی۔ نہالی۔ تالیر۔ بردیلی۔ سردی

فرماتے ہیں۔ میں تالین پر نقشِ رنگار دیکھ کر سرگرمِ نالہ و فریاد ہو گیا کہ ہائے میرے پاس اتنا عمدہ تالین تو ہے مگر میرے ہلو میں میرا محبوب نہیں ہے۔ تب مجھے ہجرت کی سردرات کاٹنے میں امان ملی اور میری جان بچ گئی ورنہ ایک تو بجز اور اس پر طویہ تھا کہ موسمِ سوا کا تھا۔

نیز و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم! لے لیا مجھ سے مری تمہتِ عالی نے مجھے

فرماتے ہیں۔ نیز معنی اور نقدِ دنیا کی حقیقت یہیں معلوم ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کو توفیق نہ تھی کہ لے لیتے مگر میری تمہتِ عالی۔ لے مجھے لے کر ان دونوں سے بے نیاز کر دیا۔ مطلب یہ کہ میرا مطلوب نہ دنیا تھی نہ آخرت بلکہ میری تمہتِ عالی کی پہنچ سزا پر حقیقی تھی جس نے مجھے کہا کہ ان

ان دونوں میں کوئی تیرے مطلب کی چیز نہیں چل آگے قدم بڑھا۔

کثرتِ آرائی و حدت پرستاری دہم کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے
 فرماتے ہیں۔ کثرت میں وحدت سمجھنا اور وحدت کو کثرت سے سمجھنا محض دہم پرستی اور انسانی دھوکے
 ہیں ان میں کچھ حقیقت نہیں۔ منہم پرست اپنے بت کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اسی طرح
 وہ بھی بے خبر ہیں جو وجود کثرت میں وحدت کے قائل ہیں۔ کثرت کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار
 دینا بھی کفر ہے۔

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھسکا نہ رہا عجب آرام دیا بے پرواہی نے مجھے
 فرماتے ہیں۔ اب میرے تصور میں بھی سیرِ گل کا خیال نہیں آتا مجھے اس کے تصور سے نجات مل
 گئی۔ ہے اور یہ سب کچھ راحت و آرام میری بے طاقتی یعنی بے پرواہی نے مجھے بخشا ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ جب تک طاقت تھی میں اُر کر باغ میں چلا جاتا تھا اور تماشا گئے گل میں
 مصروف ہو جاتا تھا۔ لیکن اگر گل کو گل و دنیا تصور کریں تو معنی یوں ہوں گے کہ دنیا کی خواہش اب
 دل کے کسی گوشے میں نہیں اور اس کی وجہ میری بے پرواہی ہے۔ یعنی بے طاقتی

غزل ۱۵۳

کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے برقِ غمِ راحتِ خونِ گرمِ دہقاں ہے
 فرماتے ہیں۔ ہستی کے کارخانہ پر نظر ڈالیں تو وہاں لالہ کے دل پر بھی سیاہ داغ نظر آتا ہے۔ یعنی
 یہاں کی کوئی خوبصورت چیز بھی داغِ دھبے سے خالی نہیں۔ یہاں جب کہ ان محنت کر کے اپنا
 خون گردش میں لاتا ہے یعنی سخت محنت کرتا ہے جس کے نتیجے میں غمِ تیار ہو جاتا ہے تو بجلی

اُس کو بلانے کے لئے پُر تول رہی ہوتی ہے۔ یعنی جب تک خدا کا فضل شامل حال نہ ہو انسان اپنی محنت کا پھل نہیں پاسکتا۔

غنیچہ تاشگفتن با برگ عاقبت معلوم باوجود و لمحہ عجیب خواب گل پریشاں ہے
فرماتے ہیں۔ غنیچہ کے کھلنے تک اس کو اپنی پکھڑیوں کی حفاظت کا یقین ہے لیکن باوجود اس
دل جی کے اُسے اپنے انجام پر نظر ہے۔ کیونکہ اس کا انجام بھرتا اور پریشان ہوتا ہے۔

ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے دارِ اُپشت دستِ عجز شعلہ خوں بندہاں ہے
فرماتے ہیں۔ کہ اس رنج کی برداشت ہم سے نہ ہو سکے گی اور یہ ہماری ہلاکت کا باعث بن جائے
گا۔ یہیں دستِ عجز سے مراد وہ ہاتھ ہے جو صدمہ کی برداشت نہ رکھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے
اور عاجزی کی وجہ سے خس و خاشاک کی حیثیت رکھتا ہے۔

غزل ۱۵۴

اگ رہا ہے درو دیوار پہ سبز و غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

فرماتے ہیں۔ ہم تو وحشتِ دل کی وجہ سے گھر چھوڑ کر جنگل میں آجے اور یہاں مارے مارے پھر رہے
ہیں اور اُدھر دیوانی کی وجہ سے ہمارے گھر کے درو دیوار پر سبز و اگ رہا ہے جو باغ کا منظر
پیش کر رہا ہے۔

دل دنگاہ میں تصویرِ یار رہتی ہے : مرے چین میں ہمیشہ بہار رہتی ہے

صادق دہلوی

غزل ۱۵۵

سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ مہر خنجر کفِ قاتل میں ہے

معنی ۔ سادگی محبوب سے مطالب 'بناؤ سنگار کے بغیر
فرماتے ہیں ۔ اُس نے سادگی اختیار کر لی ہے، اس کے باوجود وہ ایسا صاحبِ جمال ہے کہ اس پر مرتے
دہنے کی حسرت ہمارے دل میں موجزن تھی اب پھر نہ معلوم کس وجہ سے اس نے اپنے ہاتھ
میں خنجر لے لیا ہے جس کی وجہ سے سادگی جاتی رہی اور ہماری حسرت کا خون ہو گیا۔ پھر کا
لفظ بتاتا ہے کہ ایسا واقعہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

فرماتے ہیں ۔ اس سے بہتر کسی کے حسنِ بیان کی کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ جو کچھ کہنے والا کہے وہ
سننے والا اپنا ہی خیال سمجھے کہ بات تو پیہر ہی سے میرے دل میں تھی گویا کہنے والے کا یہ کمال
ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جیسی ہوئی باتوں کو بھی جیسا دیتا ہے۔

گرچہ ہے کس کس بُرائی سے دُلعے با ایں ہمہ
ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

فرماتے ہیں ۔ غیر میرا ذکر ان کی محفل میں صد براہیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر بہر حال وہاں میرا ذکر

پہنچ تو جاتا ہے اور وہ سنتے بھی ہیں۔ مجھے تو یہ موقع حاصل نہیں ہے کہ میں ان کی محفل میں ہا سکن
مگر میرا ذکر مجد سے بازی لے گیا۔

بس جھوم نا اُمیدی خاک میں مل جائے گی

یہ جو اک لذت ہماری سچی۔ بے حاصل میں ہے

فرماتے ہیں۔ اے جھوم نا اُمیدی، رک جا۔ ہماری لذت کو خاک میں نہ ملا۔ اگر کوری کوشش لا حاصل ہوگی
تو ہو۔ ہیں اپنی کوشش لا حاصل میں بھی ایک لذت حاصل ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔

سچوہ کیوں کھینچئے؟ واما ندگی سے عشق ہے اُمٹ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
فرماتے ہیں۔ ناکامی و نامرادی کو ہم سے عشق ہو گیا ہے۔ اب رہ عشق کی تکالیف کیوں ادا کرو، لئے
انٹائی جائیں۔ ہم واما ندگی کی وجہ سے کہیں اپنی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکیں گے۔ کیونکہ ہمارے
پیروں میں چلنے کی طاقت ہی نہ رہی۔ اور اب ہمارا منزل تک نہ پہنچنا ہمارے لئے رنج کا باعث
نہیں رہا۔

جلوہ زارِ آنشِ دوزخ ہمارا دل سہی

فتنہ شورِ قیامت کس کے آبِ گل میں ہے

فرماتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے دل میں آنشِ دوزخ بھڑک رہی ہے۔ لیکن فتنہ شورِ قیامت کس
کے آبِ گل میں ہے تم تو سراپا فتنہ قیامت ہو۔ تمہاری ہر آدا سے دلوں میں ایک قیامت برپا ہو
جاتی ہے

ہے دلِ شوریدہ غائبِ طلسمِ بیچ و تاب

رجم کو اپنی تمتا پر، کہ کس شکل میں ہے

فرماتے ہیں۔ غالب کا دل بہت سے بیکتاب اپنے اندر رکھتا ہے۔ تم اپنی تمنا کو اس سے وابستہ نہ کرو۔ ورنہ یہ بھی اس میں پھنس جائے گی اور تمہیں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہذا اپنی تمنا پر رحم کرو۔

غزل ۱۵۶

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
فرماتے ہیں۔ تیری نگاہ تیر کی طرح میرے دل کو چیرتی ہوئی جگر تک پہنچ گئی۔ اور دونوں کو ایک ہی ادا سے اپنا گردیدہ اور ایک ہی وار سے گھائل کر گئی۔
رحمت خدا کا جب کسی پر اُتر گئی + وہ پاک صاف ہو گیا قدرت سنو گئی (شارح)
شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذتِ فراق تکلیف پردہ داری زخیم جگر گئی
فرماتے ہیں۔ میرا سینہ لذتِ فراق سے شق ہو گیا۔ اور جو تکلیف زخمِ جگر کو چھپانے سے تھی اس سے مجھے نہات مل گئی ہے۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرستیاں کہاں؟ اُٹھے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی
فرماتے ہیں۔ وہ شراب نوشی کی راتیں اور سرستیاں ختم ہو گئیں۔ اب بیدار ہونے کا وقت آگیا یعنی غفلت کی نیند کا مزہ بھی چلا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ شباب کا زمانہ گزر گیا اور جوانی کی غفلت کا زمانہ زراعتِ حیدری میں نفس کو غفلت میں نہیں رہنا چاہیے بلکہ تلافیِ امات کی کوشش میں لگ جانا چاہیے۔

حاصل ہوئی ہیں ہم کو یہ شب زندہ داریاں + شکوہ نہ کہ غفلتِ خواب سحر گئی (شارح)

اُڑتی پھر ہے خاک مری کوئے یار میں بارے اب اسے ہوا کوس بال و پر گئی
 فرماتے ہیں۔ زندگی کی یہی تمنا ہی آرزو تھی کہ اگر مجھے طاقت پر داز حاصل ہو یعنی محبوب کے پاس پہنچ جانے
 کے ذرائع حاصل ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میری مراد برآئی لیکن بعد مرگ۔ اب میری خاک کو ہوا
 اٹا کر کوچہ یار میں پہنچا رہی ہے۔

دیکھو تو دل فریبی اندازِ نقشِ پا موجِ خدامِ یار بھی کیا گلِ کتر گئی
 فرماتے ہیں۔ اس اندازِ نقشِ پا کی دل فریبیاں ملاحظہ ہوں کہ موجِ خرامِ یار کیسے گلِ کتر کی چلی گئی ہے
 دوسرے معنی گلِ کتر نے کے قد نہ و زاد بر پا کرنا ہے تو اس کی رُو سے یہ معنی ہوں گے کہ ہزاروں
 لاکھوں کو قتل کیا ہے یعنی اپنے خرامِ ناز سے ہزاروں کے دل بھو لئے ہیں۔

ہر لہو الہوس نے حُسنِ پرستی شعار کی اب آبروئے شیوہ اہلِ نظر گئی
 فرماتے ہیں۔ ہوس، پرستوں کی عادت حُسنِ پرستی نہ تھی اب انہوں نے بھی عشاق کے کوچہ میں قدم
 رکھنا شروع کر دیا ہے لہذا اہلِ نظر کے عشقِ صادق کی قد جاتی رہی۔
 ٹکڑے ہوئے رقیبوں کے دل ایک ضرب سے ہر ناقص ہارن آہ بھی کیا کام کر گئی

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی
 تیرا جلوہ رخ اتنا پُر نور تھا کہ نظارہ نے خود دیکھنے والوں کے لیے نقاب کا کام کیا اور وہ
 جھے دیکھنے کے تیرے حُسن و جمال کا وجہ سے تارِ نظر ٹوٹ گئے اور سب محروم و نامراد ہی رہے۔
 اور تیرے حُسن و جمال کو پورے طور پر کوئی نہ دیکھ سکا۔

فردا دمی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
 فرماتے ہیں۔ آج کل کا جگڑا ہی مٹ گیا۔ ان دونوں میں مطلق تمیز نہ رہی کہ آج کیا ہے اور کل کیا ہے

ہم پر توکل تمہارے جانے سے ایک قیامت آگئی۔ اور ہم اب سب کچھ بھول گئے خود منگل
 و خود فراموشی کا عالم رہتا ہے۔
 اللہ سے ثبات قدم و قوت ابتلا، تو نے پہاڑ ہم پہ قیامت گزر گئی (شارح)
 مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں وہ دلوے کہاں 'وہ جوانی کدھر گئی
 فرماتے ہیں۔ اے اسد اللہ خاں تم کو تو زمانہ کی گردنوں نے مار ڈالا۔ نہ وہ عشق کے دلوے ہیں۔ نہ
 وہ جوانی کا دیوانہ ہیں۔

غزل ۱۵۷

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
 حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

فرماتے ہیں۔ سکونِ قلب ذوقِ نظر کے ملنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر دنیا میں نہیں ملا تو یہی۔
 جنت میں ہی مل جائے مگر اس کی بھی یہی صورت ہے کہ ہیں وہاں ہمارا ذوقِ نظر ملے یعنی ہمارا
 مطلوب توجہ اگر تو نہ ملے تو ہم حوروں کو لے کر کیا کریں گے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا ذوقِ
 نظر تو دیدارِ اپنی ہے جس سے ہیں تسکین حاصل ہوگی۔ لہذا ہمیں تو ایسی جنت چاہیے جہاں تیرا دیدار
 ہو سکے۔ غالب کے مزاج کو سمجھنے کی وجہ سے اس شعر کے جو معنی کئے جاتے ہیں وہ مستبر نہیں۔
 وہ خود کہہ چکے ہیں سہ

ہر چند ہو مشابہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و سفر کی بغیر

فلان و حور بادہ کوثر میں لطفِ عام : ہے فضلِ خاص آپ کا جلوہ ملے اگر (شارح)

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

فرماتے ہیں۔ مجھے حق کر کے اپنی گلی میں دفن نہ کرنا۔ اس سے دوسری مشکلات پیدا ہوں گی۔ تیری گلی
قاتل کی گلی کہلائے گی۔ یا قبر والی کہلائے گی۔ لوگ تجھے میرا قاتل کہیں گے اور تیرے لئے یہ
اچھا نہیں کہ تو میری دیر سے بدنام ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے یارِ دوست میری قبر پر
ناخن پڑھنے آئیں گے اور وہ سب تجھے دو طرح سے دیکھیں گے بعض الزام دیں گے اور بعض
تیرے دوست و بازو کی تعریف کریں گے۔ لیکن مجھے تیری رسوائی گوارا ہے اور نہ ہی رشک۔

ساقی گری کی شرم کو آج در نہ ہم

ہر شب پیاسی کرتے ہیں جس قدر ملے

فرماتے ہیں۔ آج تم ساقی بے ہو۔ ساقی گری کی لاج رکھنی ضروری ہے۔ آج جی بھر کے پلاؤں ہماری
طبیعت جو مدتوں سے سیر نہیں ہوئی آج ہو جائے۔ تھوڑی بہت تو ہم ہر روز رات کو پیتے ہی
ہیں جس سے تشفی نہیں ہوتی۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم

میرا سلام کہو اگر نامہ بر ملے

فرماتے ہیں۔ اے میرے دوست تجھ سے تو کوئی شکوہ شکایت نہیں ہے مگر اتنی درخواست ہے
کہ اگر کہیں نامہ بر تجھے مل جائے تو میرا سلام کہہ دینا۔ چونکہ وہ بڑی شیخی بگھارتا تھا کہ میں
ضرور خط کا جواب لے کر آؤں گا۔ اس نے اب تک شرم کے مارے میں شل نہیں دکھائی۔

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غم پہاں سے گڑے

فرماتے ہیں ۔ ہم سب ہی وہ سب کچھ دکھاتے جو مجنوں نے کیا ہے اور شاید اُس کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے
نکمر کیا کریں کہ غم پہاں ہی چھپا نہیں چھوڑتا ۔ پردہ داری عشق اور تمہاری رسوائی کے خیال نے ہیں
صحرانوردی کے جہاز سے روک رکھا ہے ۔

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

فرماتے ہیں ۔ ہم پر یہ فرض نہیں ہے کہ راہِ زندگی میں جو بھی بزرگ ملے اس کی پیروی کرنی شروع کر
دیں ۔ راہِ سلوک میں ہمارے لئے ایک اُسوہ حسنہ موجود ہے ۔ اُس کی پیروی کیوں نہ کریں ۔

اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالب آشفقہ سر ملے

فرماتے ہیں ۔ اے ساکنانِ کوچہ راہِ طریقت دسو کہ تم کو کہیں کسی جگہ کسی مقام پر بھی اگر غالب
آشفقہ سر مل جائے تو اس مردِ خدا سے ضرور شرفِ ملاقات حاصل کرنا
جس کے اخلاق سے تعمیرِ جہاں ہوتی ہے
ایسی ہستی کہیں بے نام و نشان ہوتی ہے

مغور دہلوی

غزل ۱۵۸

کوئی دن گزندگانِ اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

فرماتے ہیں۔ عمر کانی گزر گئی دنیا کے دھندوں میں پھنسے رہے عشقِ تباہ اور جوانی کی غفلت میں
ہے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ گراب ہم نے اپنے جی پر ٹھان لی ہے کہ ہم ان سب علاقے سے ترکِ تعلق
کر کے اللہ سے نو لگائیں گے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ سہ
عمرِ گزشتہ دہانہ است جراتِ لمے چند
بہ کہ در یاد کے صبحِ کُٹم شامے چند

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں! سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے
فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنے دل میں دنیا داری کے جو غم پال رکھے ہیں اور جن کا دوسروں کو علم بھی نہیں وہ
ہمارے لیے آتشِ دوزخ سے کچھ زیادہ ہیں۔ اس شعر میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک دنیا داری
کی محبت دل میں سر نہ ہوگی آتشِ دوزخ سے بچنا محال ہے
ضبطِ غم کا حوصلہ ممکن نہیں ہاں وہ اندازِ نہانی اور ہے (شارح)

بار بار دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
فرماتے ہیں۔ بار بار وہ روٹھے اور بار بار ہم نے انہیں مٹایا لیکن اب کی بار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
ہم انہیں مٹانہ سکیں گے۔ اور نہ اُن سے صلح صفائی ہوتی نظر نہیں آتی۔
ظلم کے ماروں سے پوچھو تو کبھی : داستانِ ان کی زبانی اور ہے (شارح)

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 فرماتے ہیں۔ نامہ بر نے اُن کا خط یہیں دے دیا اور پھر ہمارا منہ تنگ رہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ
 کچھ اور بھی پیغامِ زبانی بھی دیا۔ نامہ بر کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ خط کے ساتھ دو چار گالیاں
 بھی ہیں۔

قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے
 معنی اعمار۔ عمر کی جمع۔ قاطع کاٹنے والا
 فرماتے ہیں۔ یوں تو بہت سے ستارے ایسے ہیں جو عمریں کاٹتے رہتے ہیں لیکن جس بلائے آسمانی
 سے ہمارا واسطہ پڑا ہوا ہے وہ ان نجومس تاروں کے مقابلہ میں قضاۓ مبرم ہے۔

ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے
 فرماتے ہیں۔ اس شعر میں غالب نے مرگ کو بھی منجملہ از آفات تصور کیا ہے جبکہ موت بلا نہیں بلکہ بلاؤں
 سے نجات دلانے والی ہے۔ میر سوز نے بھی فرمایا ہے
 جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دکھ پہ دکھ دیکھیں کے لوگ
 منہ گشیں جب آنکھیں ڈالیں تب سوز سب آنند میں
 یا اکبر آلہ آبادی کا شعر ہے یہ

اپنے غم خانہ کا دروازہ کرو بند اکبر
 اب سوا موت کے کوئی نہیں آنے والا
 لیکن موت کا جو فلسفہ حضرت امیرِ مینائیؒ نے پیش کیا ہے۔ وہ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں یہ
 مدت سے امیر اس کے ملنے کی تمنّا تھی
 آج اس نے بلایا ہے اپنے کو قضا آئی

سچ ہے فکر ہر کس بقدر بہت اور ت۔

غزل ۱۵۹

کوئی اُمید بَر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

حصول اُمید کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ناکامی و نامرادی نے گھیرا ڈال رکھا ہے اند

ہم اس میں قید ہیں۔
شکل عشرت نظر نہیں آتی، مَبُول کو بھی ادھر نہیں آتی (شارت)

موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

فرماتے ہیں۔ موت کا ایک وقت مقرر ہو چکا ہے نہ اُس سے پہلے کوئی لاسکتا ہے نہ اس کے
آنے پر اسے ٹوٹایا جاسکتا ہے مگر شبِ فرقت میں تو نیند کو آنا چاہیئے۔ وہ تو نہیں آتی لیکن
ہمیں شبِ فراق میں ہر شبِ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اُگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

فرماتے ہیں۔ پہلے تو مجھے دل کی میبتوں پر ہنسی آجایا کرتی تھی مگر اب دن رات ہی اس قدر تلکینیں
دل کے لئے ہیں کہ مصیبت تو کیا اگر خوشی بھی ہوتی ہے تو ہنسی نہیں آتی۔ مطلب یہ ہے کہ دل
ہر وقت بھجا بھسا رہتا ہے۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

فرماتے ہیں۔ میں جانتا ہوں اور اطاعت اور عبادت کی افادیت اور ثواب سے بھی آگاہ ہوں مگر طبیعت

کا کیا کروں۔ اس طرف رجوع ہی نہیں کرتی۔ دنیاوی ملائق نے اس قدر گھیر رکھا ہے کہ آخرت کا خیال ہی دل سے محو ہو گیا ہے۔

عرش تک گروما پہنچ جائے + بے اثر لوٹ کر نہیں آتی (شارح)
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
 فرماتے ہیں۔ میرا چپ رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے۔ میرا منہ نہ کھلاؤ ورنہ تمہاری ہی رسوائی ہوگی
 مطلب یہ ہے کہ مجھے وہ لازم کی باتیں معلوم ہو گئیں جن کے بیان سے رسوائی ہوگی۔ یہ بات
 ہرگز نہیں ہے کہ میں محفل میں بات کرتی نہیں آتی۔ ہم آداب مجلس سے خوب واقف ہیں۔

داغ دل گر نظر نہیں آتا تو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی
 فرماتے ہیں۔ اے چارہ گر تجھے داغ دل کا نظر نہیں آتا میں مانتا ہوں۔ مگر کیا میرے داغ دل سے
 تجھے بدبو بھی نہیں آ رہی۔ مطلب یہ ہے چارہ گر کو اگر دل کے اندر دیکھنے کی طاقت نہیں مگر اس
 کو میرے طور و اطوار سے پتہ ہونا چاہیئے تھا کہ میں بیمار مجت ہوں میرا علاج ناممکن ہے مگر
 وہ اتنی عقل کا بھی مالک نہیں۔

نار حسرت سے دل جلا لیا + راکھ بھی اب نظر نہیں آتی (شارح)
 کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی
 فرماتے ہیں۔ میری نالہ کشی سے میرے محبوب کو بہت لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ ایک تو اس کی شہرت
 دوسرے اپنے معشوقانہ تاز وادار کی اطمینان کہ وہ اس قابل ہیں کہ میں جہاں بھی ہوں گا عاشقوں
 میں کمی نہ ہوگی۔ لہذا جب وہ میری آواز نہیں سنتے تو یاد کرتے ہیں اور ہاں شاید سوچتے ہوں کہ
 کہیں مرنے نہیں گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ سہاری خبر نہیں آتی

فرماتے ہیں ۔ جنوں عشق اور ستم ہائے روزگار کا اتنا اثر اور صدمہ لاحق ہوا ہے جس سے از خود رنگی
و خود فراوشی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ یہیں اپنے حال کی بھی خبر نہیں ۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
فرماتے ہیں ۔ ہمارے وہ ماں ہمارے لئے موت سے کم نہیں اور ہم ان سے نجات پانے کے لئے
مر جانا پسند کرتے ہیں لیکن یہ ہمارے بس میں نہیں کیونکہ موت کا ایک دن معین ہے ۔ وعدہ کم
نہ زیادہ ۔ یہ موت برحق اور یقینی ہے ۔ یاد اس کی مگر نہیں آتی (شارح)

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غائب شرم تم کو مگر نہیں آتی
فرماتے ہیں ۔ ساری عمر بادہ نوشی اور عشق تباں میں گزاری ۔ اب کیا منہ سے رنج کی نہ جاؤ گے تنہائی شرم
کو کیا ہو گیا ۔ اللہ اللہ کس قدر ندامت ہے ۔

غزل ۱۶۰

دلِ نادان تجھے ہوا کیا ہے ؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے ؟
فرماتے ہیں ۔ اے میرے نادان دل تجھ کو کیا ہو گیا ہے تو کس طرح باز آئے گا ۔ آخر اس درد یعنی
حیرے درد عشق کا کیا علاج کریں ۔ کون سی دوا تیرے لئے لائیں تو خود بھی بے چین ہے اور
ہمارا بھی سکون خاک میں ملا دیا ہے ۔
دیکھ لی عشق ابتدا تیری ؟ اب جنوں جانے انہا کیا ہے (شارح)

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماحجر کیا ہے ؟

فرماتے ہیں ۔ یا الہی ہم تو محبوب کے قرب کے لئے ہر دم مشتاق و بے قرار ہیں اور وہ ہے کہ ہماری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہ کیا ماجرا ہے ہم سنتے آئے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ مگر تجھے ساتھ تو معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے ۔
اس قدر بے رنجی ہوا کیا ہے ؟ ہم سے اسی ہوئی خطا کیا ہے (شارح)

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
فرماتے ہیں ۔ تم غیروں سے پوچھتے ہو ان کی حالت سے باخبر رہتے ہو۔ مجھ سے بھی کبھی پوچھا کہ تیرا کیا مدعا ہے تو کیا چاہتا ہے۔ میرے پاس ہی زبان ہے۔ میں بھی عرض مال کر سکتا ہوں۔
دلربائی ہے حسن کا شیوہ ؟ دلبروں سے ہمیں گلہ کیا ہے (شارح)

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے؟
فرماتے ہیں ۔ جبکہ تیرے سوا کوئی اور خالق نہیں۔ اس جہان کا دوسرا اور کوئی مالک نہیں پھر لوگ تیرے ساتھ شریک بٹھا کر بت پرستی کا ہنگامہ کیوں بپا کر رہے ہیں۔ یہ سب جو تیری مرضی کے خلاف ہے کیوں ہو رہا ہے ؟
تو ہے اپنی صفات میں یکتا ؟ اس سے بڑھ کر تیری ثنا کیا ہے (شارح)

یہ پری چہرہ درہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
فرماتے ہیں ۔ جب تیرے سوا کوئی دوسرا اس عالم میں نہیں ہے تو پھر حسین چہرے والے اپنے غمزہ و عشوہ و ادا لے کر کہاں سے آچکے ہیں ۔

شکین زلفِ عنبریں کیوں ہے؟ نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟
فرماتے ہیں ۔ یہ خوشبودار گھونگر والی زلفیں کیوں ہیں اور یہ نگہِ سرا سا کیا کر رہی ہے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔ یہ سبزہ زار اور یہ پھول یہ خوشبو سب کہاں سے آئے ہیں آخر یہ اپنے آپ تو پیدا نہیں ہو گئے۔ یہ اگر کیا چیز ہے اور ہوا کیا ہے۔ ضرورت مند کھیتوں کو پالی دیتا ہے۔ ان سب کی حقیقت کیا ہے۔ مندرجہ بالا اشعار میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، زمین آسمان، چاند سورج، دریا پہاڑ، سبزہ زار انسان کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور حسین اور خوبصورت نازک اندام عورتیں اُس کی تسکین کے لئے پیدا کی گئیں تاکہ وہ خدا کی نیابت کا حق پوری دلچسپی سے ادا کر سکے اور اس کا عبادت گزار بندہ بن کر اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جائے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟
فرماتے ہیں۔ ہم حسینوں سے وفا کی امید ہاندھتے ہیں وہ اپنے حسن کے غرور میں وفا کو جانتے ہی نہیں اور نہ جانتا چاہتے ہیں۔

جس کو بے مشرتوں نے گھیر لیا + اُس کے آگے رو بہ ہوا کیا ہے (شارح)
ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے؟
فرماتے ہیں۔ جو کسی کو فائدہ پہنچائے گا دونوں جہان میں اس کا اجر اس کو ملے گا۔ یہی درویش کی صلا ہے مگر اس بھلائی میں غرض کی ملوثی نہ ہونی چاہیئے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ نیکی کر اور دیا میں ڈال۔

تجھ کو ہی مانگتا ہوں میں تجھ سے + اس سے بہتر تیری عطا کیا ہے (شارح)
جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا وفا کیا ہے
فرماتے ہیں۔ جان سے بڑھ کر میرے پاس کوئی تحفہ نہیں جو میں تم پر قربان کرتا ہوں۔ اس کے سوا وفا کا اور کیا مفہوم ہو گا، کیا جان کا انداز نہ پیش کرنا وفا نہیں۔

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

فرماتے ہیں۔ میں اپنی جان کو زیادہ قیمتی نہیں سمجھتا۔ میں اپنی نظر میں ایک حقیر انسان ہوں لیکن تم کو تو مفت غلام مل رہا ہے۔ کوئی قیمت دینی نہیں پڑ رہی۔ اس میں کیا بُرائی ہے۔

غزل ۱۶۱

کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالبہ مُو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

فرماتے ہیں۔ اے میرے دوستو! تم میرے لئے یہ ڈما کر رہے ہو کہ میرا حسین اور خوشنواز زلفوں والا محبوب آئے۔ میں اس کے لئے تمہارا شکریہ گزار ہوں۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ کسی وہ اچانک آ جائے اور ہم بول پڑو کہ جو جن کا انتظار تھا وہ آگئے۔ (بُتِ غالبہ۔ خوشنوار زلفوں والا معشوق)!

ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکوں، پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

فرماتے ہیں۔ کہیں اس وقت حالتِ نزع میں ہوں۔ مگر جذبِ محبت تو اُسے اپنی کشش سے میرے پاس لے آئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بات نہیں کر سکتا۔ مگر وہ پرسشِ مال کے لئے آ تو جائے تاکہ دمِ آخر اس کا دیدار کر لوں۔

ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں آگئے

فرماتے ہیں۔ وہ میرے گمراہ آگئے مگر جانے کی اس تند بلدی ہے کہ میں ان کی اس گہرا ہٹ کو پہچان سکتا ہوں۔

شعلہ سے یا پارہ سے ترشبیہ دوں تو غلط نہ ہوگا۔ ادھر آئے اور ادھر جانے کی پڑ گئی۔ ایسے آنے کو آنا کیسے کہہ سکتا ہوں۔

طاہر ہے کہ گھبرا کے نہ جاگیں گے نکیزین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دور شینہ کی بو آئے

فرماتے ہیں۔ یہ تو طاہر ہے کہ نکیزین گھبرا کر میری قبر سے نہیں جاگیں گے وہ اپنا کام کرنا چاہیں گے مگر میری رات کی پی ہوئی شراب کی بند بوا نہیں زیادہ سوال در جواب کہنے سے روک دے گی اور وہ جلد چلے جائیں گے۔ اس طرح میری جلد ہی جان چھوٹ جائے گی۔

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے

فرماتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے خواہ وہ جلاد کی صورت میں آئے یا واعظ اور ناسخ کی صورت میں۔ اُس کے بہت سے روپ ہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔

ہاں اہل طلب کون سے طلئہ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

فرماتے ہیں۔ یہ طعنہ کہ اس کو برسوں تلاش کیا مگر اس کا کھوج ہیں نہیں ملا۔ ہم ناکام و نامراد ہی رہے جب ہم نے دیکھا کہ معرفتِ الہی کے سارے راز ہم نہیں پاسکتے ہیں اور نہ پوری طرح اس کی کنہ کو ہی جان سکتے ہیں تو ہم اپنے ہوش و حواس ہی کو بیٹھے۔ سچ ہے۔
اے را کہ خبر شد خبرش باز نیاید

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کبھی ہی کو ہوئے

فرماتے ہیں ۔ ہماری یہ مادت نہیں کہ کوشش کو ترک کر کے آرام سے بیٹھ جائیں ۔ جب وہ ہیں یہاں نہیں
ملا تو ہم کب میں اس کی خاطر گئے کہ شاید وہاں وہ ہیں مل جائے ۔

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

فرماتے ہیں ۔ میرے ہم نفسوں نے گریہ کے پُر اثر ہونے میں میرے محبوب کے در بدری چڑی تقریریں
کیں اور دلیلوں سے گریہ کا پُر اثر ہونا ثابت کیا مگر محبوب گریہ کے اثر کا قائل نہ ہوا جس کی وجہ
اس نے اُن کو یہ بتائی کہ اگر بقول تمہارے گریہ میں اثر ہے تو مجھے اُس یعنی غالب کے نالہ و نساء
نے اپنے پاس کیوں نہیں کھینچ لیا ۔ اگر نالوں میں اثر ہوتا ہے تو کیوں غالب کے گریہ میں کوئی اثر
نہیں ۔ لہذا دوست اجاب خود تو اس کی نظر میں مقلد شہرے مگر مجھے ڈبو آئے یعنی میری تعمیر
ثابت کر گئے ۔

اُس انجمن ناز کی کیا بارت ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو گئے

۔ اُس انجمن ناز یعنی تیرے محبوب کا محل کی کیا بات ہے یعنی بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے ۔
ہر کس و نا کس امیر غریب چھوٹا بڑا بادشاہ فقیر بے ہی جانتے ہیں ۔ حتیٰ کہ درست دشمن سب
جمع ہو جاتے ہیں اور لطف محبت حاصل کرتے ہیں مگر غالب تو ایسا بد نصیب ہے کہ تو وہاں گیا بھی
اور محبوب کے قرب سے محروم رہا ۔

غزل ۱۶۲

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے سینہ جو یلئے زخم کاری ہے
فرماتے ہیں۔ میرا دل بے چین ہے۔ شاید اسے عشق کا زخم کاری کٹنے کی پھر خواہش ہے۔

پھر جگر کھودنے لگا ناخن آبدِ فصلِ لالہ کاری ہے
فرماتے ہیں۔ ناخن نے پھر ہمارا جگر کریدنا شروع کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسمِ بہار آنے والا ہے۔
باغ میں لالہ گل کھلیں گے اور جنوںِ عشق کا زخم پھر تازہ ہو جائے گا۔

قبلہ مقصدِ نگاہِ نسیاز پھر وہی پردہِ عماری ہے
فرماتے ہیں۔ نگاہِ نیاز کا قبلہ مقصدِ پردہِ مہل بن گیا ہے۔ شاید اس میں وہ سوار ہوتے وقت ہی فکر
آجائے اور ہم اس کی ایک جھلک ہی دیکھ لیں۔

چشمِ دلالِ ضعیفِ رسوائی دلِ غریبِ ذوقِ خواری ہے
فرماتے ہیں۔ آنکھِ ضعیفِ رسوائی کی دلالِ بن گئی اور دلِ ذوقِ ذلتِ خواری کا غریبِ رہ گیا ہے۔ عشق کے
یہی مائل ہیں

وہی صد زنگِ نالہ فرسائی وہی صد گونہ اشکباری ہے
فرماتے ہیں۔ دل سو سو طرح سے نالہ دفریاد کرتا ہے اور آنکھیں سینہٴ دل طرح سے اشکباری کرتی
ہیں جو میری بدنامی اور رسوائی کا موجب ہے۔

دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر محشرِستانِ بقیاری ہے
فرماتے ہیں ۔ ہمارا دل خرامِ نازِ یاد کے شوق میں میدانِ محشر بنا رہتا ہے ۔

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
فرماتے ہیں ۔ جلوہ یارِ متاعِ ناز کو روزِ بازار میں پیش کر رہا ہے کہ ہے کوئی عاشقِ جاں ناز جو اس متاعِ ناز کا خریدار بنے ۔ گویا بازارِ جاں سپاری کی ہر روز گرمی بازار ہے ۔

پھر اُسی بے وفا پر مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے
فرماتے ہیں ۔ پھر اُسی بے وفا کا شوق دامن گیر ہے جس پر ہم پہلے ہی مرتے تھے ۔ اور آج بھی زندگی کا وہی طور و طریق ہے ہم اپنی وفاداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے اور یہی عاشقِ صادق کی پہچان ہے ۔

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز گرم بازارِ فوجداری ہے
فرماتے ہیں ۔ تعطیل ختم ہو گئی ۔ پھر عدالتِ ناز کا دروازہ کھل گیا ہے ۔ پھر فوجداری کے مقدمات شروع ہو گئے ۔ مطلب یہ ہے کہ موسمِ فصلِ گل آگیا ہے اور عشق و جنوں کا پوششِ دلوں میں ظاہر ہونے لگا ہے ۔

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر زُلف کی پھر سرشتِ داری ہے
فرماتے ہیں ۔ جہان میں اندھیر یعنی نا انصافی اور ظلم کا دور آگیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کی سیاہ زلفوں کو سرشتِ داری یعنی حکمرانی کا موقع مل گیا ہے ۔

پھر کیا پارہ حبس کرنے سوال ایک فریاد و آہ وزاری ہے
فرماتے ہیں ۔ پارہ بگرنے عالت ناز میں دعویٰ دائر کر دیا ہے ۔ اور ہر طرف سے فریادی آرہے ہیں ۔

پھر جوئے ہیں گواہ عشق طلب اشکباری کا حکم جاری ہے
فرماتے ہیں ۔ پھر عدالت کے رد و عشق کے گواہ پیش ہو رہے ہیں ۔ اشکباری کا حکم جاری ہے ۔ اور عشق
خون دل لبت بگر کو اپنی طرفداری میں بطور گواہ پیش کر رہا ہے ۔

دل و مژگماں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اس کی رو بکاری ہے
فرماتے ہیں ۔ دل عاشق اور مژگماں یار کے درمیان جو مقدمہ چل رہا تھا آج دونوں فریق ثبوت دعویٰ
اور جواب دعویٰ پیش کر رہے ہیں ۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
فرماتے ہیں ۔ اسے غالب یہ تیری بے خودی بے سبب تو نہیں معلوم ہوتی ۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور
ہے جس کے لئے تو نے بے خودی کو اختیار کر رکھا ہے اور جس کو چھپانے کی تو کوشش کر رہا ہے ۔
چشم مست ناز نے بے خود کیا ہوش میں آنا خودی کی بار ہے
بخوری میں کہ گئے تھر جواز بخودی آزمائش بن گئے ہیں اہل عرفاں کے لئے
(دستارح)

غزل ۱۶۳

جنون تہمت کُتر سکیں نہ ہو گر شادمانی کی
نمک پاشیِ غراشِ دل ہے اندتِ زندگانی کی

فرماتے ہیں۔ اے جنوں تجھ پر تسکین کی تہمت ہو گئی نہیں ہے۔ تھوڑی بہت جو مجھے کبھی شادمانی نصیب
ہوتی ہے وہ تو زخمِ دل پر نمک پاشی کے باعث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا اس طرح سے زندگی
بسر کرنا۔ زخمِ دل پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے جو ہماری زندگی کی لذت کا باعث ہے

کُشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا حی آزادی
ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصتِ روانی کی

فرماتے ہیں۔ زندگی کی کُشاکش سے آزادی کی کُشاکش کوئی کیا کرے۔ کیونکہ ممکن ہی نہیں۔ نہ موجِ آب کو رکھو۔
کہ وہ جس قدر آزاد ہونے کی کُشاکش کرتی ہے۔ اسی قدر اس کی زنجیرِ قید پسی ہوتی چلی جاتی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ علائقِ زندگی سے آزاد ہونا ممکن ہی نہیں جس قدر کُشاکش کریں گے اسی قدر اس
میں جکڑتے چلے جائیں گے۔

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلان ہے
شرابِ سنگ نے تربتِ پیر سے گلِ فتانی کی

فرماتے ہیں۔ حیرے دیوانہ کی قبر کو مرنے کے بعد رکوں نے زیارت گاہ بنایا۔ ہے اور وہ اب تک میری قبر
پر آکر چہرا دیتے ہیں اور پتھر سے جو چنگلیاں نکلتی ہیں وہ پھول بن کر میری قبر پر گل پاشی کا فریضہ ادا کرتی ہیں۔

غزل ۱۶۴

نکو ہش ہے سزا فریادی بیدار دلیر کی
مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی

فرماتے ہیں محبوب کے ظلم و ستم کی فریاد کرنے والا مجرم ہے اس کو سزا ملنی چاہیے۔ اور سزا ادا مت
کے سوا کیا ہو سکتی ہے بلکہ میں تو دانتا ہوں کہ کہیں صبح محشر بھی محبوب کا خندہ دندان نما ہو کر نمودار
نہ ہو۔ یعنی وہی محبوب وہاں بھی ہو۔ (خندہ دندان نما۔ ایسی ہنسی جس میں دانت نظر آئیں)۔

رگِ سیلی کو خاکِ دشتِ مجنوںِ رشکی بچنے
اگر بوسے بجائے دانہ دہقاں، نوکِ نشتر کی

فرماتے ہیں دشتِ مجنوں کی خاک رگِ سیلی کو زخمی کر دے اگر دہقاں دانہ بوسے کی بجائے نوکِ نشتر زمین پر
بوسے بھیلے ہیں کہ جذباتِ عشق نے عاشق و مشوق اور رگ و نشتر میں باہمی ربط پیدا کر دیا ہے۔
اس لئے بجائے کھینچنے کے نوکِ نشتر اگا کریں گے۔

پر پردانہ شاید بادبانِ کشتی ٹمے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

فرماتے ہیں۔ پردانہ کا پڑشایہ شراب کی کشتی کا بادبان ہے کہ جو نہیں مجلس گرم ہوئی۔ دورِ ساغر شروع ہو
گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں بزمِ آرائی جاتی ہے شمع جلائی جاتی ہے اور اس روشنی پر پردوں کا حجم
ہو جاتا ہے اور شمع روشن ہوتے ہی دورِ ساغر شروع ہو جاتا ہے اور شراب کی کشتی روانی رواں دواں

ہو جاتی ہے لہذا پروانے کے پراس کٹنے کے باوبان بن جاتے ہیں ۔

کروں بیدار ذوق پریشانی عرض کیا قدرت !

کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی

فرماتے ہیں ۔ میری کیا مہال ہے کہ میں ذوق پریشانی کے ظلم و ستم کو عرض کروں : اڑنے سے پہلے ہی میرے شہر نے جواب دے دیا ۔

کہاں تک روؤں اُسکے خیمے کے پیچھے قیامت ہے !

میری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار تھپہ کی

فرماتے ہیں ۔ میں اس کے خیمے کے پیچھے رو رہا تھا کہ کیا مگر خیمے کو اپنے آنسوؤں سے بہا نہ سکا اگر
اگر ایسا ہوتا تو یارب کا دیدار نصیب ہو جاتا ۔ یارب اگر تفتابوں کی جگہ تھپہ کی دیوار ہوتی تو اس نا ایدگ
و ناکامی کے وقت میں اپنا سر پھونک کر مرنے لگتا ۔

غزل ۱۶۵

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے

جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

فرماتے ہیں ۔ جس قدم نے اپنی مدد سے تہاؤ کیا ۔ اُسی قدر میں لوگوں کی نظر میں شرمندگی
اٹھانی پڑی ۔ اعتدال ہر حالت میں برقرار رکھنا اچھا ہے جتنی کہ عبادت میں بھی ۔ یہی سارے
آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سنت ہے

پنہاں تھا دامِ سخت قریب اشیان کے

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتِ رہم ہوئے

فرماتے ہیں۔ اشیان کے پاس ہی بہت بڑا جال بچھا ہوا تھا ہم اُڑنے بھی نہ پائے تھے کہ جال میں پھنس گئے
انسان ہوش نبھالتے ہو، دنیا کے بکھڑوں کے جال میں پھنس جاتا ہے اور پھر ساری عمر اس جال میں نہیں نکلتا۔

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے

یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

فرماتے ہیں۔ ہمارا وجود ہی ہمارے مٹنے کی دلیل ہے۔ ہم ایسے مٹے کہ گویا ہمارا وجود کبھی تھا ہی نہیں۔
پیدائش سے ہی تبدیلی شروع ہو گئی۔ اور جس شے میں تبدیلی ہوگی یقیناً وہ فنا ہوگی۔ صرف وہ
صرف ایک ہی ذات ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں اور وہ اللہ کی ذات ہے۔

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر؟

وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

فرماتے ہیں۔ عشق کی سختیاں اور مصیبتیں اٹھانے والوں کا کیا حال پوچھتے ہو وہ تو چُپ چاپ استغی
سے غول کو برداشت کرتے کرتے گھل کر سراپا رنج و الم کی تصویر بن گئے۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دھریں

تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

فرماتے ہیں۔ اگر تو جفا کے بدلے اب دفا کرنے لگے تو میرے جو ستم کی تلافی تو شاید ہو جانے لگاؤں
ہزاروں ستم کا کیا ہوگا جو زمانہ ہم پہ کرتا رہا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اب مجھے ہم پر رحم ابھی جائے
اور تو اپنی جفاؤں کی تلافی کر بھی دے۔ پھر بھی زمانہ کے ظلم و ستم کی تلافی کون کرنے والا ہے۔

تو باری رہیں گے۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

فرماتے ہیں: ہم عشق کی خیزیں داستانیں اشعار کی صورت میں لکھتے رہے۔ باوجودیکہ محبوب نے ہمارے ہاتھ بھی قلم کئے۔ یعنی طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ خوں چکاں حکایات اس کثرت سے لکھیں کہ ہمارے ہاتھ ہی زخمی ہو گئے۔

اللہ سے تیری تسدئی خوشی کے بیم سے

اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

فرماتے ہیں: تیری بدمزاجی کے خوف سے مرے نالے لب پر نہ آئے بلکہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کا رزق بنتے رہے اور آخر کار خون کی مانند میرے بدن میں تحلیل ہو کر رزق جاں بن گئے۔

اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق

جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے

فرماتے ہیں: اہل ہوس کی اسی میں غیر ہے اور یہی اُن کی جیت ہے کہ میدانِ عشق سے باہر نکل جائیں۔ بس کارزار میں وہ جیت نہ سکیں گے۔ لہذا جو قدم وہ پیچھے ہٹائیں گے وہی اُن کی فتح کا علم ہو گا۔

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

جو واں نہ کھج سکے سودہ یاں آکے دم ہوئے

فرماتے ہیں: ناکشی کا منصب ہیں عدم سے تفویض ہوا ہے جو ناکشی دہاں کرنے سے رو گئی تھی وہ ہم

نے یہاں بخوبی و کمال تکمیل تک پہنچائی۔

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی

سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

فرماتے ہیں۔ اے اسد ہم نے خیزی میں بھی عاشق نہ چھوڑا۔ جس نے ہم پر کوئی کرم کیا ہم اس کے

گردیدہ و عاشق ہو گئے۔ یہ لطف و کرم تھا۔ ساقی کا دیتا چلا گیا

میں تھا گدائے میکہ لیتا چلا گیا (شرح)

غزل ۱۶۶

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی

تو فسرِ دگر نہاں ہے بہ کینِ بے زبانی

فرماتے ہیں۔ اگر شعلہ عشق میرے نقدِ داغِ دل کی حفاظت نہ کرے گا۔ تو افسردگی لگات لگائے

بیشی ہے کہ درِ موقع ملے تو میں نقدِ داغِ دل کو اڑاؤں۔ مطلب ہے کہ ناکامی و ناکامی سے جو

غم بڑھے گا کہیں وہ مرے داغِ دل کو مٹا نہ دے۔

مجھے اُس سے کیا توقع؟ یہ زمانہ جوانی

کبھی کو دکھی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

فرماتے ہیں۔ بچپن میں کہانیاں سننے کا ہر بچے کو شوق ہوتا ہے لیکن میرے محبوب نے اس وقت بھی

میری کہانی نہیں سنی اب جبکہ ہم دونوں جوان ہو گئے ہیں تو کیسے توقع کروں کہ وہ میرا حالِ دل

سننا پسند کرے گا۔

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب . ورنہ کہتا

کہ مرے مُرد کو یارب ملے میری زندگانی

فرماتے ہیں . بلا وجہ کسی کو دکھ دینا یا اس کے لئے اپنے دل میں مصائب کی خواہش رکھنا اچھی بات نہیں ہے . اگر ایسا ہوتا تو میں یقیناً اپنے دشمن کے لئے یہ دعا کرتا کہ یا الہی میری زندگی جو دکھوں سے بھری ہوئی ہے وہ میرے دشمن کو عطا کر دے کیونکہ وہ مجھ کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے .

غزل ۱۶۷

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے

اک شمع ہے دلیلِ سحر سو غمخوش ہے

فرماتے ہیں . میرے ظلمت کدے میں شبِ غم کا جوش ہے یعنی بلا کا اندھیرا ہے اور اس شبِ غم میں اسکان نہیں کہ کسی صبح اپنا منہ دکھائے کیونکہ شمع جلائی ہی نہیں گئی جو صبح کے وقت بجھ کر غروبِ سحر کا پیغام دے .

نے مرثوۂ وصال نہ نطفِ ارہ جمال

مدت ہوئی کہ آشتی چیشمِ وگوش ہے

فرماتے ہیں نہ وصل کا مرثوہ کانوں کو نصیب ہوتا ہے نہ آنکھوں کو جمالِ یار کا کبھی نظارہ ہوتا ہے . مرثوہ سے ان دونوں میں صلح و آشتی کا دور دورہ ہے . پہلے کبھی ایک کو کچھ مائل ہوتا تھا وہ دوسرے پر

غزنیہ اپنی فوقیت بتایا کرتا تھا۔ اگر کانوں کو مزہ ملتا تو وہ آنکھوں کو اپنے سے کمتر نہ کرنے کی غرض سے کہتا کہ دیکھا تیرے ایسے ہماگ نہیں ہیں کہ تو جمال یار کو دیکھے ہیں خوشخبری مل گئی ہے اور اکچھ جمال یار کا نظارہ پاتی وہ کانوں پر اپنی فوقیت کا سکہ جاتی مگر اب یہ دونوں آپس میں صلح کر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ نہ کانوں کو مزہ وہ مال ملتا ہے نہ آنکھوں کو نظارہ جمال ہوتا ہے۔

مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب

اے شوق یا اجازتِ تسلیم و ہوش ہے

فرماتے ہیں۔ شراب نے حسنِ خود آرا کو بے حجاب کر دیا ہے اے خولِ دل اب تجھ کو اجازت ہے کہ اپنے ہوش و حواس جن بے حجاب کی نذر کر دے۔

گوہر کو عقدِ گردنِ خواباں میں دیکھنا

کیا اوج پر ستارہ گوہرِ فردش ہے

فرماتے ہیں۔ گوہرِ فردش کا نصیب بہت اوج پر ہے کہ اس کے موتیوں کے ہار گردنِ خواباں میں جا کر اسٹے اچھے لگ رہے ہیں۔ ورنہ ان کی حیثیت ہی کیا تھی۔

دیدارِ بادہ۔ حوصلہ ساقی۔ نگاہِ مست

بزمِ خیال مے کدہ بے غروش ہے

فرماتے ہیں۔ دیدارِ شراب ہے حوصلہ ساقی ہے اور نگاہِ مست و میخوار ہے۔ خیالی مجلس ایسا میکدہ ہے جہاں کوئی شور و غل نہیں ہوتا۔

قطعہ

سے تازہ واردانِ بے باط ہو اے دل
زنہار! اگر تمہیں ہوسِ ناز و نوش ہے

فرماتے ہیں، اے نوجوان! تم اگر نئے نئے عشق و محبت کے اسیر ہوئے ہو تو خبردار در چیزوں ہے
دل نہ لگانا۔ ایک ہوسیقی اور دوسری شراب یہ دونوں انسان کی زندگی کے لئے روگ ہیں۔

دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو
میری سوز جو گوشِ نصیحتِ نیش ہے

فرماتے ہیں۔ میرے حال پر نظر ڈالو اور عبرت حاصل کرو اور میری نصیحت دل کے کانوں سے سنو
اور وہ نصیحت یہ ہے کہ

ساتی بہ جلوہ، دشمنِ ایمان و آگاہی
مطرب بہ نغمہٴ ریزنِ تمکین و ہوش ہے

فرماتے ہیں ساتی اپنی جلوہ گری سے تمہارے ایمان و آگاہی کا دشمن ہے اور مطرب اپنی خوش گلوئی سے
تمہاری طاقت و ہوش پر ڈاکہ زنی کرنے والا ہے۔

یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہٴ مہبط
دامانِ باغبان و کفِ گلِ فروش ہے

یا تو رات کو یہ حالت تھی کہ فرش کا ایک ایک کونہ پھولوں سے آراستہ و پیراستہ تھا اور باغبان
کا دامن دستِ گل کا ہاتھ بنا ہوا تھا اور دل بستگی اور دل فریبی کے ہر طرح کے سامان
ہیٹاتے ہیں۔

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

ساقی کی ستارہ چال لکھ پائمال کرتی تھی اور چنگ و درباب کی موسیقی دل کو بھانے والی اور اپنی
جانب کھینچنے والی تھی۔ یعنی ایک طرف تو جنت کا نظارہ پیش تھا اور دوسری طرف کانوں کے
لئے نذر سرائی کے لطاف حاصل تھے۔

یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جو کش و خروش ہے

یا صبح کے وقت آکر جو دیکھا تو بزم میں اُدا سی اور بے رونقی چھائی ہوئی تھی نہ موسیقی تھی نہ اس
کا سوز و گداز اور نہ آنکھوں کے لئے جنتِ نگاہ کا کوئی سامان۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی نموش ہے

داغِ فراق سے افسردہ اور ساری رات کی جلی بھی ہوئی دلِ عاشق کی طرح خمروہ ایک شمع نظر
آ رہی ہے مگر وہ بھی نموش ہے یعنی بجھ چکی ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مفاہیم خیال میں
غالب صریح خامہ نواسے سرکش ہے

فرماتے ہیں میرے خیال میں ایسے مضامین کا آنا اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے۔ اسے غالب میرے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کی آواز نہیں بلکہ غیبی آواز ہے۔ (نوائے سروکش، غیبی آواز)

غزل ۱۶۸

نہ ہوئی گرمے مرنے سے تسلی نہ سہی امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
فرماتے ہیں۔ میں۔ نہ حق رونا پر راکر دکھایا۔ اپنی جان آپ کے عشق میں دے دی۔ اگر آپ کی تسلی
اس پر بھی نہیں ہوئی اور آپ میرا عشق صادق اور مجھے عاشق صادق نہیں خیال کرتے تو
پھر اور جو کوئی امتحان باقی ہے وہ بھی میری نعلش پر کر لیجئے۔ آپ چاہیں تو میری نیش قیامت
تک آپ کے پاس رہے۔ بے مثل مطلع ہے جس قدر تعریف کریں کم ہے۔

خار۔ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے شوقِ گلِ چینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
فرماتے ہیں۔ اگر میرا شوقِ گلستانِ تسلی کا گلِ چین نہ بنا نہ سہی۔ میرے شوق کے لئے حسرتِ
دیدار کے لئے کٹٹے ہی کافی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شوقِ تسلی نہ حاصل کر سکا تو کم و کم
حسرتِ دیدار تو ساتھ رہی۔

مے پرستانِ خمِ مے لگائے ہی بنے ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی۔ نہ سہی
فرماتے ہیں۔ اسے مے پرستوں ساقی کے استدراج کے بعد اگر خم کا خم تم نے مٹ لگا کر پی لیا تو کوئی مضائقہ
نہیں۔ ایک دن وہ بزم میں نہیں تھا تو نہ سہی۔ اگر وہ ہوتا تو ساقی خرامِ ناز کے ساتھ میں ساغر میں
مراچی سے ڈال کر تھوڑی تھوڑی شراب دیتا۔ اب اگر اس کے نازدادانہیں ہیں نہ سہی۔ خم مٹے کو مٹ
لگا کر ادھی بھر کر پینے کا تو موقع مل گیا۔

نظرِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا گر نہیں شمعِ سیدہ خانہ لیلیٰ نہ سہی
فرماتے ہیں۔ قیس کا دم صحرا کے لئے چشم و چراغ کا حکم رکھتا ہے۔ صحرا کی ساری رونق قیس کے
دم قدم سے تھی۔ اگر قیس کو میلیا کے دربار میں داخلہ نہ ملا نہ سہی۔ لیلیٰ کے گھر کو سیدہ خانہ
اس وجہ سے کہا کہ لیلی کا خیمہ کالے رنگ کا تھا اور اس کا رنگ بھی کالا تھا۔

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق نو غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
فرماتے ہیں۔ گھر کی رونق (یا کسی جگہ کی) کسے نئے لوگوں کا جمع ہونا یعنی انجمن آرائی کرنا باعثِ نشاط
ہے۔ پہلے وہ بزمِ ماتم ہوا خوشی کی محفل۔ ویسے عارفِ باللہ کی نظر میں دونوں چیزیں برابر کا
درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ راضی ہونے والے سنا ہی اس کا شکار اور مقصودِ اصلی ہے۔

نہ تلاش کی تمنا نہ صلے کی پروا گر نہیں میں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
فرماتے ہیں۔ جو لوگ میرے کلام کو بے معنی سمجھتے ہیں وہ سمجھتے رہیں۔ مجھے اُن سے کسی تعریف یا داد پانے کی تمنا
نہیں ہے۔ نہ میں اُن سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ اگر میرے کلام کی قدر نہ کی جائے تو مجھے کیا پروا
میں نے شاعری اپنے ذوق کا تقاضا پورا کرنے کے لئے کی ہے۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔

عشرِ صحتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی
فرماتے ہیں۔ سینوں کی صحت میں جو حقوڑی سی خوشی مل جاتی ہے۔ اسے غالب اُسی کو غنیمتِ جانو
اگر ساری عمر کے لئے نہیں ہے تو نہ سہی۔

بادشاہت مل گئی جس کو غنی دل مل گیا پہ آئی پھر بہار ایسی جو گلشن میں نہیں (شام)

غزل ۱۶۹

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
 کہ اپنے سائے سے سراپاؤں سے بے وقدم آگے
 فرماتے ہیں۔ نقب کا مقام ہے کہ ہم کس خوشی سے قتل ہونے کے لئے جلاد کے آگے قتل کی جانب
 جارہے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ہمارے پاؤں شوقِ قتل میں جلد بلد بڑھ رہے ہیں اور ہمارے
 سر کا سایہ بھی دو قدم آگے ہی نظر آ رہا ہے۔

تضانیے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت
 فقط "خراب" لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
 فرماتے ہیں۔ تضانیے تھی کہ مجھے خرابِ بادۂ الفت لکھے مگر قلم مست و مدہوش ہو کر رک گیا اور
 آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی وجہ سے میں خراب ہو کر رہ گیا۔ خرابِ بادۂ الفت کا جملہ پورا نہ ہوا۔ اور
 اس وجہ سے جملہ کی نامی نے محبِ لطف پیدا کر دیا۔
 غمِ زمانہ نے جھاڑی زینتِ عشق کی مستی
 وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
 فرماتے ہیں۔ دنیا کے بیچ و غم نے سارے نشے برن کر دیئے وہ نہ ہم بھی عشق میں مبتلا غمِ عشق کی
 لذتوں سے مالا مال تھے۔ جھاڑی زینتِ عشق کی مستی کو مٹانے والا غمِ زمانہ ہے

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
 کہ اس کے ذریعہ پہنچتے ہیں نامرہ بے ہم آگے

فرماتے ہیں۔ اپنے محبوب کو خط لکھ کر جواب کے لئے ایسے بیتاب ہوئے کہ محبوب کے دروازے پر نام نہ بڑھ چکے تھے۔

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھاتی ہیں ہم نے
تمہارے آئینوں سے طرہ ہائے خم بہ خم آگے
فرماتے ہیں۔ اس طرہ ہائے پر خم محبوب کرنے میں اس قدر پریشان کیلئے کہ اب ہم ہی کہتے
کہ تیرے آگے آنے مطلب یہ ہے کہ خدا ہی تجھے سمجھے اور وہی تجھے اس کا بدلہ دینے والا ہے۔

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک لاجوؤں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے
فرماتے ہیں۔ ہم جس کو سانس یا دم خم سمجھ رہے تھے وہ دراصل موجِ خون کی پرافشانی ہے۔ یہ بھی
مطلب یہ نکلتا ہے کہ ساری قوتِ دل و جگر میں خون کی روانی ہے۔

قسمِ جنازہ سے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے
فرماتے ہیں۔ یا تو ایسی محبت ہم سے تھی کہ میری جان کی ہمیشہ قسم کھایا کرتے تھے یا اب یہ بات
ہے کہ جنازہ سے پہ آنے سے بھی انکار ہے۔

صحنِ گلشن سے میں کیوں اشکِ بد اماں نکلا
پھول سمجھا تھا جسے خارِ مفیلاں نکلا
(شرح)

غزل ۱۰

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے

یہ بھی مت کہہ کہ ”جو کہنے تو گلہ ہوتا ہے“

فرماتے ہیں۔ اس کو شکوہ کے نام سے بھی نفرت ہے اگر یہ بھی کہیں کہ وہ لفظ شکوہ کو پسند نہیں کرتا تو بے مہر محبوب اس کو بھی شکوہ ہی خیال کرتا ہے۔ لہذا ہم شکوہ کا نام بھی نہیں لیتے۔

پُرہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے بابا

اک ذرا چھڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ گلے شکوے میرے دل میں بھرے ہوئے ہیں وہ اگر چھڑی تو دیکھئے گا کہ جیسے بابے کے سروں پر انگلیاں رکھتے ہی سینکڑوں راگ فوراً نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح میں سارے گلے شکوے تمہارے سامنے بیان کرنے شروع کر دوں گا۔ مرنے والے چھڑنا ہی کا ذوق ہے اسی مہم کو کا ایک اور شعر ہے دیکھا آخر ذرا پھوٹے کا طرح پھوٹا ہے ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے پھر ہم کو

گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو

شکوہ جو رے سرگرم جفا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ جب بھی ہم محبوب سے شکوہ جو کہ تہمت کرنے ہیں وہ کم سن بچے کے سبب پوری طرح سمجھتا نہیں۔ مگر حسنِ تلافی دیکھئے کہ وہ پہلے سے زیادہ تہمت کرنے لگتا ہے۔

عشق کی راہ میں ہے چرخِ ملکوب کی وہ چال

سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ اس ستارے والے آسمان کو ضرور کسی سے عشق ہے تب ہی تو یہ بھی آہستہ آہستہ چل رہا ہے جیسے کوئی عاشق صحرا میں آبلہ پا ہونے پر چلتا ہے۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناکِ بیداو کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ میں تیر کھلنے کا اس قدر شوق ہے کہ اگر ان کا کوئی تیر خطا ہو جاتا ہے تو ہم دور کہ
تسے اٹھا لاتے ہیں اور ناکِ بیداو کی نذر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے آپ میں اپنے
تیر ستم کا نشانہ بنا ڈلئے۔

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہم پہلے سے ہی اپنے بد خواہ یعنی بُرا چاہنے والے ہوتے کیونکہ ہمارا ہر کام
ہمارے مقصد کے برعکس ہوتا ہے ہم بھلا چاہتے ہیں بُرا ہو جاتا ہے۔ کاش یہ راز ہم پر پہلے
سے کھل جاتا تو ہم ہمیشہ بُرے کی خواہش کرتے اور ہمارا بھلا ہو جایا کرتا۔

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

فرماتے ہیں۔ یا تو دو حالت کیفیت تھی کہ میرا نالہ و فریاد آسمانوں کو عبور کر کے بابِ اہمیت تک

پہنچ جاتا تھا اور میرے لئے بابِ رحمت کھل جاتا تھا۔ یا اب زیادہ سے زیادہ میرے
ہزٹوں تک مشکل پہنچتا ہے۔

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باریدِ بزمِ غن شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
معنی۔ بارید = ایک گویے کا نام ہے۔
فرماتے ہیں۔ میرا قلم بادشاہ کی مدح میں بارید گویے کی طرح نغمہ سرا رہتا ہے۔

اے شہنشاہِ کوکب سپہ و مہرِ علم ! تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
فرماتے ہیں۔ اے شہنشاہِ ہندوستان تارے بھی تیری سپاہ یعنی فوج اور مہرِ ترا علم ہے۔ تیرے
انعام و اکرام کا حق کسی سے ادا نہیں ہو سکتا۔

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
معنی۔ نعل بہا = نڈرا ز کائیکس
فرماتے ہیں۔ اگر سات بادشاہت کے محاصل اکٹھا کئے جائیں تو پھر کہیں تیرے لشکر کا نعل بہا
ہو یا ہو گا۔

ہر مہینہ میں جو یہ بدرستہ ہوتا ہے بلال آستانہ پر تیرے مہرِ ناصیرا ہوتا ہے
فرماتے ہیں۔ ہر مہینہ چاند بوجہ بننے کے بعد بلال ہو جاتا ہے یہ تیرے در پر مانتا گر ٹوٹتا ہے

میں جو گستاخ ہوں اُمین غزل خوانی میں یہ بھی تیرا ہی کرم ذوقِ فزا ہوتا ہے
 فرماتے ہیں۔ میں جو دستورِ غزل کی خلاف ورزی کر رہا ہوں اور غزل کے درمیان تیری مدح سرائی
 کرنے لگتا ہوں۔ یہ بھی تیرے کرم کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ تیرا کرم ذوقِ مدح سرائی کو
 بڑھاتا رہتا ہے۔

رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ دردِ مہر۔ بے دل میں ہوا ہوتا ہے
 فرماتے ہیں۔ اے غالب میری تلخ نوائی کو کس کس بد مزہ مت ہونا۔ میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں
 کہ میرے دل میں آج دردِ پہلے سے کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔

غزل ۱۷۱

ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ تم ہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ میری ہر بات کو سن کر یعنی میری ہر غزل کو سن کر آپ کا یہی ارشاد ہوتا ہے کہ تو کیا ہے تیرے
 کام کی حقیقت کیا ہے مجھے بہت ہی حقیر ذیل سمجھتے ہو میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ یہ اندازِ گفتگو کس حد
 تک مناسب ہے اور یہ کونسی تہذیب ہے۔ کونسا طرزِ گفتگو ہے۔ یہ غزلِ غالب کی چند پہلی مستغ غزلوں میں
 سے ایک ہے۔ یہ حقیر جان کے کہنا کسی سے تو کیا ہے؟ گناہ ہے یہ تکبر کی گفتگو کیا ہے (شاعر)
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تند خو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ اُس کی تند خوئی کی نہ کسی شعلہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور نہ بجل سے یعنی یہ کرشمہ و ناز کہیں نہیں پایا
 جاتا جو اُس شوخِ تند خو میں ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔ اگر کوئی بتا سکتا ہے تو مجھے ضرور بتائے کہ آخر وہ
 شوخِ تند خو ہے کیا بلا۔

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے دگر نہ خوفِ بد آموزی عدو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ مجھے تو یہ رشک دے ڈالتا ہے کہ وہ تم سے ہم کلامی کا شرف رکھتا ہے۔ اس بات کی
 قطعی پروا نہیں کہ وہ میری بدگوئی میں آپ کے کان بھرتا ہے۔ تم کا لفظ غمازی کرتا ہے کہ
 دے سنن بادشاہ کی طرف نہیں ہے۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا من ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ ہمارے بدن پر جو زخم لگے ہیں ان سے خون مسلسل بہہ رہا ہے اور اس کے سبب سارا
 ہمارے جسم سے چپک کر رہ گیا ہے۔ ایسی حالت میں کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے گریبان کی
 مہرت کریں اور سنیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب معائب نے سب کچھ ہی تباہ و برباد کر دیا۔ تو پھر
 کسی ایک چیز کا کیا روزگار نہیں۔

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا کریدتے ہو جوابِ راکھ جستجو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ جہاں جسم جل گیا وہاں ساتھ دل بھی جل گیا ہو گا۔ اب آپ جو راکھ کرید رہے ہو تمہارا کیا مطلب
 ہے مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا تو باقی کیا رہا اب تم جو ایک ایک چیز کا جائزہ لیتا
 چاہتے ہو اس سے تم کو کیا فائدہ ہو گا۔ کیا ہماری تباہی میں تمہیں شک ہے۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہڑیکا تو پھر لہو کیا ہے؟
 فرماتے ہیں۔ ہماری نظر میں لہو کا قدر و قیمت یہ ہی نہیں کہ وہ انسان کی رگوں میں دوڑتا رہے اور باعثِ
 زندگی ہو بلکہ ہم تو لہو کو اس کو سمجھتے ہیں کہ انسانِ عشق میں مبتلا ہو اور پھر کسی کی یاد میں اس کی
 آنکھوں سے خون ٹپکے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے کے لئے عطا کی ہے

اگر کوئی اٹکھ اس کی یاد میں خون کے آنسو نہیں بہا تو خون کی کیا قیمت دوسرے پر مبنی بھی نکلتے
ہیں اور سمجھے جاسکتے ہیں کہ دوست احباب ارشتہ دار جو زبانی جمع خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنی
محبت اور بہدردی جتاتے رہتے ہیں وہ وقت آنے پر اگر کچھ نہ کریں تو ان کی محبت کے کیا معنی ہیں۔

وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہر بہشت عزیز سوائے باد و گل غام و مشک بو کیا ہے؟
فرماتے ہیں۔ بہشت کی نعمتوں میں سے ایک شراب۔ پھر بھی ہے جو گل غام بھی ہے اور مشک بو
بھی اس کے لئے ہیں جنت پیاری ہے۔
۱۵۰ سو شربت دیدار جس کو جنت میں پھر اس کے واسطے مہاے ملے گا۔
(شرح)

بیویوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سببو کیا ہے؟
فرماتے ہیں۔ شراب پینے میں نہیں بہت عالی ظرف ہوں بیشیشہ و قدح کوزہ و سبب میرے لئے کچھ
نہیں اور نہ اس قدر تھوڑی شراب سے مجھے حسب خواہش سرور حاصل ہوگا۔ ہاں اگر دو چار
ٹکے شراب کے ہوں تو پھر کوئی بات بنے۔

نہ ہو جو اگفت جانان تو ظرف دل بیکار : نہ ہو جو بادہ تو پھر ساغ و سبو کیا ہے (شرح)
ربی نہ طاقت گفت مار اور اگر ہو بھی تو کس امید یہ کہئے کہ آرزو کیا ہے؟
فرماتے ہیں۔ ہم نے اس قدر ضبط سے کام لیا کہ ضبط آرزو میں اپنی جان سے بیٹھے اور کبھی حرف آرزو
انچے لب پر نہ لائے۔ ایک تو اب طاقت گفت نہیں اور اگر ہوتی بھی تو ہم کس امید پر اپنی آرزو
کا اظہار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب سے ہم بالکل بالوکس ہو چکے ہیں۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر سے اتراتا دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے
فرماتے ہیں۔ بادشاہ کی مصاحبت نے غالب کو مغرور کر دیا ہے۔ بہت تھوڑے ظرف کا انسان ہے۔

شہر میں سب کو بتاتا اور اتراتا پھرتا ہے کہ میرا بادشاہ کے مصاحبوں میں سے ہوں۔ ورنہ
اس سے پیشتر تو اس کو کوئی گناہ بھی نہ ڈالتا تھا۔ متعلق اپنا جواب نہیں رکھتا اور غزل بھی
جو ہو فریب سے حاصل وہ مال و زرِ لعلت، اس اس جس کی ہو باطل وہ آبرو کیا ہے۔ (شرح)

غزل ۱۷۲

میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے
فرماتے ہیں۔ اُن سے یہ بات بید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ چھیڑنے پر مجھے بڑا بھلا نہ کہیں اگر وہ
شراب پیئے ہوئے ہوتے تو مجھے کچھ نہ کہتے اور میری چھیڑ کا بُرا نہ مانتے۔ یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ اگر
شراب پیئے ہوتے۔ تو میری خوب خبر لیتے۔ خیر ہی ہوتی۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاش کہ تم مرے لئے ہوتے
فرماتے ہیں۔ محبوب سے مخاطب میں اور کہتے ہیں کہ تم بھی شوخی و شرارت میں کسی قہر و بلا سے کم نہیں ہو
لیکن میں پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ کاش میری قسمت میں بھلے دوسری بلاؤں کے نہیں ہی کچھ
دیا جاتا۔ محبوب کی شوخی اور بد مزاجی کی تصویر کینچی ساتھ ہی تعریف بھی آتا ہے ایسی کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

میری قسمت میں غم گراتا تھا دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے
فرماتے ہیں۔ اگر مجھے میری زندگی میں اس کثرت سے غم دیئے تھے تو اے میرے خالق دماک مجھے کئی دل
بھی دیتے تھے۔ ایک دل کے لئے تو انھوں نے سارے غم بہت دیئے ہیں۔ اندازِ شکوہ و دُعا قابلِ داد ہے۔

آہی جاتا وہ راہ پر غالب کوئی دن اور بھی جئے ہوتے
فرماتے ہیں۔ اے غالب انجام کار وہ اس راہ پر چلنے لگتا جس کے تم خواہش مند ہو یعنی تمہاری ڈگر

پر چلنے لگا۔ لیکن تم نے جلدی سے کام لیا۔ کچھ دن ادا جیتے ہوئے۔

غزل ۱۷۳

اگر مری جان کو تیار نہیں ہے طاقِ بے داد انتظار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ جلدی سے آجا اور آنے میں تاخیر سے کام نہ لے۔ میری جان زار میں اب صبر و قرار کی طاقت
بالکل نہیں ہے اور۔ بے داد ہونے کی طاقت بھی ختم ہو چکی ہے۔

دیتے ہیں جنت۔ حیاتِ دہر کے بدلے نریشہ بہ اندازہِ خمار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ دنیاوی زندگی کے عوض میں جنت اور حیاتِ ابدی مطافِ نازوں
کا۔ مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ دنیاوی تکلیف اور مصائب جو اس کی راہ میں برداشت کرنا
ہے اور انجام کار اپنی جان دے دیتا ہے وہ کافی نہیں۔ خمار کے دقت شرابی کو تھوڑی شراب
دینے پر اس کا خمار نہیں اترتا یعنی اس کا دوسرا بیدن کا ٹوٹنا ختم نہیں ہوتا۔ اس مثال سے
بہت کمزور معنی بنتے ہیں جو میرے دل کو نہیں بجاتے ہیں مصرعہ ثانی سے یہ سمجھا ہوں کہ نشہ
کے معنی یہاں مرزا غالب اُمیدوں اور آرزوؤں کے لیتے ہیں۔ یہیں نلاں چیز کا نشہ ہے کہ یا تو وہ
ہمارے پاس ہے یا ہمیں ملنے کی امید ہے۔ معنی یہ بنے گئے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ دے گا ہماری امیدیں
اُس سے کہیں زیادہ ہیں۔ صرف جنت سے ہماری تسلی نہ ہوگی بلکہ ہمیں تو اپنے محبوب کا دیدار
بھی چاہیے۔

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ہائے کہ رونے پر اختیار نہیں ہے

فرماتے ہیں۔ تیری بزم میں بیٹھ کر دنا اور گریہ و زاری کرنا باعثِ بدنامی ہے لہذا میں بزم میں ٹھہر
نہیں سکتا۔ افسوس کہ میرا دنا مجھے تیری بزم کی صحبت سے محروم کرتا ہے اور رونے پر مجھے
اختیار نہیں ہے۔

ہم سے عبت ہے۔ گمانِ بخشِ خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں پر بخشِ خاطر کا گمان بے فائدہ ہے۔ عشاق تو ایک مشتِ خاک سے زیادہ
حیثیت نہیں رکھتے مرنے کے بعد غبارِ خاطر کہاں سے آئے گا۔

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی غیرِ گلِ آئینہ بہار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ جلوہ معانی دل میں اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح آئینہ گل میں بہار کا حسن و جمال
دکھائی دیتا ہے لہذا تو اسے غالبِ جلوہ ہائے معانی سے لطف اندوز ہو۔

قتلِ کامیرے کیا ہے عہد تو بارے دائے! اگر عہد استوار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ محبوب نے انجامِ کامیرے قتل کرنے کا عہد تو کر لیا ہے۔ خدا کا شکر ہے مگر خطہ یہ
ہے کہ اگر اس کا عہد پختہ نہیں ہے تو کیسے بنے گا۔

تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے
فرماتے ہیں۔ اے غالب تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے۔ مگر پتہ نہیں کہ تیرا مطلب ترک مے کشی
ہے یا مے کشی کرتے رہنے کی۔ اور یہ دونوں تیری قسم سے پوری طرح واضح نہیں ہیں تو ہم
تیری قسم کا اعتبار کیسے کریں۔ کیا سمجھیں۔

غزل ۱۷۵

بجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
 کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرقِ شکل ہے
 فرماتے ہیں۔ میرے لئے اس قدر بجومِ غم ہے کہ میں اپنا سر اپنی زانو پر دھریں بیٹا رہتا ہوں
 اور اس لئے تارِ دامن یا تارِ نظر میں فرق کرنا مشکل امر ہے۔
 رفوئے زخم سے مضرب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی
 سمجھو دمت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے
 فرماتے ہیں۔ زخم کے سلوانے میں جو بار بار سوئی سے زخم گئے ہیں مجھ کو وہ لذتِ سوزن درکائی ہے
 اس لذت سے میں مسرور و مدحوش رہتا ہوں اور پھر تڑپتا ہوں لہذا یہ نہ سمجھنا کہ درد سے
 دیوانہ غافل ہے بلکہ مجھے ہر دم پاسِ درد ہے۔
 وہ گل جس گستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 چکنا غنچہ نگل کا صدائے خندہ دل ہے
 فرماتے ہیں۔ وہ گل اندام جس باغ میں جلوہ افروزی کرتا ہے اس کے سخن و جمال سے شرمندہ
 ہو کر کیلیاں چکنے لگتی ہیں اور اُن غنچوں کے چکنے پر جو صدا نکلتی ہے وہ خندہ دل ہے یعنی
 باغ کا دل ہی باغ باغ ہو جاتا ہے۔

غزل ۱۷۶

پا بہ دامن ہو رہا ہوں، بس کہ میں صحرانورد

خارجِ پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے

فرماتے ہیں۔ میں تو جنونِ عشق کے باعث دشت و صحرا کی خاک پہ انا پند کرتا تھا اب جو میں پاؤں
سکڑ کر پا بہ دامن نظر آتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ زنا صحرانوردی میں جو کانٹے لگے تھے ان سے
پیر بُری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ زانو کو آئینہ سے اور جو ہر آئینہ کو کانٹوں سے تشبیہ دی ہے۔

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے بعد

ہے نگاہِ آشنا تیرا سر ہر منہ مجھے

فرماتے ہیں۔ ہم آغوشی کے بعد میرے دل کی مسرت قابلِ دید ہو گئی۔ چونکہ یہ دل تیری
زلفوں کا اسیر ہے اور یہ اک بال سے آشنا ہے۔ جب دو دوست دو آشنا ملے
ہیں اُن کی خوشی کا عالم دیدنی ہوتا ہے۔

بوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ

ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

فرماتے ہیں۔ میں تو سے پر تک سازِ آہنگِ شکایت ہوں۔ میرے اتنے شکایتوں کے راگِ بھرے
پڑے ہر یوں کے سنانے مجھے کبھی نہ چھیڑنا اس میں تیری ہی بنیادی کا خطرہ ہے

غزل ۱۷۷

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے

جاں کا لبد صورتِ دیوار میں آوے

فرماتے ہیں۔ جس بزم میں تو نازِ داد کے ساتھ باتیں کرے دباں پر شنگی ہوئی تصویریں ہیں بھی
بان پڑ جاتی ہے۔ (کالبد۔ جسم، پیکر، تصویر)

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرودِ صنوبر

تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے

فرماتے ہیں۔ سایہ کی طرح سرودِ صنوبر چوں میں تیرے ساتھ بولیں گے اگر تو کبھی اپنے اس قدر
دلکش کے ساتھ گلزار میں چلا جلتے۔ یہ محبوب کے قد بوزوں کی طرف اشارہ ہے۔

تب نازِ گراں مانگی اشکِ بجا ہے

جب لختِ جگر دیدہ خونبار میں آوے

فرماتے ہیں۔ ہم اپنے آنسوؤں کو اس وقت انمول موقیٰ سمجھیں گے جب ہمارے جگر کے ٹکڑے بھی
دیدہ خونبار کے راستے آنسوؤں کے ساتھ آئیں اور ہمارے دامن پر لالہ کاری کریں۔ اسی مفہوم
کا حامل غالب کا یہ شعر بھی ہے۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جب آنکھ ہی سے نہ پیکا تو پھر لبو کیا ہے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گرا!

کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

فرماتے ہیں۔ اے ستم گر اگر چاہتا ہے کہ تجھے پتہ چلے کہ تیرے ظلم و ستم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا اور کیا قیامت برپا کی ہے۔ تو مجھے شکایت کی اجازت دے تا میں تجھے تباہوں اور اپنی داستانِ الم بیان کروں اور تو مزے لے لے کر نئے۔

'اُس چشمِ فصولِ گو کا اگر پائے اشارہ

طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

فرماتے ہیں۔ اگر اس چشمِ فصولِ گو کا اشارہ پائے تو طوطی کی طرح آئینہ بھی باتیں کرنے لگے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب

اک آبلہ پا وادی پر خار میں آوے

فرماتے ہیں۔ کانٹوں کی زبان بھی پیاس کی وجہ سے خشک ہو چکی ہے۔ اے خدا تو صحرا میں کسی ایسے دیوانے کو بھیج دے جو نوردی کی وجہ سے جس کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہوں تا صحرا کے کانٹے اپنی پیاس بجھا سکیں حقیقی طور پر اس کے معنی یوں ہونگے کہ اے خدا تو کسی غافلِ اللہ کو مامور فرما دے تا یہ دنیا جو ایک صحرا بن چکی ہے وہ اُڑا نکلی آجاسی کہے اور دنیا پھر سے سرسبز شاداب ہو جائے اور روحانی پیاسوں کا پیاس بجھ سکے۔
مر جاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنِ نازک

آغوشِ نغمِ حلقہ زنتار میں آوے

فرماتے ہیں۔ میرا محبوب زنتار پہننے والا ہندو ہے جس کے دوش پر زنتار دیکھ کر میں رشک سے مر جاتا ہوں کہ وہ نازک بدن میری آغوش میں تو نہ ہو لیکن حلقہ زنتار ہر وقت اس کو اپنی آغوش میں لئے ہے

غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیوں شاہِ بگل باغ سے بازار میں آوے

فرماتے ہیں۔ اگر بگل کو ہوسِ زر نہ ہو تو وہ بازار میں آکر غارت گرِ ناموس کیوں بنے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوسِ زر بھی انسان کو اکثر ذلیل اور بے عزت کرتی ہے۔ (ہوسِ زر، زر کی ہوس)

تب چاکِ گریباں کا مزہ ہے دلِ نالاں
جب اک نفس اُلجھا ہوا ہر تار میں آوے

فرماتے ہیں۔ اے میرے دلِ نالاں گریباں کو چاک کرنے کا مزہ تب ہے جب تارِ نفس بھی گریبان کے چلک ہو قوتِ لوث کو رہا ہو نکل آئے۔

آتشِ کدہ ہے سینہ مرار از بہاں سے
اے دانے! اگر معرضِ اظہار میں آوے

فرماتے ہیں۔ میرا سینہ رازِ بہاں کی گرمی سے آتشِ کدہ بنا ہوا ہے اگر وہ راز ظاہر ہو جائے تو زبانی کہیں کہاں آگے گئے گی اور اس کی چٹکاریاں کس کس تک پہنچیں گی۔

گنجینہ معنی کا طلسمِ اُس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

فرماتے ہیں۔ اے غالب میرے اشعار کا ایک ایک لفظ گنجینہ معنی اور طلسم معنی سمجھنا چاہیئے یعنی ہر لفظ میں معنی کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور طلسم معنی کو کھولنے کے لئے طلسمِ کُتبا کی ضرورت ہے اور ہر کُتبا ناکس کی پہنچ میرے مطالب و معانی تک نہیں ہے۔ (موضعِ حال میں میں نے یہ سن لیا ہے۔)

غزل ۱۷۸

حسنِ مہِ گرچہ یہ بنگامِ کمال اچھا ہے
اُس سے میرا مہِ خورشیدِ جمال اچھا ہے

فرماتے ہیں ۔ اگرچہ بدرِ کامل کا سخن بھی اچھا ہے مگر میرا محبوب جو مہِ خورشیدِ جمال ہے وہ اس سے
کہیں بہتر ہے ۔ سخنِ انسان بھی بڑی چیز ہے نامرئیکن : فقط سے جب ہو مژنی تو جمال اچھا ہے
(شاعر)

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت اُنے تو مال اچھا ہے

فرماتے ہیں ۔ میرے محبوب کی نظر بار بار میرے دل پہ پڑتی ہے کہ یہ دل جائے مگر بوسہ دینے سے صاف
انکار ہی ہے ۔ چاہتا ہے کہ دل مفت میں مل جائے تو اچھا ہے ۔

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا

جامِ حجم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

فرماتے ہیں ۔ جو کچھ آسانی سے آجائے وہ اس شے سے کہیں بہتر ہے جو شکل سے ٹٹے یا گوشش
کے باوجود بھی نہ ٹٹے ۔ یہ نظر ہے جو غایتِ مادیب نے اس شعر میں پیش کیا ہے اور جامِ سفال
کو جامِ حجم پر ترجیح دی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ جامِ حجم اور مٹی کا آبخورہ ایک ہی مصرف میں آتے ہیں ۔ لیکن
اگر جامِ حجم ٹوٹ جائے تو اس کا بدلہ نہ محال لیکن مٹی کا آبِ خورہ تو بازار میں آسانی مل جاتا ہے ۔

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا لتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوشی سوال لپٹا ہے

فرماتے ہیں وہ شے جو بے مانگے اور بے طلب مل جائے اس کی لذت کا کیا کہنا ہے۔ اس کا لطف ہی زیادہ ہے کیونکہ سوال کرنے میں تلخی ہے شرم ہے اگر نہ ملے تو احساس محرومی ہے اور وہ گدا جس کو اذیل بن کر مانگنے کی عادت نہ ہو وہ بھی اچھا ہے اس کو دینے کے لئے خود بخود دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس شعر کی انسان آعریف کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ سمیاد کا حال اچھا ہے

فرماتے ہیں۔ دُنیا جانتی ہے کہ جب دوست آپس میں ملتے ہیں تو خوشی وابتساط کے جذبات چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ مگر عاشق کو ہمیشہ یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ کسی طرح میرے محبوب کو میری حالت کا زیادہ سے زیادہ علم ہو جائے تو میری محبت میرے عشق پر یقین کرے گا۔ اب مشکل یہ ہے کہ محبوب پر نظر پڑنے ہی عاشق کی حیثیت جو بگڑی ہوئی نفس بھال ہو جاتی ہے اور محبوب سمجھتا ہے کہ اس کی حالت تو ٹھیک ہے۔

دیکھئے پلتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

فرماتے ہیں۔ ایک نجومی ہندو نے جو اس سال کو اچھا بتایا ہے تو ضرور ہے کہ عشاق کو اپنے محبوبوں سے فیض پہنچے گا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کو اپنے محبوب اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے سوا کسی سے کچھ غرض نہیں ہے۔ وہ تو صرف اس بات کو ذمہ مند ہے کہ عشاق اپنے محبوبوں کے التفات سے کس قدر فیض پاتے ہیں۔

ہم سخن تیشے نے فریاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے

فرماتے ہیں۔ فریاد ایک مزدور پیشہ انسان اور شیریں خسرو پرویز کی ملکہ، فریاد کی محبوبہ تھی۔ ان دونوں کا اتحاد
فریاد کے تیشے کی بدولت ہوا۔ یوں کہ فریاد کو سنگ تراشی کے فن میں کمال حاصل تھا۔ اور شیریں نے
اس سے مطالبہ کیا تھا کہ پہاڑ کاٹ کر ہنر نکالو اور اس میں دودھ بھرو جو میرے عمل میں سے گزے
اور اس کمال نے اس کو شیریں سے ہم کلام کر دیا۔

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

فرماتے ہیں۔ فرع کا اپنی اصل کی طرف کوٹنا سب سے اچھا ہے جس طرح قطرہ اپنی انفرادی حیثیت کو کہ
اجتماعی حیثیت، حاصل کر کے اپنا مقام بلند کر لیتا ہے اسی طرح وہ سب کام اچھے ہیں جن کا نتیجہ
اچھا ہے یہ عظمت و نور میں تفریق جو کر سکتے ہیں۔ اگر بھی ان کا بڑا، ان کا مال اچھا ہے و شاعر

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

شاہزادہ خضر سلطان بہادر شاہ ظفر کے صاحب زادہ تھے۔ ان کی مدح میں یہ شعر ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے غُوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

فرماتے ہیں۔ اے غالب جنت کے متعلق جو بہت سی ذرا از کار باتیں لوگ کرتے ہیں ان کو گور، کو جنت کی

حقیقت نہیں معلوم۔ انہوں نے روحانی زندگی کو جسمانی زندگی کے مترادف خیال کر رکھا ہے اور اس کی لذتوں کے متماثل قرار دے رکھا ہے۔ ان خیالات کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے دل کو ان مہموم خیالات سے خوش کرتے ہیں۔ ہم دلائل کی روحانی زندگی کی حقیقت سمجھتے ہیں جو اس جسمانی زندگی اور اس کی لذتوں سے بالکل مختلف ہے۔

فہم قرآن سے ہوتی ہے حقیقت معلوم ہے یہ تھوڑے حقیقت یہ خیال اچھا ہے
اشارت

غزل ۱۷۹

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
فرماتے ہیں۔ آپ کی محفل ناز روز منعقد ہوتی ہے اور روز ہی غیروں کو بھر بھر کے جام اپنے ہاتھوں
سے پلاتے ہو اور ایک ادھر ہم ہیں کہ ہمیں بھول کر بھی اپنی بزم ناز میں نہیں بلاتے کبھی تو ہمیں بھی
دعوت نامہ ملے۔ ملے سے بھرے سا قیاب جام کو بھول جائیں ہم غم ایام کو (شارح)

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ متھکنڈے میں چرخ نیلی فام کے
فرماتے ہیں۔ اپنی تباہی و بربادی کا تم سے کیا شکوہ اس میں تمہارا کوئی تصور نہیں یہ تو آسمان کے ستم و جور
ہیں جو نئے نئے میلے پہلے ہماری بربادی کے تراشے رہتا ہے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
فرماتے ہیں۔ اگر خط لکھنے کے لئے کوئی خاص بات یا مضمون نہ ہو ہم پھر بھی تمہیں خط لکھیں گے۔ ہم
تمہارے نام کے عاشق ہیں۔ اظہار مطلب اگر نہیں ہے تو نہ ہو۔

نامہ بزرگچہ تو بتا اس شوخ نے کیا کہا جب سن لیا پیغام کو (شارح)

رات پنی زمزم پیسے اور صبح دم دھوئے دھبے جامہ احرام کے
 فرماتے ہیں ۔ ہماری ثنوی تو دیکھئے کہ چاہ زمزم پر راری رات شراب بی جیک ہم حرم میں تھے اور احرام
 باندھے ہوئے تھے ۔ اور صبح سویرے جو دھبے رات کو احرام پر لگ گئے تھے اُن کو آب زمزم
 سے دھویا ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ رات بھر گناہوں میں طوط رہتے ہیں اور صبح کے وقت زاہد و عابد
 بنے پھرتے ہیں ۔ دوسرے معنی جو بہت دل کو گھٹے ہیں وہ یہ ہیں رات سے مراد زمانہ شباب و جوانی
 اور غفلت کا ہے اور صبح سے مراد روشنی ، آگاہی ، ہدایت ہے ۔ کہ تمام جوانی کی عمر غفلت میں گزری
 لیکن شکر ہے کہ صبح کے ہونے پر تمام احرام زندگی پر جو دھبے لگ گئے تھے نظر گئے اور ہم نے
 توبہ و استغفار کی برکت سے ان دھبوں کو دھو ڈالا ۔
 آنسوؤں سے عمر بھر دھوئے رہے : لگ گئے تھے داغ کچھ احرام کو (شارح)
 دل کو آنکھوں نے پھنسیا کیا مگر یہ بھی حلقے میں تمہارے دام کے
 فرماتے ہیں ہماری آنکھوں نے ہمارے دل کو بال میں پھنسا کر جو قید کیا ہے پتہ پلتا ہے کہ ہماری آنکھیں
 تمہارے حسن و جمال نے لے کر اپنے دام کے حلقے بند لئے اور اس وجہ سے ہم تمہارے عشق
 میں گرفتار ہیں ۔
 دل مرا اک خوبصورت بھول تھا : دے دیا تاہر کسی گل نام کو (شارح)
 شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر دیکھئے دن کب پھریں حمام کے
 فرماتے ہیں ۔ بادشاہ کے غسلِ صحت کی خبر گرم ہو رہی ہے ۔ ہم بھی منتظر ہیں کہ کیا حمام کی قسمت باگ
 جاتا ہے یعنی بادشاہ غسلِ صحت سے اُس کو عزت بخشے ۔
 عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
 مطلب صاف اور سیدھا ہے ۔ پھر بھی بہت پُر لطف ہے ۔

غزل ۱۸۰

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ بونے مہر و مہر تماشا شائی
 فرماتے ہیں۔ دوبارہ موسم بہار اس انداز کے ساتھ آیا ہے کہ مہر و ماہ بھی تماشا فی ہو گئے ہیں
 ۴۔ دل و نگاہ میں تصویر یار رہتی ہے + مرے چمن میں ہمیشہ بہار رہتی ہے (صاف دہلوی)

دیکھو اے ساکنانِ خطِ پاک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 فرماتے ہیں۔ اے خطِ زمین پر بننے والو دیکھو کیسی بہار آئی ہے جس کی وجہ سے سارا عالم
 ہوا سنہ و پیرا ست ہے

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
 فرماتے ہیں۔ ساری زمین پر بہار نے سبزہ دگل اس طرح اگایا۔ ہے کہ زمین کی سطح سبزہ سے ڈمک
 کر نیلگوں آسمان کا تار بڑھ کر رہی ہے۔

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کافی
 فرماتے ہیں۔ سبزے کے لئے زمین پر جگہ نہ تھی تو وہ روئے آب یعنی پانی پر کافی کی شکل
 میں نمودار ہو گیا۔

سبزہ دگل کے دیکھنے کے لئے چشمِ زر گس کو دی ہے مینائی

فرماتے ہیں۔ چشمِ زکس کو اندھا خیال کیا جاتا ہے مگر باغبانِ عالم نے اس کو بینائی عطا کی ہے
تاکہ سبز و گل اور اسر بہار کو دیکھے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
فرماتے ہیں۔ اب جبکہ موسمِ بہار کی ہوا میں ایسی تاثیر ہے کہ دوست، کئے دیتی ہے تو بادہ نوشی
کئے ہم کیوں فضول کام کریں۔

کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالب شاہِ دیندار نے شفا پائی
فرماتے ہیں۔ اے غالب ہمارے دیندار بادشاہ نے بیماری سے شفا پائی ہے تو سارے لوگ
خوشی کیوں نہ منائیں۔

غزل ۱۸۱

تغافلِ دوست ہوں میرا دماغِ عجزِ عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجئے، تو جا میری بھی خالی ہے
فرماتے ہیں۔ میں گوشہ نشین تغافلِ پسند انسان ہوں۔ میری فطرت میں عاجزی و ناکساری ہے۔
مجھ سے اگر کوئی بے التفاتی کرتا ہے تو میں التفات کے بدلے تغافلِ زیادہ پسند
کرتا ہوں۔ اگر کوئی مجھ سے پہلو تہی کرتا ہے تو گویا وہ میرے لئے پہلو میں جگہ خالی کر رہا
ہے۔ یہ کیونکہ نہ ہو غرور مجھے اپنے عجز پر

یہ شے وہ ہے جو پاس نہیں کر دگار کے
حضرت مختار شاہ بھٹا پوری

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے

بھڑے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

فرماتے ہیں۔ یہ عالم اس وجہ سے آباد ہے کہ اہل ہمت یہاں نہیں ہیں اگر وہ ہوتے تو دنیا کو حقیر جانتے اور اس کی طرف ان کی توجہ نہ ہوتی۔ اور دنیا اس رنگ میں نہ ہوتی جس رنگ میں اب ہے یعنی جیسے نئے کردہ میں شراب کا مشکوں کو مہرارتا اس بات کی دلیل ہے وہاں میخانہ نہیں ہیں۔

غزل ۱۸۲

کب وہ سُستا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری
فرماتے ہیں۔ پہلی شکل تو یہی درپیش ہے کہ وہ میرا حال احوال جانتا ہی نہیں چاہتا۔ اور اگر کسی طرح مان بھی جائے تو اُسے دو سرا در سننے میں یہ ہے کہ میں تمھاری زبانی نہیں سنوں گا۔ الفاظ کی بندش، حسن بیان یہ سب ناقابل بیان ہے۔

غش غمزہ خوں ریز نہ پلوچھ دیکھ خوں نابہ نشانی میری
فرماتے ہیں۔ غش غمزہ خوں ریز کے متعلق مجھ سے سوال نہ کریں اس غش کو بیان نہیں کر سکتا۔ دل رنجی ہو چکا ہے۔ جگر لغت لغت ہے اور ہر دم خوں کے آنسو بہا رہا ہوں۔ اسی سے غش کا اندازہ لگائے۔

کیا بیاں کر کے مراروں گے یار؟ مگر آشفستہ بیانی میری
 فرماتے ہیں۔ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں جس کو میرے دوست اجاب یاد کر کے میرا ذکر خیر کریں البتہ
 اگر میں کسی کو یاد بھی آیا تو آشفستہ بیانی کے سبب سے یاد آؤں گا۔ کس قدر کسر نفسی ہے۔

ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال بھول جانا ہے نشانی میری
 معنی۔ بیداء، بیابان، وشت، صحرا
 فرماتے ہیں۔ محلئے خیال کا ازخود رفتہ ہوں۔ یعنی اجاب کو میرا خیال کبھی نہیں آتا۔ یہی میری
 نشانی ہے۔

مقابل ہے مقابل میرا رک گیا۔ دیکھ روافی میری
 فرماتے ہیں۔ میرا ہم عصر مقابل تو آیا مگر جب اس نے میری روافی دیکھی تو مقابل کی تاب نہ لا
 سکا اور رک گیا۔

قدر سنگ سر رہ رکتا ہوں سخت، ازراں ہے گرانی میری
 معنی۔ گرانی۔ مہنگائی، بیش قیمت ہونا، بھاری پن
 فرماتے ہیں۔ میری قدر اس پتھر کی مانند ہے جو سہراہ پڑا ہوا ہو۔ ہر شخص آتے جاتے اس پر پیر رکھ
 کر گزر جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ہوں تو گراں قدر مگر بے قدر ہوں اس لئے میری گرانی
 بہت کم ہے۔

گرد باد رہ بے تابی ہوں صبر صبر شوق ہے بانی میری

فرتے ہیں۔ میں بھگنے کی طرح بے قرار رہتا ہوں اور رہ گزر بیتابی کا گرباد ہوں۔ شوق کی
تند دتیز ہوائیں مجھے بھگنے کی طرح پیچ دتا ہیں رکھتی اور اٹھنے لگے پھرتی ہیں۔

دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی ہیچ مدانی میری
فرتے ہیں۔ محبوب کا دہن اتنا تنگ اور خوبصورت ہے کہ اس پر انوار کا لحدوم کی مثل مایق
آتی ہے۔ میں کس کی کم سننی سے اس کے دہن کو تلاش نہ کر سکا۔ اس لئے میری کم علمی کا پردہ
چاک ہو گیا۔

کر دیا ضعف نے عاجز غالب ننگ پیری ہے جوانی میری
فرتے ہیں۔ اے غالب میں جوانی میں بھی اس درجہ کمزور و ناتواں ہوں کہ دوسرے لوگ بڑھاپے
میں بھی اس قدر ناتواں اور کمزور نہیں ہوتے۔ یعنی میری جوانی پیری کو بھی شرمادہی ہے

غزل ۱۸۳

نقشِ ناز بہ آغوشِ رقیب پائے طاؤس پئے خامڑ مانی مانگے
فرتے ہیں۔ اس بُتِ طناز کی تصویر آغوشِ رقیب میں بے چارہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسی تصویر کی مصوری
کے لئے بالوں والا برشم (موقلم) نہیں بلکہ دستِ مانی میں طاؤس کے پیر ہونے چاہئیں۔ مانی ایران
کا مشہور مصور طاؤس کے پر و بال جسم حسین و جمیل ہوتا ہے اور پاؤں بد صورت اس لیے پائے
طاؤس سے آغوشِ رقیب کا نقشہ کھینچا ہے

تو وہ بد شو کہ تحیر کو تماشا بنے غم و دافسانہ کہ اشفتہ بیانی مانگے

فرماتے ہیں۔ تجیز میں خاموشی لازمی ہے اور تو ایسا بد خو ہے کہ تجیز کو تماشا مجھ رہا ہے اور میرا غم وہ
 اذانہ ہے جسے بیان کیا جائے تو آشفۃ بیانی پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن تو میری حیرت اور آشفۃ
 بیانی کو بھی ایک تماشا جان کر اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔

وہ تپ عشقِ متناسب ہے کہ پھر صورتِ شمع شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے
 فرماتے ہیں مجھ کو ایسی گرمی عشق کی متناسب ہے کہ شمع کی مانند شعلہ جگر تک دوڑنے والا ہوا اور میری
 رگ۔ رگ میں انس کی گرمی پہنچے۔

غزل ۱۸۴

گلشن کو تیری صحبت از بس کہ پسند آئی ہے
 ہر غنچہ کا گل ہونا آغوشِ کُشتائی ہے

فرماتے ہیں۔ باغ کو تیری صحبت سے سرور و فیض یاب ہونا بہت پسند آیا ہے یہاں تک کہ
 ہر غنچے گل بن کر یہ کہتا ہے کہ میری آغوشِ تجھ سے بغل گیر ہونے کے لئے بیتاب ہے۔

واں کنگرہ استغنا ہر دم ہے بلند می پر

یاں نالے کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ہے

فرماتے ہیں۔ اُن کے استغنا کا کنگرہ ہر وقت بلند سے بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور ادھر معاملہ بالکل
 برعکس ہے۔ ہمارا نالہ دن بدن نیچے کی طرف آ رہا ہے۔ یعنی اب وہ دل سے نکل کر ہونٹوں تک
 بھی نہیں پہنچتا۔

از بس کہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

معنی چشم نمائی۔ آنکھوں کے ذریعہ تبیہ کرنا۔
فرماتے ہیں۔ غم عشق مجھ کو ضبط کی تعلیم دیتا رہتا ہے۔ دل پر جب کوئی نیا داغ لگتا ہے تو اس کو
ضبط غم کی چشم نمائی سمجھنا چاہیئے۔ اس طرح غم کو مٹانا چاہیئے
زندگی بھر مسکراتا چاہیئے (شاعر)

غزل ۱۸۵

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی
فرماتے ہیں۔ جس زخم کو نائیکے لگ سکتے ہوں۔ یعنی اس کو سیا جاسکتا ہو وہ مجھے نہیں چاہیئے۔ اے
میرے خدا تو اُسے میرے دشمن کی قسمت میں لکھ دینا۔ مجھے ایسا زخم درکار ہے جس کا علاج
کوئی چارہ گز نہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا زخم عشق ہمیشہ ہی ہزار ہے اور میں تیرا اسیر
عشق ہر حال میں رہوں۔

اچھلے سر انگشتِ حنائی کا تصور دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لبو کی
فرماتے ہیں۔ انگشتِ خوں اس قدر بہاؤ ہے کہ اب دل میں ایک بوند بھی لبو کی باقی نہیں رہی۔ ایسی حالت
میں دوست کی انگشتِ حنائی کا تصور ہی غنیمت ہے۔ دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لبو کی
لفظ "تو" نے شعر کو پُر معنی و پُر لطیف بنا دیا۔

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے؟ یاں تو کوئی شتا نہیں فریادِ کسو کی
فرماتے ہیں۔ اے میرے محبوب عشاق کی کم وصلگی سے کیوں ڈرتے ہو کہ وہ تیرے ظلم و ستم کی تاب نہ

لا سکیں گے اور نالہ و فریاد پر اتر آئیں گے۔ فکر نہ کرو کیونکہ اس دنیا میں تو کوئی کسی کی شنا ہی نہیں۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ غریبوں بے کسوں کا بھی ٹھنڈے حال کس کو اتنی فرصت ہی کہاں ہے (شارح)

دشمن نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو جگر کو خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
فرماتے ہیں۔ دشمن نے کبھی جگر کو مُنہ نہیں لگایا اور خنجر نے کبھی گلے کی بات نہیں پوچھی۔ یعنی تیرے ظلم و ستم کا رُخ کبھی ہماری طرف ہوا ہی نہیں
عشق میں ناکامیاں ہیں جلوہ گر کچھ اِس طرح : ہر نفس اک داغِ دل ہے آہِ بے اثر کا (شارح)
صدحیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب حسرت میں ہے ایک بتِ عریض جو کی
فرماتے ہیں۔ اے غالب تیری ناکام متنا پر میں بہت افسوس ہے کہ برسوں سے تو اک بتِ عریضہ جو
کہ تلاش میں سرگرداں ہے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

غزل ۱۸۶

سیاہ پشتِ گرمی آئینہ دے ہے م حیراں کے بھوئے ہیں دلِ بے قرار کے
فرماتے ہیں۔ جس طرح سیاہ کی گرمی سے آئینہ دکشن ہو کر صورتِ کربن بات ہے اسی طرح میرے
شیشہ دل نے مجھے بے قرار کر کے مہم حیرت بنا دیا ہے۔
رگِ رگ میں عشق ہے مے جسمِ نزار کے کی جو صلیے ہیں دیکھئے مٹتے غبار کے (شارح)
آغوشِ گلِ کشودہ برائے وداع ہے اے غنڈ لیبِ اہلِ کہ چلے دن بہار کے
فرماتے ہیں۔ پھول کھسنے کے ساتھ ہی اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ آؤ گلے مل لو ہم جانے کے لئے تیار
ہیں۔ تولے بلبل پھولوں کا کھٹنا در اس پیغام وداع ہے۔

غزل ۱۸۷

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں
مَعشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیئے

فرماتے ہیں۔ اگر محبوب خود دار و باتمکین ہے اور عاشق صبر و ضبط کا حامل ہے تو وصل میں بھی ہجر کا عالم ہوگا۔ محبوب کا شوخ و بیباک ہونا اور عاشق کا دیوانہ اور گستاخ ہونا ہی وصل کی کامیابی کا راز ہے۔

اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں

شوقِ فضول و جرأتِ زندانہ چاہیئے

فرماتے ہیں۔ کبھی تو اس کے لبوں کا بوسہ میں مل ہی جائے گا لیکن اس کے لئے بے حد شوق اور جرأتِ زندانہ کی ضرورت ہے۔

غزل ۱۸۸

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

فرماتے ہیں۔ حسینوں سے محبت کرو اور اگر یہ ہی تمہارے محبت کرنے لگیں تو پھر اور کیا چاہیئے۔ لیکن غالب صاحب نے اچھوں، کہہ ہے جس کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ محبت اچھے لوگوں سے کرنی چاہیئے اور

اگر وہ بھی تم سے محبت کریں تو سونے پر سہاگہ ۔

صحبتِ زنداں سے واجب ہے، حذر جائے۔ اپنے کو کیچنا چاہیئے
فرماتے ہیں ۔ زنداں کی صحبت سے بچنا چاہیئے اور شراب سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے یعنی شراب
سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔

چاہتے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے
فرماتے ہیں ۔ میرے دل نے تجھ سے عشق و محبت کرنا کھیل سمجھا تھا۔ اور یہ اس کو دل لگی اور بہل سمجھتا تھا
اب ہیں اس دل سے ضرور بدلہ لینا چاہیئے بغیر عشق اور رنج و غم جھیلنے کی اگر طاقت نہ تھی تو
کیوں عشق کیا تھا۔ اب رات دن ہائے ہائے کرتا ہے ۔ نالہ و فریاد کرتے کرتے تھک گیا ہے ۔

چاکِ موت کر حیبِ بے ایام کُل کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے
فرماتے ہیں ۔ جب تک پھول اپنا گریبان چاک نہیں کرتے تو بھی اپنا گریبان چاک نہ کر (پھول کا بھٹکا پھول
کا گریبان چاک کرنا ۔ سہا قدرت کے نظام پر نظر رکھنی چاہیئے ہر کام کو اس کے مناسب وقت پر
کرنا چاہیئے ۔ شعر کی تعریف نہیں کی جاسکتی ۔ اتنے مٹوڑے لفظوں میں اتنے بڑے مضمون کو ادا کیا
ہے کہ اس پر کتا ہیں کھٹی گئیں ہیں اور کھی جاسکتی ہیں ۔

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی مُنہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے
فرماتے ہیں ۔ تم جو ہم سے بیگانہ دار پردہ کرتے ہو یعنی پردہ کرتے بھی ہو اور اس طرح سے کرتے ہو کہ
ہم تمہارے حسن کی جھلکیاں بھی دیکھتے رہیں ۔ اس طرح سے دیکھنے والوں پر راز کھل جائے گا آپ
ہم سے محبت کرتے ہیں لہذا پردہ بالکل نہ کرو ۔

دشمنی نے میری کھویا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے
فرماتے ہیں۔ میری دشمنی میں میرے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا۔ وہ میرا کس قدر دشمن نکلا۔

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے
فرماتے ہیں۔ ہماری بدنامی کی گنجی بھی محبوب کے پاس ہے۔ وہ جب پہلے ہنگامہ آرا ہو کر اپنے حسن
سے ہمیں مضطرب و بے قرار بنا دے اور ہمارا اضطراب اور بے قرار ہونا ہماری بدنامی اور رسوائی
کا باعث بنے۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید نا اُمیدی اس کو دیکھا چاہیئے
فرماتے ہیں۔ جس نے اپنی ساری ہمتوں کا علاج موت کو سمجھا ہو اور اس کی ساری امیدوں کی تان
موت پر ہی نشتی ہو۔ اس کی نا اُمیدی قابلِ عبرت ہے۔

غافلِ ان مرہ ظلعوں کے واسطے چلنے والا بھی اچھا چاہیئے
فرماتے ہیں۔ اسے غافلِ بواہوس ان مرہ جبینوں سے عشق و محبت کرنے والا بھی اسی کی طرح خوبصورت
وضع دار با تہذیب انسان ہونا چاہیئے تاکہ زندگی میں کوئی گنجی پیدا نہ ہو۔

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے
فرماتے ہیں۔ کیا خوب اسد جیسی بھونڈی صورت والا بھی حسینوں سے محبت کا دعویٰ کر رہے۔ خدا آپ
کی صورت تو ملاحظہ کیجئے۔ کیا کہ نفسی سے خاں کہ مرزا صاحب بہت حسین و جمیل شخصیت والے
انسان تھے

غزل ۱۸۹

ہر قدم دوری منزل ہے نیاں مجھ سے میری رفتار سے جاگے ہے بیاں مجھ سے
فراستے ہیں۔ جتنی تیزی سے میں منزل کی طرف بڑھتا ہوں۔ اتنا ہی منزل کا فاصلہ مجھ سے بڑھ جاتا ہے
کم ہونے میں نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بیاں مجھ سے ڈر کر بھاگ رہا ہے۔

درک عنوان تماشا۔ یہ تغافل خوش تر ہے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ تماشائے عالم سے عبرت کا سبق بھی حاصل کرنا تغافل کے ساتھ خوش تر ہے۔ میری
نگہ تو شیرازہ مژگاں رشتہ جی رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں دنیا کا تماشا ایک اجنبی نظر
ڈال کر کرتا ہوں کہ کہیں میں خود بھی اس تماشے کا حصہ نہ بن جاؤں۔ شاید جو میری نظر آنکھ
کے پردے سے باہر آتی ہے۔

دشتِ آتش دل سے شیبہ تنہائی میں صورتِ دو دریا سایہ گریزاں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ میرے آتش دل کی دشت سے فراق کی راتوں میں سایہ تک مجھ سے دھوئیں کی مانند
بھاگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت جو اپنا ہے وہ بھی کام نہیں آتا۔

غمِ عشاق نہ ہوک ادگی آموز بیتاں کس قدر خاندانِ آئینہ ہے ویراں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ خدا یا نہ کہوے کہ غمِ عشاق محبوبوں کو سادگی کی تعلیم دے جس کے نتیجے میں حینانِ جہاں سادہ
دہنا شروع کر دیں۔ نہ بناؤ سنگار کریں نہ زینت دارا آتش سے کام لیں اگر ایسا ہوا تو خاندانِ آئینہ

دیران ہو جانے گا۔ اور کسی حسین کو اس کی ضرورت نہ رہے گی۔

اثرِ ابلہ سے جادہ صحرائے جنوں صورتِ رشتہ گو بہرے چہ انہاں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ جادہ بھولنے جنوں میرے پاؤں کے چھالوں کے پھوٹنے کی وجہ سے رشتہ گوہر کی
مانند رشتہ ہوئی۔

بے خودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو بے سایے کی طرح میرا بستاں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ کاش میری بخودی میرے لئے بسترِ تمہیدِ فراغت بن جائے اور میرا راحت و آرام کہنے
کا کو مجھ سے سایہ کی طرح ہر وقت بھر رہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے فکر و آلامِ دنیا سے
پوری طرح نجات مل جائے اور میں وہ کام کر سکوں جو اب تک فکرِ دنیا کی وجہ سے نہ کر سکا۔

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے ہونکہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ اگر شوقِ دیدار کی حالت میں تو میرا سر کاٹ دے۔ تو میری نگاہیں اور بھی روشن ہو کر
نیرے دیدار کی مشتاق ہو جائیں گی جیسے شمع کا گل کتر دینے سے شمع کی روشنی میں اضافہ
ہو جاتا ہے۔

بے کسی لئے شبِ ہجر کی وحشت ہے سایہ خورِ شیدِ قیامت میں پہناں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ شبِ ہجر کی بے کسی دے بسی اور وحشت کا حال کیا کہوں۔ افسوس ہے کہ میرا
سایہ تک مجھ سے دور کر بھاگا اور خورِ شیدِ قیامت میں جا چھپا ہے۔

گوشِ ساغرِ صدفِ بوزِ رنگیں تجھ سے آئینہ داریِ یک دیدہ حیراں مجھ سے
فرماتے ہیں۔ تیرا جلوہ رنگین بزم میں ساغر کی طرح شرابِ پلا کر ہوشِ رُبا بن گیا ہے اور میرا

دیدہ حیراں آئینہ داری کی طرح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے حسن کے جادو سے بزم میں لوگ مسحور و مدہوش ہیں اور میرے عشق سے دروازہ حیرت میں جا پڑے ہیں۔

ننگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد سبے چراغاں خس و خاشاک گلستاں مجھ سے فرماتے ہیں۔ اے اسد یار، جو فراق یار میں دل کو بہلانے کی غرض سے گلستاں گیا تو آتشِ عشق نے حسنِ یار کے خیال سے میرے تن بدن میں آگ لگا دی اور میری آنکھوں سے جو شعلے نکلے، انہوں نے جن کے خس و خاشاک کو جلا کر چراغاں کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ شاید حقیقی جس نے اپنے حسن سے کچھ جن کو دے کر انا حسین بنایا ہے وہ خود کیا ہے۔ بس اسی تال نے دنیا کو میری نظر میں خس و خاشاک بنا دیا ہے۔ یعنی کوئی حیثیت نہیں۔

میں نے اپنے عشقِ حقیقی کی بدولت وہ گرمی حاصل کی کہ اب میری نگاہ گرم دنیا کے خس و خاشاک یعنی بے بضاعت لوگوں کو بھی معتبر بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

غزل ۱۹۰

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو نائے نہ بنے

کیونے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ وہ شوخ بے حد نکتہ چیں واقع ہوا ہے یعنی بال کی کھال نکالتا ہے۔ اس کو ہم غمِ دل کیسے سن سکتے ہیں۔ ہم کہیں گے اور وہ بات بات پر اعتراض کرے گا۔ اس کے رد پر کوئی بات بنانی ناممکن امر ہے وہ شوخ ہی نہیں ہوشیار بھی ہے۔ لہذا ہماری سحر بانی کا اس پر جادو نہیں چلے گا۔ (بات بنانا جھوٹ بولنا)

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبہ دل

اُس پہ بن جائے کچھ ایسی، کہ بن آئے نہ بنے

بہیں اس کو رات دن بلارہا ہوں لیکن وہ شوخ آنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ناامیدی کا دور دورہ ہے۔ اسے میرے جذبہ دل تو کہاں ہے تو اپنی کشش کو کیوں بردے گا نہیں لاتا۔ تو اسے کھینچ اور مجبور کر دے کہ بغیر آئے اس کو بن نہ پڑے۔

کیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے

کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے تائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ میرا محبوب ابھی کم سن ہے وہ ستم جو مجھ پر کیل سمجھ کر کرتا ہے مجھے یہ خوف لاحق ہے کہ وہ یہ کیل کیلنا چھوڑ نہ دے یا بھول ہی جائے۔ کاش وہ اس کیل کو کہیں نہ چھوڑے نہ بھولے۔ اور اس جو ستم سے تائے بغیر اسے خود چین نہ آئے۔

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر

کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ رقیب تیرے خط کو اس طرح لئے پھرتا ہے کہ اگر اُس سے کہی کوئی پوچھ بیٹھے کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے تو وہ اسے بالکل نہ چھپائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا رقیب پر بھروسہ کرنا تیرے حق میں اچھا نہیں وہ ضرور ایک دن تجھ کو رسوا کرے گا۔

اِس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا

ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ ان کی اتنی نزاکت بھی ہمارے حقیقی کوئی اچھی فال نہیں۔ وہ خود اچھے ہیں تو کیا ہوا۔ ان کی نزاکت کا تو یہ حل ہے بوقت وصل اُن کو ہاتھ لگانے سے بھی خوف آتا ہے کہ کہیں اُن کی نانک کچھ اور تنگ نہ لے آئے۔

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ ”کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے“ یعنی خدا کے علاوہ کس جلوہ کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکتا۔ اُس کی قدرتِ کاملہ نے اس عالم امکان کو پیدا کیا اور اپنے چہرے پر وہ پردہ ڈالا ہے کہ کسی کے اٹھانے سے یہ پردہ ہرگز اٹھ نہیں سکتا۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

فرماتے ہیں موت کی راہ دیکھنا اک فضول کام ہے وہ وقتِ معین پر ضرور آکر رہے گی۔ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ۔ تو دل نہیں مانتا وہ مجبور کرتا ہے کہ تم کو ضرور بلاؤں اور اگر کچھ نہیں تو کم از کم یاد ہی کروں۔

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بتائے نہ بنے
سارے شعر کا مطلب صاف اور واضح ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

فرماتے ہیں۔ اسے غائب عشق پر کسی کا زور نہیں چلنا۔ یہ تو خود عاشق کو تابو کر لیتا ہے اور یہ اگر ایسی آگ ہے تو بغیر جلائے خود جلتی ہے اور اگر بجھانے کی کوشش کی جائے تو اور بھڑکتی ہے۔

غزل ۱۹۱

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے
صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے

فرماتے ہیں۔ اگر وحشتِ دل عشق کے رازوں کو افشاں کرنے اور مجھے اس طرح عریاں کرنے کی خواہش کرے گی تو میرا زخمِ دل کھل جائے گا یعنی چاک ہو جائے گا اور اس صورت سے یہ نقصان ہو گا کہ صبح کے مانند جبکہ ہر شے ناہر میں نظر آنے لگتی ہے میرے دل میں جو عشق کا خزانہ عرصہ سے دفن ہے باہر نکل آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وحشتِ دل پر تابو چلیے۔ گریبانی کرنا۔ چاک کرنا

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدہ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے

فرماتے ہیں۔ تیرا جلوہ تو اگ رہا اگر تیرے جلوہ کا خیال بھی دل میں گزرے تو میرا دیدہ دل حیرانی کی زیارت گاہ بنائے گا

ہے شکستن سے بھی دل نو مید یارب کب تک
آجگینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے

فرماتے ہیں۔ اے خدا ہم کب تک جھوٹی امیدوں سے دل کو ہلاتے رہیں گے ایک دن ضرور وہ
شکل محبوب ہمارے دل کو اپنے سنگِ جفا سے ریزہ ریزہ کر دے گا ہم تو سخت ناامید
ہو چکے ہیں کہ یہ سب موبوم باتیں ہیں۔

میکہ گر چشمِ مستِ ناز سے پائے شکست
مُوئے شیشہ دیدہ ساغر کی مڑگانی کسے

فرماتے ہیں۔ اگر میکہ کو اس کی چشمِ مستِ ناز ہر طرح ہر میدان میں شکست دے دے اور کوئی
میکہ اور شراب کی طرف رُخ بھی نہ کرے تو پھر بھی شیشہ شراب یعنی مینا میں جو بال
پڑ جائیں گے (میکہ ٹوٹنے کی وجہ سے) وہ دیدہ ساغر کی پلکیں بن کر ساغر کی مڑگانی کریں گے
یعنی دیدہ سب غمِ مستِ ناز کو حیرانی سے دیکھ کر گا۔
خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد

یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

فرماتے ہیں۔ خطِ عارض جو محبوب کے رخساروں پر نمودار ہوا ہے وہ درحقیقت میری محبت کا لکھا
ہوا عہد نامہ زلفوں کے نام ہے کہ جتنا چاہیں تیرے زلف درخسار مجھ پر جو بدستم کریں
پریشانی دیں سب میں یک قلم منظور ہے۔

ہم ہوئے قلم ہوئے، اک تیر ہوئے، اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے (میر
زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا، رُخ پہ تیری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا
راقصہ گوندی)

غزل ۱۹۲

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے دے مجھے پیشِ دل محالِ خواب تو دے
 فرماتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ ویسے تو نہ آئے مگر خواب میں اگر تسکین اضطراب دے جائے
 لیکن یہ قطعی ممکن نہیں ہے میری پیشِ دل مجھے سونے ہی نہیں دیتی۔ یہ کم بہت پیشِ دل اس شمع
 شمع گرے کہیں زیادہ غالب ہے کاش۔ سب کچھ میری طاقت میں ہوتا۔

کسے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رو دینا تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
 فرماتے ہیں۔ لگاؤ میں تیرا رو دینا میرے لئے قتل کا حکم رکھتا ہے۔ تیرے محبت میں آنسو نہیں جگہ
 وہ سان ہے جس پر تلوار دل کو آب دی جاتی ہے۔ یہ آنسو بھی بے عینہ وہی کام کر رہے ہیں۔ تیرے نظر
 تیز سے تیز تر ہو رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اور محبوب دنیا میں تیری طرح تیغ نگہ کو
 آب دینی جانتا ہو۔

دکھائے جنبش لب ہر تہم سام کر ہم کو نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں خواب تو دے
 فرماتے ہیں۔ اور کئی گئے نہیں تو جنبش لب سے ہی تلوار کا کام لے لے اور اس کے ندرت سے ہیں
 قتل کر ڈال۔ ہم طالبِ بوسہ ہیں۔ تو نہیں دینا چاہتا۔ نہ دے مگر صاف صاف جواب تو دے
 یعنی بوسہ دینے سے انکار کر دے۔ ہمارے قتل کے لئے یہی کافی ہو گا۔

پلا دے اک سے ساتی جو ہم سے نفرت ہے، پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

فرماتے ہیں۔ یہ سہی ہے کہ ہم زندہ ہیں تیرے ہم عتیقہ نہیں۔ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرا پیالہ گندہ ہو جائے گا۔ تو پیالہ نہ دے ہم شراب کے طالب ہیں۔ ادک لگا کر ہی پی لیں گے۔ مگر تو شراب دینے میں پس و پیش نہ کر۔

اسد خوشی سے کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں اب تو دے فرماتے ہیں۔ جب محبوب نے مجھ سے کہا کہ ذرا میرے پاؤں تو دے دو تو فرط خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور ہم اس کے چیر دل کو بھی نہ چھو سکے۔ (ہاتھ پاؤں پھولنا کسی کام کو انجام نہ دے سکتا۔)

غزل ۱۹۳

پیش سے میری دق کشمکش ہر بار بستر ہے

مرا سر رنج بالیں ہے مرا تن بار بستر ہے

فرماتے ہیں۔ میرا پیش دل کی وجہ سے ہر دم تڑپتے رہنا میرے بچھونے کے ایک ایک تار کو تکلیف میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ میرا سر تکیہ کے لئے اور میرا جسم بستر کے لئے بوجھ بنا ہوا ہے۔

سر شگب سر بہ صحرادادہ نور العین دامن ہے

دل بے دست دیا افتادہ بن خوردار بستر ہے

فرماتے ہیں۔ صحرا میں میرا ہر ایک آنسو دامن کی آنکھ کا نور ہے اور میرا دل بیار بستر کا بن خوردار ہے مطلب یہ ہے کہ میرے کثرت گریہ کی وجہ سے دامن کو آنسوؤں سے محبت ہو گئی ہے۔ ایک قسم کا ربط ہے اور بیماری کے بستر کو میرے دل بیار سے بے حد دل بستی ہے۔

خوش اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو

فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے

فرماتے ہیں میری بیماری بہت مبارک اور بڑی قسمت والی ہے کہ تم جیسا محبوب میری عیادت کو آئے۔
تمہارا تشریف لاتا شمع بالیں کو فروغ نور بخش رہا ہے اور بستر کی قسمت بھی جاگ اُٹھی ہے۔

یہ طوفان گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی

شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

فرماتے ہیں۔ استادِ شبِ فراق کا جوشِ اضطراب کیا بلا ہے یہ جگہ تو طوفانِ گاہِ بن گئی ہے اس
قدتاریکی کو ہر ایک تارِ بستر اندھیرے میں چمکنے لگا ہے اور ہر تارِ بستر آفتابِ صبحِ محشر کی گویا
کین بن گیا ہے۔

ابھی آتی ہے بوبال شے اسکی زلفِ مشکیں کی

ہماری دید کو خوابِ زلیخا عابر بستر ہے

فرماتے ہیں۔ رات سے اب تک اس کی مشکیں زلفوں کی خوشبو تکیہ سے پھوٹ رہی ہے اور گردِ پیش
کو معطر کر رکھا ہے خوش قسمت کہ رات اس کا وصل نصیب ہوا۔ جس کی وجہ سے دل و دماغ میں
اس کی زلفِ مشکیں کی خوشبو مہلک رہی ہے۔ ہماری دید اور بستر کے لئے تو ننگ و عار ہے کہ
ہم زلیخا کی طرح خواب میں نظارے کریں۔ ایسا نہیں ہمارا محبوب تو خود ہی تشریف لایا تھا۔

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب

کہ بتی بی سے ہر اک تارِ بسترِ خارِ بستر ہے

فرماتے ہیں ۔ اے غالب میں تجھے کیا بتاؤں کہ بھریا میں دل پر کیا کیا بیت رہی ہے اور اس کی یہ حالت ہے ۔ بس یہ سمجھ لے کہ تڑپتے تڑپتے کر دیش بدلتے بدلتے بستر میں اس قدر سلوٹھیں پر گئیں ہیں کہ ہزار بستر غار بستر بنا ہوا ہے جس سے میری بیتابی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے ۔

غزل ۱۹۴

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے
غور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

معنی رگ گردن : کبر و غرور

نزلتے ہیں ۔ یہ ہمیشہ مقام خوف ہے کہ رشتہ الفت کبر و غرور میں بدل کر آفت اور دشمنی میں تبدیل نہ ہو جائے ۔

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پہ پیرا ہن نہ ہو جائے

فرماتے ہیں ۔ اے غالب فصل بہار میں وہ نشو و نما کی کوتاہی برقی ہے ۔ اگر گلاب کی بیلیں، انگوٹھیں، پھولیں کہ وہ سرو پر چڑھ کر اس کو پوری طرح ڈھانک نہ لیں ۔
اتیر جاتی جوانی : یہ مجھ سے کہتی ہے ؛ خواہ نہ مجھ کو سمجھ آخری بہاروں میں
(امیر مینائی)

غزل ۱۹۵

فریاد کی کوئی نے نہیں بنے نالہ پابند نے نہیں ہے
فرماتے ہیں ۔ فریاد کے لئے کسی انداز کی ضرورت نہیں نالہ دل سے بے ساختہ نکلے تو توثر ثابت ہو
گا۔ اگر تصنع اور بناوٹ کا بیج اس میں داخل ہوگا تو نالہ و فریاد نہیں بلکہ بانسری کے سُربوں گے۔

کیوں بولتے ہیں باغیاں تو تیرے؟ گر باغ گدائے فے نہیں ہے
فرماتے ہیں ۔ باغیاں تو تیرے کی پیلیں کیوں لگاتے ہیں۔ اگر ان توڑیوں کے کشکول گدائی بنانا مقصود
نہیں ہوتا۔ اس کوشش سے ثابت ہے کہ باغ بھی گدائے فے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
سیر باغ کا مطف شراب پی کر اٹھاتے ہیں۔

ہر چہند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
فرماتے ہیں ۔ باوجود اس کے کہ ہر شے میں تیری قدرت کا ظہور ہو رہا ہے مگر تیری مانند کمالات
میں کوئی شے نہیں ہے یعنی تو جہانی حالت سے منزوم ہے

ہاں کا میو مست فریب ہستی ہر چہند کہیں کہے نہیں ہے
فرماتے ہیں ۔ ہاں خبردار کہیں تو ہستی کے فریب میں آجائے۔ ہر چہند لوگ کہیں گے کہ ہے مگر تو ہی
کہنا کہ نہیں ہے اس شعر میں ہستی کی ناپائیداری کی طرف اشارہ ہے قطعی انکار اور زندگی کو ہم
نہیں کہا ہے۔

شادی سے گزر، کہ غم نہ ہو دے اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
 فرماتے ہیں۔ اگر تو شادی کو بھول جائے تو پھر تجھے غم نہ ہوگا یعنی تو بہار کو نہ جانے تو غراں کا
 کب احساس ہوگا۔ اُردی بہار کے مہینہ کو اور دے غراں کے مہینہ کو کہتے ہیں۔

کیوں رد و قدح کرے ہے زاہد مے ہے یہ نگس کی تے نہیں ہے
 فرماتے ہیں۔ ۱۔ زاہد شہد کھانا تو تو موجب ثواب سمجھتا ہے لیکن شراب سے نفرت کرتا ہے جبکہ
 شہد تو مکی کی تے ہے اور شراب انگور کا معطر عرق ہے، پھر شراب کے پینے میں کیوں
 رد و قدح کرتا ہے۔

غزل ۱۹۶

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحتِ دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے
 فرماتے ہیں۔ زخمِ دل کے لئے جو مرہم کا نسخہ ہے اس کی کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ اس نسخہ میں جو
 دوائیں ڈالی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا جزوِ میرے کی کنی کا ہے، مطلب یہ ہے زخمِ
 دل کے لئے اس مرہم کو استعمال کرتے ہیں جس سے زخمِ دل مندمل نہیں ہوتا بلکہ زیادہ تکلیف
 کا باعث بنتا ہے۔

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
 فرماتے ہیں۔ بہت دنوں میں تیرے تغافل نے ایک نگاہ پیدا کی ہے جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو تم ہماری طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے صرف تغافل تھا۔ مگر اب اس تغافل نے کچھ انفعات کا رنگ پکڑا ہے اور تم نے ہم پر ایک اچھی سی نظر ڈال کر ہماری امیدوں میں جان ڈال دی ہے۔

غزل ۱۹۷

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں دے اُن کی تمنا نہیں کرتے
فرماتے ہیں۔ میں اپنی ذات سے بھی رشک پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی بددلت ہم پر بہت کچھ گزرتی
ہے۔ اس لئے میں مزہ گوارا ہے ان سے ملنا اور ان کو اپنے پاس بلانا گوارا نہیں
ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھیں انہیں دیکھیں گی ہیں رشک آئے گا۔ وہ ہم سے ملیں گے بھل گئے
ہوں گے۔ ہیں رشک آئے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کا خیال ہی چھوڑ دیں۔

در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہسانی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے
فرماتے ہیں۔ غیر سے انہیں دلی محبت ہے جس کا اظہار وہ نہیں کرتے۔ لیکن اس محبت پر پردہ
ڈالنے کے لئے وہ اس سے پردہ نہیں کرتے تاکہ محبت پر پردہ پڑا رہے۔

یہ باعثِ نوامیدیٰ اور بابِ ہوس ہے غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
فرماتے ہیں۔ اور بابِ ہوس کے لئے یہ امرِ ناامیدی کا باعث ہوا ہے کہ تم غالب کو بُرا کہتے ہو۔ وہ
براہوس جو تم سے جہانی تعلق کے خواہاں ہیں جب سُنتے ہیں کہ تم اپنے عاشق صادق غالب
کو بھی بُرا بھلا کہتے رہتے ہو تو اُن کو تم سے قرب کی امید باقی نہیں رہتی اور وہ تم سے کنارہ کش
ہوتے جا رہے ہیں۔

غزل ۱۹۸

کسے ہے بادہ ترے لب کب رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گل چیں ہے
فرماتے ہیں ۔ شرابِ تیرے لبِ علیل سے سرخ رنگ حاصل کرتی ہے اور خطِ پیالہ سراسر گلچیں
کا تارِ نظر ہے جو تیرے سرخ بونٹوں سے پھول چلتا ہے ۔

کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
فرماتے ہیں ۔ کبھی تو میرے سرِ شوریدہ کے ساتھ انصاف ہو کہ یہ جب سے سوداے عشق و جنون کا
مریض ہوا کبھی تکیہ پر سر رکھ کر آرام سے نہیں سویا ۔ اسی لیے یہ حسرت پرستِ بالیں ہے ۔
(سودا اور جنون کی حالت میں نیند نہیں آتی)۔

بجا ہے گر نئے نالہ ہائے بلبُل زار
کہ گوشِ گلِ نیم شبِ بنم سے پذیر آگیاں ہے
فرماتے ہیں ۔ یہ بہت ممکن ہے کہ پھول بلبُل ناز کے نالہ و فریاد کو دُشمن کے کیونکہ گل کے کانوں
میں شبِ بنم نے نمی کے چند قطرے ڈال کے بہرہ کو دیا ہے ۔ گویا کہ پھول کے کانوں میں روٹی کی
چھوٹی چھوٹی گولیاں (پذیر) ٹھونس دی گئی ہیں جو دُشمنِ گنی ہیں ۔

اسد ہے نزع میں اچل بے وفا برائے خدا

مقام ترکِ حجاب و وداع تمکین ہے

فرماتے ہیں ۔ اسد حالتِ نزع میں ہے ۔ اے بے وفا خدا کے لئے جلدی کر اس کے پاس چل ۔
ایسے وقت میں نہ تو شرم و حجاب کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تمکین و وقار کی ۔

غزل ۱۹۹

کیوں ہو چشمِ تباں محوِ تعافل کیوں نہ ہو ؟ یعنی اس بیمار کو نکلے سے پرہیز ہے
فرماتے ہیں ۔ چشمِ تباں یعنی حسینوں کی آنکھ کیوں نہ تعافل برتے جبکہ ان کو نظاروں سے پرہیز کرنا
ہے چشمِ بیمار آخر محبوب کی ہی آنکھ کو کہتے ہیں ۔

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی دوائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے
فرماتے ہیں ۔ دوائے ناکامی دنا مرادی مرتے وقت بھی حسرتِ دیدار دل ہی میں رہی ۔ کاش اس بتِ کافر
کا خنجر نہ ہوتا مادہ تیزی سے میرا گلہ نہ کاٹ سکتا اور گلہ آہستہ آہستہ کٹتا تو میں بھی جبر کے لئے
دیکھ تو لیتا ۔ اور حسرتِ دیدار ایک حد تک پوری ہو جاتی ۔

عارضِ گل دیکھوئے یار یا د آیا اسد جوشِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہے
فرماتے ہیں ۔ چمن میں پھولوں کو کھلا ہوا دیکھ کر اے اسد مجھے اپنے یار کا چہرہ یاد آ گیا فصلِ بہار کا جوش یقیناً
اشتیاق کو زیادہ کرنے والا ہے یعنی سوئے عشق اور جنونِ عشق دونوں موسمِ بہار میں تیز ہوتے ہیں ۔

غزل ۲۰۰

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہتے

ہو ارقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں ۔ بوجہ بشریت کے نامہ بر کے پاس ہمارے ہی پیدا دل ہے ۔ اگر وہ اس کے سخن و کاش
کو دیکھ کر اس پر ذر لفتہ ہو اور ہمارا رقیب بن جائے تو کوئی تعجب نہیں وہ بے خطا ہے اس
کو الزام دینا نامناسب بات ہے ۔ ہمارے محبوب کا سخن ہی اتنا دل فریب و دلربا اور دلکش
ہے کہ جو دیکھتا ہے اُس پر عاشق ہو جاتا ہے ۔

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے

قضا سے شکوہ نہیں کس قدر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں ۔ موت کا آنا تو لازمی ہے یہ اس کا کام ہے جواز دل سے اُس کے سپرد کیا گیا ہے آج
نہیں تو کل میر جاں اس کو آتا ہے مگر اس کا کیا بگڑ جاتا جو وہ ہماری ضرورت کے وقت آتی ۔
آج جیسا شب فراق میں ہماری جان پر بنی ہے ہم اُس کو بٹا رہے ہیں اُسے یہ ضد ہے کہ وہ
آج ہماری ضرورت اور ہمارے کہنے کی وجہ سے نہیں آئے گی ۔ یہ بہت بیجا بات ہے ہیں
عمر میر شکایت دہے گی ۔

رہے ہیں گے وہ بے گھر کہ کوئے دوست کو اب

اگر نہ کہتے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں ہم تو دقت بے دقت رقیب کو کوچہ یار ہی میں دیکھتے ہیں پھر ہم کیسے نہ کہیں کر کوئے
یار اس کا گھر بن گیا ہے ۔

نہ ہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں ۔ واہ واہ خوب حیرت، انگیزاُن کا یہ کیسا فریب ہے کہ اپنے ناز واداسے یہ بات ظاہر کر
رہے ہیں کہ تمہارا حال احوال ہم پر ظاہر ہے اور ہم اس سے باخبر ہیں تمہیں ہم سے کچھ کہنے
یا نہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

سمجھ کے کہتے ہیں بازار میں وہ پرستش حال
کہ یہ کہے کہ سر رہ گذر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں وہ بہت سمجھ دار وضع شناس ہے کہ میں حال چال پوچھوں گا۔ میرزا صاحب اپنی
وضع داری کے سبب مجھ سے بات کرتے ہوئے جھکیں گے۔ اور میری پرشش کے جواب میں
کہیں گے کہ سر رہ بات چیت کا کیا موقع ہے کہ آپ یہاں میرا حال پوچھتے ہو ۔

تمہیں نہیں ہے سرکشتہ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا ؟ کہتے

فرماتے ہیں ۔ تم کو سرکشتہ وفا کا قطعی خیال نہیں نہ ہی اس کی حکمت کا کچھ تمہیں پتہ ہے۔ ہمارے ہاتھ
میں کچھ ہے یعنی اس کی حکمت بھی اور ہم اس پر عمل کر کے خود بھی وفادار بنے ہیں اور اپنے
آپ کو وفادار خیال کرتے ہیں مگر تم سے کیا کہیں کہ ہم وفادار ہیں تم کب ہماری بات پر یقین کرنے
والے ہو ۔

انہیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیوں لڑیے؟

تین جواب سے قطع نظر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں۔ وہ شوخ مجھ پر اور میرے سوال سے اپنے زعم میں یہ سمجھا ہے کہ میں دُور از قتل اور بے نیکی بات کو دہا ہوں لہذا یہ مجنوں ہے اور ادھر ایک ہم میں کہ سوال کے جواب کی امید ہی نہیں رکھتے۔

حد، منزلے کمالِ سخن ہے کیا کہے

ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں۔ جب کسی کو سخن میں کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے لوگ حد کرنے لگتے ہیں اور یہ بالکمال ہونے کی منزا ہے اور اسی طرح متاعِ ہنر کی قیمت جہنم لمبے روزگار ہے۔

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کہتے

فرماتے ہیں۔ "کہا ہے کس نے میں غالباً محبوب کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ غالب آدمی بُرا نہیں ہے۔ مگر انکس یہ ہے کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے اور اس سے زیادہ اس کے لئے کیا کہا جاسکتا ہے۔ شمعِ حسن سے فذرہ ہے مثلِ آئینہ ۛ وہ ذرے ذرے میں جلوہ ملک ہے کیونکہ

(شارح)

غزل ۲۰۱

دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستہ تن میری عریانی مجھے

معنی۔ دامن افشانی۔ دامن جھاڑنا، لاتعلق ہونا، ترک کرنا

عریانی۔ یہاں بے تعلق ہونا مراد ہے

فرماتے ہیں۔ روح مجزوتھی خالق کے ساتھ الحاق چاہتی تھی۔ لیکن مجھے سرگرم دامن افشانی دیکھ کر
مجھے جسم سے وابستہ کر دیا گیا۔ اور ایک عرصہ کے لئے قیدِ جسم کی سزا ملی۔

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا رنگِ فساں
مرجبا نہیں، کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے

معنی۔ فساں۔ سان، سخت، پتھر گراں جانی۔ سخت جان ہونا

فرماتے ہیں۔ واہ، واہ، میرا کیا مبارک وجود ہے کہ سخت جان ہونے کی وجہ سے میں تیغِ نگاہِ یار کا
سنگِ فساں بن گیا ہوں۔ جب وہ مجھ پر وار کرتی ہے تو تیغِ نگاہِ یار زیادہ تیز اور آبدار ہوجاتی
ہے جیسے تلوار سنگِ فساں پر رگڑنے سے میرے زخمِ دل اور زخمِ جگر تیغِ نگاہِ یار کو تیز سے
تیز تو کر دے ہیں۔

کیوں نہ ہو بے التفاتی اُس کی خاطر جمع ہے

جاننا ہے مجھ پر شش ماہی پنہانی مجھے

فرماتے ہیں ۔ وہ کیوں نہ بے التفاتی کرے جبکہ اس ظالم کی خاطر جمع ہے یعنی وہ یہ جانتا ہے کہ میں اپنے جنونِ عشق میں مرت دے خود ہوں اور میں تصور میں ہی محبوب سے جو گفتگو رہتا ہوں اور خیال پرکشش ہائے پنہانی مجھے مرت دے خود کئے رکھتی ہے ۔

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملہ اسبابِ ویرانی مجھے

فرماتے ہیں ۔ میرے غم خانے کی قسمت جب روزِ اول میں کاتبِ تقدیر نے لکھی تو اس وقت اس نے مجھ کو میرے گھر کی ویرانی کا سبب لکھ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے گھر کی ویرانی میرے ہی آدم سے ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہاں منجملہ اسبابِ ویرانی ہے اور ہم نے اس کے سنی اسبابِ ویرانی کے کئے ہیں۔

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاش کے

اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے

فرماتے ہیں ۔ مجھ کو خوش نوا یاں چین کے ذمے سننے کا بے حد شوق ہے اور وہ میرا محبوب میرے اس ذوقِ سماع سے یہ خیال کرتا ہے کہ میں محبوب کی گفتگو پر پندوں کی چیمباہٹ کو ترجیح کیوں دیتا ہوں۔ کاش وہ میرے ذوقِ سماع سے بدگماں نہ ہوتا۔

وائے! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا

لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

فرماتے ہیں ۔ افسوس قبر میں بھی چین نہ ملا۔ شورِ قیامت نے مجھے جگا دیا۔ میں تو واں اس لئے گیا تھا کہ فیند بھر کے سوؤں گا۔ آرام حاصل کروں گا۔ دنیا سے گھبرا کر قبر میں چین پانے کا امید تھا۔ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے۔ مگر بھی چین نہ پایا تو کہہ جائیں گے (ذوق)

وعدہ آنے کا دفلی کیجے، یہ کیا انداز ہے
 تم نے کیوں سوچی ہے میرے گھر کی درباری مجھے؟
 فرطتے ہیں۔ آنے کا وعدہ پورا کیجئے۔ میں منتظر بیٹھا ہوں کہیں جا بھی نہیں سکتا۔ تم نے تو میرے پرد
 گھر کی درباری کر دی۔ یہ تمہارے کیسے انداز ہیں۔ بے مثل شعر ہے۔

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ وا!
 پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے
 فرطتے ہیں۔ ہاں لے نشاطِ فصلِ بہاری تیری کیا بات ہے۔ تجھ کو آتے دیکھ کر میرا سودائے غزل
 خوانی تازہ ہو گیا ہے۔ میری طبیعت غزل کہنے کی طرف مائل ہو گئی۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
 میرزا یوسف ہے غالبِ یوسفِ ثانی مجھے
 میرزا یوسف میاں غالب کے بڑے بھائی تھے جو کہ عین جوانی میں دیر لانے ہو گئے تھے۔ شعر
 کا مضمون مانف سمیٹھا ہے۔

غزل ۲۰۲

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامِ یارب مجھے سچہ زاہد مول ہے خندہ زرباب مجھے
 معنی۔ یارب = خدا سے فریاد کرنا زندگی کا عمار ہے | سچہ زاہد = ذکر الہی

فرماتے ہیں۔ مجھے بوقت شادی ہنگامیاریب یاد ہے اور میرا سکونا بھی زاہد کا ذکر غرضی ہے مطلب یہ ہے کہ میں ہر محل میں تجھے یاد کرتا ہوں یعنی یادِ الہی سے غافل نہیں ہوں۔

ہے کشادِ خاطر والستہ درِ دین سخن تھا طہیم قفلِ ابجد خانہ مکتب مجھے
فرماتے ہیں۔ جس طرح قفلِ ابجد حروف کے جوڑ ملنے سے کھل جاتا ہے۔ اسی طرح میری طبیعت کشادہ ہو جاتی ہے جب میں اچھا شعر کہوں یا کسی اور کا سُنوں۔ گو میری طبیعت سخن نے دین رکھی ہوئی ہے۔ شعر کے ساتھ دین ادا ہو جاتا ہے۔

یارب! اس شغفگی کی داؤں سے چاہیے؟ رشکِ آئینش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
فرماتے ہیں۔ یارب میں پریشان حالی کی داؤں سے چاہوں کہ جب میں قید تھا تو آوازِ دنیا باہر گری کرنا چاہتا تھا اور قیدیوں کی حالت پر غم کھاتا تھا۔ اب جبکہ میں آشتی سرے کے ہاتھوں صحرانوردی کر رہا ہوں تو پہل زنداں پر رشک ہے کہ وہ آوارہ گردی سے بچ کر سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں

طبع ہے مشتاقِ لذت بلے حسرت کیا کروں؟ آرزو ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے
فرماتے ہیں۔ میری طبیعت ہمیشہ سے لذتِ حسرت و حرام کی مشتاق چلی آتی ہے اسی میں مجھے لطفِ زندگی حاصل ہوتا ہے۔ میں آرزو شکستِ آرزو کی خاطر کرتا ہوں۔ یہی میرا مطلب ہوتا ہے تا حشر خاش
مجھے لذتِ حرام دیکھنا ہی رہے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہو گئے عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے
فرماتے ہیں۔ دل لگا کر غالب بھی مجھ سے ہو گئے۔ کوئی اُن سے پوچھے کہ میرزا صاحب کیا برا۔ آپ عشق کے خلاف و فطرتِ نصیحت کیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے گے میں یہ پھانسی کا پھندا کیوں ڈال رکھا ہے۔

غزل ۲۰۳

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوشنویانِ چمن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں ۔ بادشاہ کے دربار میں شاعروں کا امتحان لیا جا رہا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ گویا چمن
میں خوشنویانِ چمن کا خوش الحانی کا امتحان ہو۔ غالب میاں نے یہ غزل دربار شاہی میں
پڑھی تھی جب بادشاہ رنلق افروز تھے ۔

قد و گیسو میں تیس کوہ کن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و درسن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں ۔ تیس و فرہاد کے لئے توپل و شیریں کا عشق اور اس سے متعلق مصائب و آلام ہی
تھے۔ لیکن جہاں ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے وہاں تو دار و درسن تک بات پہنچ چکی ہے۔ اور
بادشاہ سلامت کو دار پر چڑھانے کا اختیار ہے ۔

کریں گے کوہ کن کے حوصلہ کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں ۔ ابھی تو صرف کوہ کن کی قوتِ دست و بازو کا امتحان ہو رہا ہے کہ وہ پہاڑوں کو کاٹ
کر جئے شیر نکالے اور خسرو اور شیریں کے لئے پتھر تراش کر دہل تعمیر کرے۔ جب کوہ کن
یہ کام کرے گا تو اس کے حوصلہ کا امتحان ایک پیرزن کے ذریعہ لیا جائے گا جو مرگِ شیریں

کہا، دل خراش خبر لے کر عاشقِ نامراد کو دکن کو سنائے گی۔ اور وہ کم حوصلہ تیشہ سے اپنا سر پھوڑ کر مر جائے گا۔

نسیم مصر کو کیا پیر کنڈاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کی بوٹے پیر بن کی آزمائش ہے

معنی پیر کنڈاں - حضرت یعقوب علیہ السلام
فرماتے ہیں۔ نسیم مصر کو پیر کنڈاں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے بلکہ وہ تو یوسف کی بوٹے پیر بن کا امتحان لینا چاہتی ہے اور اسی لئے مصر سے کنعان کی طرف جا رہی ہے۔

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں۔ وہ بزمِ دوحاں، صبر و شکیب و سٹنے والا محبوب بزم میں آگیا ہے، خبردار جو جاؤ پھر نہ کہنا کہ ہم غافل تھے۔ اس کا غفلت میں ہم پر وار چل گیا۔ اور اس کے آنے کی غرض تمہارے صبر و قرار کا امتحان بھی ہے۔

سہ ہے دل میں تیر لہجہ، جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ نادکِ فلک کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں۔ تیر دل میں رہے یا جگر کے پار ہو۔ اس سے بالکل غرض نہیں بلکہ ہیں تو اس بتِ نادکِ فلک کی آزمائش ہے۔ فلک کی نشانہ بازی دیکھنی اور اس کا امتحان لینا منظور ہے آیا کتنے اس کے تیر نشانہ پر لگتے ہیں اور کتنے خطا ہوتے ہیں وہ تیر اندازی کا ماہر ہے یا نہیں۔

نہیں کچھ سبھ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں۔ سبھ و زنار جو شیخ و برہن کی علامت ہیں ان میں فی الواقع کچھ نہیں رکھا بلکہ ان سے دیکھنا
اور امتحان لینا بد نظر ہے کہ وفاداری کے میدان میں کون پورا اترتا ہے یعنی تمام عمر وفادار
رہتا ہے۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وفاداری بشرط استواری اہل ایماں ہے
مرے تجھانے میں تو کعبہ میں گارو برہن کو

پڑا رہے دل و البتہ بیتابی سے کیا راصل،
مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں۔ اے میرے دل اسی حالت میں سکون سے پڑا رہ کیا تیری بیتابی سے زلف پر شکن
کے متھے ٹوٹ جائیں گے۔ اگر زیادہ تر پئے گا تو وہ اور بھی کس جائیں گے۔ کیونکہ یہاں تیری
نہیں بلکہ زلف پر شکن کی طاقت کا امتحان ہے۔

رگ۔ وہے میں جب اُتے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہوا
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

فرماتے ہیں۔ زہرِ غم یعنی زہرِ عشق جب رگ، وہے میں خوب رچ جائے گا تب اس کے اثرات
دیکھنے والے ہوں گے۔ ابھی تو صرف مُنہ اور دُہن کو تلخی سے آزمایا جا رہا ہے مطلب یہ ہے کہ
انجام دیکھنے والا ہوگا ابھی تو آغاز ہے۔

ابتدائے عشق ہے، مولا ہے کیا : آگے آگے دیکھے ہوتا ہے کیا (میر تقی میر)

وہ اٹیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب

نئے فتنوں میں اب چرخ کہن کی آتش ہے

فرماتے ہیں ۔ وہ وعدے کا پابند نہیں ہے وہ میرے گھر برگز نہیں آئے گا۔ اور بہت ممکن ہے
اُسے وعدہ کرنا اب یاد بھی نہ ہو۔ ہیں تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ چرخ کہن ہمارے لئے کون
سے نئے فتنے پیدا کرتا ہے۔

غزل ۲۰۴

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھے

جفا میں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں ۔ یعنی یہ سوچ کر کہ زندگی بھر اس پر ظلم و ستم کئے ہیں اب تھوڑی نیکی کے کیا فائدہ
ہوگا۔ لہذا وہ تھوڑی نیکی کرنے سے بھی رک جاتا ہے۔

خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے

کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں ۔ اے خدا جذبہ دل میں تاثیر تو ہے مگر الٹی ہے کہ جس قدر میں اُس کو اپنے جذبہ دل
سے کھینچتا ہوں اسی قدر وہ مجھ سے جڑ کر اور بد مزاج ہو کر دور ہو جاتا ہے۔

وہ بد خو، اور میری داستانِ عشق طوفانی

عبارت مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں۔ کس مسیبت میں جان بچنی ہے ایک تودہ شوخ بد خو، بد مزاج اور دوسرے میری داستان
عشق بہت طویل۔ وہ بد خو کب سننے والا ہے بلکہ قزو یہ ہے کہ قاصد بھی گھبرا گیا اور کانوں کو
ہاتھ لگا کر بولا کہ حضرات! لبا طویل پیغام پہنچانا میرے بس کا نہیں ہے۔ لہذا میں معذرت چاہتا ہوں۔

اُدھر وہ بدگمانی ہے اُدھر یہ ناتوانی ہے

نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں۔ وہ بوجہ بدگمانی کے میری محبت کا یقین نہیں کرتا۔ جو کچھ میں کہہ پاتا ہوں وہ سن کر کہہ
دیتا ہے کہ یہ سب غلط ہے اُدھر وہ بدگمان ہے میرا حال چال کیوں پوچھے اور اُدھر اپنی
مالت ضعیف داتاؤں ہے کہ میں تفصیل سے بتا نہیں سکتا۔

سنیٹھنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے

کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے۔

فرماتے ہیں۔ اے ناامیدی مجھے ذرا ہوش میں آنے دے۔ میں کچھ سبعل جاؤں اتنا پریشان نہ کر کہ
میرے دل سے خیالِ یار تک نکل جائے تو ایسی قیامت برپا نہ کر۔

تکلف برطرف، نظارگی میں بھی سہی سیکر

وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں۔ میں بھی اُس کے دیکھنے والوں میں شامل ہوں۔ مگر یہ ظلم مجھ سے کب دیکھا جاسکتا ہے کہ
دوسرے لوگ بھی اُسے دیکھیں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں۔ وہ توئی جن سے عشق کو ترک یا اس کے مصائب و آلام برداشت ہوتے ہیں۔ ابتداءً
عشق میں ہی زخمی ہو گئے۔ اب نہ عشق ترک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی مصیبتوں کو برداشت
کرنے کی طاقت ہے سب رخصت ہو گیا۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

فرماتے ہیں۔ غضب ہے کہ میں اس کافر کو رخصت کروں اور کہوں کہ جاؤ خدا حافظ۔ بعد الیا رشک
کب میں گوارا کر سکتا ہوں اور وہ بھی اُس وقت جبکہ مدعی بھی اُس کے ساتھ ہم سفر ہو رہا ہے۔

غزل ۲۰۵

زلیں کہ مشقِ تراشا جنوں علامت ہے کشاد و لبستِ مرثہ سیلیٰ ندامت ہے
فرماتے ہیں۔ اس عالمِ ناپائیدار کی نیزنگیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولنا۔ بند کرنا۔ ندامت کے طلبے کھانے
کے برابر اور دیوانگی کی علامت ہے۔

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی تجھے کہ آئندہ بھی ورطہٴ ملامت ہے
فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ تیری بدعہدی کے داغ کوئی کس طرح مٹے۔ تیرے لئے تو آئندہ بھی
ورطہٴ ملامت ہے یعنی تو آئندہ دیکھ کر غیروں کے لئے بناؤ سنگسار کرتا ہے جو فی الحقیقت بدعہدی
ہے بطلب یہ ہے کہ بہارے ساتھ بے دہائی اور دوسرے سے وفا کی جاتی ہے۔

ہر بیچ و تاب ہوس سلک عافیت توڑ نگاہ عجز سر رشته سلامت ہے
فرماتے ہیں اپنے آپ کو ہوس کے بیچ و تاب میں نہیں چھننا چاہیے اس سے عافیت کا رشتہ ٹوٹتا
ہے۔ مطلب یہ ہے ہوس رانی سے دلوں جہاں برباد ہو جاتے ہیں۔

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد جنوں ساختہ فصل گل قیامت ہے
فرماتے ہیں۔ محبوب و فداوار اور رقیب و دغا عشق میں جھوٹا ہے ایسا ہی ہے جیسے سجھ بھار
آگنی اور جنوں بنا دیتی ہو۔ قابل شرم رقیب کا کام ہے

غزل ۲۰۶

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ ، دیکھ کر کوئی بتا دے مجھے

فرماتے ہیں۔ رقیب کے خوف سے تو مجھے اپنی بزم میں آنے کی دعوت نہیں دیتا میں تو اس قدر
لاغر و نحیف ہوں کہ مجھے کوئی دیکھ نہ پائے گا۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں ہو
گا کہ میں ہوں بھی یا نہیں۔

کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر گرا جلائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

فرماتے ہیں۔ میری حالت، قابلِ رحم ہو چکی ہے۔ میری حالت زار و نزار ہے کیا تعجب ہے کہ اگر وہ

اس حالت میں مجھے دیکھے تو اس کو مجھ پر رحم آجائے۔ کوئی میری مدد کرے مجھے بہارا
چلیے۔ کسی نہ کسی ذریعہ سے اُس تک مجھے لے چلو۔

مُنہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا، پر باندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلاوے مجھے

فرماتے ہیں۔ اگر تجھے منہ دکھانا پسند ہے اور کسی بھی وجہ سے تو نہیں دکھا سکتا خیر ہے۔ میں
کوئی شکوہ شکایت تجھ سے نہیں لیکن ایک بات تو کر سکتا ہے کہ قصہ میں بھر کر میں پردہ ہٹا کر
بڑا بھلا کہہ تاکہ ہم دیکھیں تو غصہ میں کیسے رنگ بدلتا ہے۔ کیونکہ بعض حسین بوقتِ فیض و
غضب زیادہ حسین ہو جاتے ہیں جتنے وہ بناؤ سنگار سے بھی نہیں ہوتے۔

یاں ملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ نہیں
زُلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھلاوے مجھے

فرماتے ہیں۔ وہ میری گرفتاری سے بہت خوش ہے ادھیہاں تک وہ گرفتاری کا متمنی ہے کہ اگر
میں اس کی زلف بن جاؤں تو بھلے زُلف سلجھانے کے اپنے شانے میں دیں پر مجھے الجھلاوے
رکھے بظاہر یہ ہے کہ محبوب قطعی نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی عاشق اسے الوداع کہے۔ ہر
محبوب اپنے عشاق کو ہمیشہ اسیر ہی رکھنے کا خواہش مند رہتا ہے۔

غزل ۲۰۷

باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
فرماتے ہیں ۔ یہ دنیا میری نگاہ میں بچوں کا کیل ہے ۔ رات دن جو کچھ یہاں ہوتا ہے وہ میری نظر میں
کوئی اہم بات نہیں ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ حادثات روزمرہ کا معمول ہیں اور میں ان
باتوں کا مادی ہو گیا ہوں تو کوئی حادثہ بڑا ہو یا چھوٹا میری طبیعت پر اثر انداز نہیں ہوتا ۔

اک کھیل ہے اورنگِ سلیمان مرے نزدیک اک بات ہے اعجازِ میسا مرے آگے
فرماتے ہیں ۔ تختِ سلیمان اور اُس سے متعلق جو کہانیاں بنائی گئیں ہیں وہ سب اک کھیل ہے یعنی
ان کہانیوں میں حقیقت نہیں ہے اور ایسا ہی ایک بات ہے اعجازِ میسا ۔ میری نظر میں یعنی
جو کچھ ان دونوں باتوں میں غلو کیا گیا ہے وہ میری نگاہ سے مخفی نہیں ۔

جز نام نہیں صوتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے
فرماتے ہیں ۔ اس دنیا جہان کا نام ہی نام ہے اور ایسا ہی ہستیِ اشیا مرے لئے وہم کے سوا
نہیں ۔ مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وجود میں
آئی ہے اس کا ذاتی کوئی وجود نہیں ہے ۔ ذاتِ باری کے سوا میں کسی شے کی کوئی حقیقت
نہیں سمجھتا ۔

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرَا مرے ہوتے گھسے چبیں خاک پہ دریا مرے آگے

فرماتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ لہذا اس کے لئے سب چیزوں کو
 مسخر کیا ہے۔ شعر کا مطلب یہی ہے کہ انسان کو یہ قدرت اور عقل بخشی ہے۔ صحرائیں کی وجہ
 سے خاک میں اپنا منہ چھپا رہا ہے اور بڑے بڑے دریا انسان کے آگے پیشانی رگڑتے ہیں۔
 یعنی اس کے فرمانبردار ہیں جو کچھ ہم روز مشاہدہ کر رہے ہیں یہ انسان کی عظمت کی نشانیاں ہیں۔

مت پوچھو کہ کیا حال ہے میرا تم سے پیچھے تو دیکھو کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 فرماتے ہیں۔ مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ تیری بُرائی میں میرا کیا حال ہوتا ہے بلکہ تو یہ دیکھو جو میرا حال ہے
 یعنی زبانِ حال سے ہی نظر آ رہا ہے اور میرے حال کو دیکھ کر تیرا کیا رنگ ہو جاتا ہے یعنی تو
 بھی بے چین اور پریشان ہو جاتا ہے۔ بعینہً ایسا ہی میرا حال تیرے جبر میں ہوتا ہے۔

سچ کہتے ہو خود بین و خود کراہوں نہ کیوں ہوں؟ بیٹھا ہے بُتِ آئینہ سیما مرے آگے
 فرماتے ہیں تم سچ کہتے ہو کہ میں اپنے آپ کو بہت سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے کچھ گمنام بھی ہے لیکن
 یہ سب یوں ہے کہ تم سا آئینہ جیسے میرے آگے بیٹھا ہے تو خود بخود مجھ میں خود بینی اور غدارائی
 کیوں نہ ہو۔ میں تو اپنے آپ کو تم جیسی حسین اور آئینہ جیسی صاف و شفاف پیشانی رکھنے والی
 تصویر کے سامنے بیٹھا دیکھ کر اپنی قسمت پر ناز کر رہا ہوں۔

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفنت ار رکھ دے کوئی پہیاز و مہیاز مرے آگے
 فرماتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ میری زبان سے کیسے کیسے پھول جھڑتے ہیں۔ خرابی ہے کہ کوئی میرے سامنے
 پہیاز اور شراب کا مہیاز ہوا شیشہ رکھے تو ہسی۔

نفرت کا گماں گز رہے ہے میں رشک کے گزرا کیوں کر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

فرماتے ہیں ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اُن کے نام سے نفرت کرتا ہوں جب میں رشک کی وجہ سے کسی سے کہتا ہوں کہ میرے آگے ان کا نام نہ لے۔ مجھے اُن کا نام غیر کے مُنہ سے بھی اچھا نہیں لگتا۔

ایساں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے فرماتے ہیں ۔ کعبہ جو ایمان کی علامت ہے اور جو میری پشت کی جانب ہے اور مجھے روکتا ہے لیکن کفر میرے آگے ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ایہ ان اور کفر کی یکشکشا ازل سے جاری ہے اور اب تک جاری رہے گی۔

عاشق ہوں پر معشوق فریبی ہے مرا کام مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے فرماتے ہیں ۔ ہوں تو میں عاشق مگر معشوق فریب عاشق ہوں۔ ساری دُنیا کے معشوق مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ لیلیٰ میرے مقابلہ میں مجنوں کو بُرا کہتی ہے اور میری تعریف کرتی ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر دل میں یوں نہیں جاتے آئی شبِ ہجر اں کی تمتا مرے آگے فرماتے ہیں دُمل میں خوش ہونا لازمی امر ہے۔ مگر اس قدر خوشی نہ ہو کہ شادی مرگ ہو جائے اور شبِ فراق میں جو مرنے کی تمنا تھی وہ شبِ دُمل میں تمہارے سامنے آ جائے۔

بے موجدِ انِ قلزمِ خوں کا شس یہی ہو آتے ہیں ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے فرماتے ہیں۔ آج جو میں ایک خون کا دریا اپنی آنکھوں سے بہا رہا ہوں کاش بس یہی ہو اس کے بعد مجھے ایسا خون کا دریا نہ بہانا پڑے مگر معلوم نہیں ابھی کیا کیا آئیں اور آئی باقی ہیں۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر میں مینا مرے آگے
 فرماتے ہیں۔ گو ہاتھ میں اتنی بھی طاقت و سکت نہیں کریں مینا میں سے شراب ساغر میں انڈیلوں مگر
 آنکھوں میں جان باقی ہے یعنی خواہش ختم نہیں ہوتی۔ لہذا ساغر و مینا میرے آگے سے مت
 ہٹاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان کچھ دم میں دم ہے خواہشات نفسانی انسان کا بیچا
 نہیں چھوڑیں۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا غالب کو بڑا کیوں۔ کہو اچھا مرے آگے
 فرماتے ہیں۔ غالب میری طرح عاشق بھی ہے ہم مذہب اور میرا راز داں بھی ہم اس کو میرے سامنے
 بڑا کیوں کہتے ہو۔ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو اچھا کہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب غالب میرے ہی جیسا
 ہے تو آپ صرف غالب کو نہیں مجھے بھی بڑا کہہ رہے ہیں۔ یہ بات غلاف تہذیب ہے کہ منہ پر
 ہی گالیاں دیتے ہو۔ شاید محبوب غالب کو جانتا پہچانتا نہیں اس لئے یہ سارا ڈرامہ ہوا ہے یا
 خود بدلت آپ سے ہی جو گفتگو ہے۔

غزل ۲۰۸

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کیے
 تم ہی کہو، کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہتے

فرماتے ہیں۔ میں اگر اپنا حال دل کہتا ہوں تو تم فوراً کہتے ہو کہ بس بس مدعا ئے دل بیان کرو حالانکہ
 میرے مدعا سے تم بخوبی واقف ہو۔ اور پھر سزا بھل عارفانہ دکھاتے ہو۔ اچھا! میں تم سے کہتا

ہوں کہ تمہارا ان باتوں سے کیا مطلب ہے ۔

نہ کہیتو طعن سے پھر تم کہ ہم ستم گر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو ”ججا“ کہیتے

فرماتے ہیں تم جانتے ہو کہ میری عادت ہر بات پر درست اور بجا کہنے کی ہے جب یہ بات ہے تو
آپ طنز ابھی نہ کہنا کہ ہاں۔ ہم ستم گر ہیں در نہ میں عادت کے مطابق ہی کہنا ہو گا کہ آپ نے
درست فرمایا اب تم مجھ سے ناراض ہو۔ پھر کبھی تم طنز ابھی اپنے آپ کو ستم گر نہ کہنا۔ در نہ میں تو
عادت کے موافق کہہ دوں گا بجا فرمایا۔ حالانکہ یہ میرے دل کی آواز نہ ہوگی ۔

وہ بیشتر سہی پر دل میں جب اُتر جائے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیتے

-- فرماتے ہیں یہ ہم مانتے ہیں کہ نگاہِ ناز نشتر ہے مگر جب دل میں اُتر جائے اور کہیں دل ہو جائے تو پھر
اس کو آشنا کہنا ہی مناسب ہو گا ۔

نہیں ذریعہٴ راحتِ جراحتِ پرکیاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیتے

فرماتے ہیں تیرا زخمِ ذریعہٴ راحتِ خاطر نہیں ہو سکتا۔ جس زخم کو دل کشا کہنا چاہیئے وہ تلوار کا زخم
ہوتا ہے اس سے دل خاطر خواہ لذتِ یاب ہو جاتا ہے ۔

جو مدّعی بنے اُس کے نہ مدّعی بنے
جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہیتے

فرماتے ہیں ۔ کسی دشمنی کے جواب میں دشمنی کرنی حسن اخلاق نہیں اور نہ ہی یہ اسلام کی تعلیم ہے ۔ ہاں بیشک دفاع کی اجازت ہے ۔ اور اگر کوئی شخص تم کو برا کہتا ہے تو کہنے دو ۔ تم اس کو برا نہ کہو ہرائی کا بدلہ بولائی اور احسان سے دو ۔ اذفع باللیتی ہی احسن“

کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھئے
کہیں مصیبتِ ناسازی دوا کہتے

فرماتے ہیں ہم مرضِ عشق میں مبتلا ہیں اس لئے ہم اُس کی جان کا ہی کمال رکھنے پر مجبور ہیں ۔ اس پر طرہ یہ اس مرض میں کوئی دوا کارگر ثابت ہوتی نظر نہیں آتی تو اس کا حال رکھنے پر بھی مجبور ہیں ۔ اس کے سوا ہمارا اور کام ہی کیا ہے ۔

کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کہیں حکایتِ صبرِ گریزِ پا کہیئے

فرماتے ہیں ساری عمر اسی میں گزر گئی کہ ہم شکایتِ رنج و آلام کرتے رہے ۔ کبھی صبرِ گریزِ پا کی شکایتیں ہیں سُنے والے بھی پریشان ہم بھی پریشان ۔ دشمن ہنس اڑاتے ہیں ۔ دوست اجابِ طعن و تشنیع کے ساتھ صبر کی تلعین کرتے ہیں ۔ عشق ہمارے لئے بلائے جان ہے ۔

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے

کٹے زباں تو خنجر کو مرجا کہیئے

فرماتے ہیں جان نکلتے وقت قاتل کو خون بہا معاف کر دینا چاہیئے ۔ اور زبان کے کٹنے پر خنجر کی تعریف لازمی ہے ۔

نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو، نگار تو ہے

روانیِ روشِ مستی ادا کہتے

فرماتے ہیں ۔ محبوب کو محبت نہیں نہ سہی مگر وہ ہمارا محبوب تو ہے ہم اس کے ناز و اندازِ سخن کی
تعریف کرتے رہو ۔

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے

طراوتِ چمن و خوبی ہوا کہتے

فرماتے ہیں بہار کو فرصتِ قیام نہیں ہے نہ ہو آخر بہار ہے ہم اس کی طراوت کی تعریف اور ہوا کی
خوبی بیان کر دو کیسی فرحت بخش اور خوش گوار ہے لیکن اس کی کم فرصتی کی شکایت زبان پر
نہ لاؤ ۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب

خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کہتے

فرماتے ہیں ۔ اے غالب اب سفینہ ساحل پہ آ لگا ہے ۔ اب تمام طوفانوں کو راستے کی مصیبتوں کو قبول
بانا چاہیئے ۔ اب کیا نا خدا کے ستم و جور کا شکوہ شکایت ۔ جو کچھ تھا گزر گیا ۔
اسی مفہوم سے ملے ملتے چلتے چنا اشعار جو ذہن میں تھے صفحہ قرطاس پر ثبت کر رہا ہوں ۔
غالب ہی دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

ہو چکیں غالب بھائیں سب تمام ۛ ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

مدت سے آئیر اس کے ملنے کی تمنائی ۛ آج اُٹھنے بٹھاپا ہے لینے کو قضا آئی (امیر مینائی)

اپنے غم خانہ کا دروازہ کرو بند اکبر ۛ اب سوا موت کے کوئی نہیں آنے والا دیکھ لالہ آبادیہا

غزل ۲۰۹

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
معنی ۔ دھویا جانا = بے شرم و بیباک ہو جانا۔

فراتے ہیں ۔ جب تک ہم نے آنسو نہ بہائے تھے۔ راز عشق چھپا تھا۔ ہمارے عشق کا کسی کو پتہ نہ تھا۔
مگر جب ضبط کا بند من ٹوٹ گیا اور ہم کھل کے رونے پر مجبور ہو گئے تو ہم نڈر ہو گئے اور ہمارا
یہ ڈر کہ کسی کو ہمارے درد کا پتہ چل جائے گا۔ جاتا رہا۔ اور اب ہم ایسے بے شرم و بے حجاب
ہو گئے کہ ہمیں کسی کی پروا ہی نہیں ہم آزاد ہو کر بدل لحاظ ہو گئے اور یہ سب کچھ ضبط گیری میں ۔
ناکامی سے ظہور پذیر ہوا۔ عشق حقیقی میں معنی یوں کریں گے کہ جس قدر ہم نے توبہ و استغفار کیا۔ روئے
دھوئے اتنا ہی عشق بڑھتا گیا۔ انکسب نہایت کے پانی سے ہمیں دھو دھو کر بالکل پاک و صاف کر دیا
یعنی خدا نے ہمارے گناہ معاف کر دیئے ۔

صرف بہائے مے ہوئے آلاتِ مے کشی تھے یہی دو حساب یوں پاک ہو گئے
فراتے ہیں ۔ آلاتِ مے کشی ۔ چاندی سونے کے شراب رکھنے اور پینے کے برتن جو تھے ہیں ان کی
حفاظت اور حساب رکھنا ہوتا تھا ہم نے ان سب کو بیچ کر شراب پی اور جو کچھ کمال کا فرض
تھا وہ بھی چکا دیا۔ یہی دو مصیبتیں بڑے جان رہتی تھیں سو وہ یوں ختم ہوئیں ۔ نہ رہے
بانس نہ بجے بانسری ۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
فراتے ہیں ۔ اگرچہ آوارگی کے سبب تم زمانہ بھر میں بدنام و رسوا ہو گئے۔ لیکن اس بدنامی سے ایک
فائدہ بھی ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ناخوش جواب ہو گئے۔ چالاک ہونا محاورہ ہے یعنی حاضر

جواب ہونا۔

کہتا ہے کون نالہ بیل کو بے اثر پردے میں گل کے لاکھ بگر چاک ہو گئے
 فرماتے ہیں۔ نالہ بیل کو بے اثر کون کہتا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ گل کے باس میں لاکھوں بگر چاک
 ہوئے ہیں۔ پتھروں کا کھانا تشبیہ ہے بگر چاک ہونے کی۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کا نالہ و ذرا
 بے اثر نہیں ہوتا۔ گلوں کے یعنی حسینوں کے بگر چاک کرتا رہتا ہے۔ گو وہ پردے میں ہی
 رہتے ہیں۔

پوچھ ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا؟ آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
 فرماتے ہیں۔ اہل شوق یعنی عاشقان اپنی کے وجود و عدم کا کیا کہنا۔ اُن کے متعلق تو کیا معلوم کرنا
 چاہتا ہے۔ وہ تو آتشِ مشق میں جل کر راکھ ہو گئے جس طرح گھاس بھوس جلدی سے جل جاتا
 ہے یہ اہل شوق تو فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں۔ بظاہر زندہ ہوتے ہیں لیکن اپنے آپ کو کبھی کاٹا
 چکے ہوتے ہیں۔

کرنے گئے تھے اُن سے تغافل کا ہم گلہ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 فرماتے ہیں۔ کہ ہم اُس سے اُس کے تغافل کا گلہ کرنے گئے تھے اور ہم نے درخواست کی کہ ہماری
 طرف بھی نظر کیجئے۔ اس نے ایک ہی نگاہ غلط انداز والی تو جل کر خاک ہو گئے مطلب یہ ہے
 کہ تا حقیق کو اپنے طریق پر دیکھنے کی خواہش کرنا اچھا نہیں وہ خود جانتا ہے کہ کسی پر اپنے آپ
 کو کس طرح اور کس طریق سے ظاہر کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھنے کی ضد کی تھی کیا
 نتیجہ نکلا۔ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔
 کیا خوب فرمایا ہے استادِ المحترم حضرت دل شاہ جہانپوری نے سے

سرطرد ایک برق حسن بہراتی نظر آئی
ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے ہاں کو

اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اس کی نیش دشمن بھی جس کو دیکھ کے غم ناک ہو گئے
فرماتے ہیں۔ خلاف توقع اس کی میت کل اُس نے ایسے الماک انداز سے اُٹھائی کہ دشمنوں کی
آنکھیں بھی اشک آلود ہو گئیں۔

غزل ۲۱۰

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
شیشہ سے سرو سبز چوئے بار نغمہ ہے

فرماتے ہیں۔ نشہ راگ رنگ یعنی مسیقی سے شاداب ہوئے ہیں اور ساز نشہ طرب سے مست و مہر شاد
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں حد درجہ تداخل ہے کہ مینائے شراب جو بار نغمہ بن گیا ہے۔

ہم نشیں مت کہہ کہ ہم نہ بزم عیش درست
واں تو میرے نامے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

فرماتے ہیں۔ اے ہم نشیں تو مجھے یہ نہ کہہ کہ بزم عیش درست کو اپنے نالوں سے کیوں پرہم کرتا ہے۔
نہیں ایسا بالکل نہیں ہے۔ میرا نالہ تو بزم درست میں پہنچ کر نغمہ کا کام کرتا ہے مطلب یہ ہے
کہ میرا درست میرے نامے کو سن کر خوش ہوتا ہے۔ ناراض نہیں ہوتا۔ لہذا تو مجھے نالوں سے روکنے
کی کوشش نہ کر۔

غزل ۲۱۱

عرضِ نازِ شوخی دُندانِ بڑے خندہ ہے دعوئے جمعیتِ اجاب جائے خندہ ہے
فرماتے ہیں۔ دانت اپنی شوخی و خوبی ہنسی کے وقت دکھاتے ہیں یہی برکتِ ہنسی دانت نظر آتے ہیں۔
لیکن اجاب کی جمعیت و اسناد کا دعویٰ کرنا۔ قابلِ مذمت و ندامت ہے۔ بڑھاپے میں دانت
اگے ہوتے ہیں ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح دوستوں کے دلوں میں فرق پڑ جاتا ہے اور دوستیاں
ٹوٹ جاتی ہیں۔

ہے علم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل یک جہاں زانو تا مل در نقطائے خندہ ہے
فرماتے ہیں۔ جب تک غنچہ کھل کر گل نہیں بناتا وہ گل بننے کا انجام سوچ رہا تھا اور یا غنچہ بننے کی
خوشی میں مغموم تھا۔ لیکن اس غم و فکر یا خوشی و مسرت کا عرصہ بہت قصور ہے جیسے انسان سرِ زانو
ہو کر سوچتا ہے اور پھر تھک کر اپنے سر کو زانو سے اٹھا لیتا ہے۔ بعینہ یہی حالت غنچہ کی گل
بن جانے کے بعد ہے۔

گُلفِ افسردگی کو عیشِ بے تابِ حرام ورنہ دُندانِ دردِ دلِ افشونِ ثنائے خندہ ہے
فرماتے ہیں۔ افسردگی خاطر ایک ایسی مصیبت ہے کہ جس کے مقابلے میں بیتابی عیش کا حکم رکھتی ہے
ورنہ میں بیتابی میں دل کو دانتوں میں چبا لیتا۔ اور اپنی افسردگی خاطر کایوں غامض کر سکتا۔ اور
پھر دل زخمی ہو کر زخمِ خندہ اس سے حاصل ہوتا۔

سوزِ باطن کلاںِ اجابِ منکر ورنہ یاں دلِ محیطِ گریہِ لبِ اثنائے خندہ ہے

فرماتے ہیں۔ ہمارے دورت احباب سوزشِ باطن کو نہیں دیکھ سکتے جو ہمارے دل میں ہر وقت موجزن ہے یعنی درد و سوز۔ اور ہمارے دل کو گریہ نے گھیرا ہوا ہے۔ لیکن ہمارے لبوں پر ہنسی کیل رہی ہے جو ہمارے سوزِ دل کی پردہ داری کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں ہم زندہ ہیں لیکن باطن میں صاحبِ وجد و حال ہیں۔

خمار بارہ بنگوی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

نہیں ہوتا مدِ اولئے غم نہاں نہیں ہوتا
بظاہر ہنس لیا جاتا ہے غم نہاں نہیں ہوتا

حسرت، بے پروا خریدارِ ستارِ جلوہ ہے آئینہ زانوئے فکیرِ اختراعِ جلوہ ہے
فرماتے ہیں۔ حسن بے نیاز اور بے پروا ہے لیکن پھر بھی آرائش اور جلوہ گری کی خواہش داندوز کرتا ہے اور یہ خود حسن متاعِ حسن ہے۔ آئینہ اس کے لئے زانوئے فکر ہے یعنی وہ آرائشِ حسن کے لئے نئے نئے طریق ایجاد کرتا رہتا ہے یہ شعر لائقِ ملاحظہ ہے۔ مابہرِ ظلمات کا کہنا ہے کہ ہزاروں دنیاؤں میں ہیں اور سنتی بھی رہتی ہیں۔

تا کہ اے آگہی رنگِ تماشا باغِ متن چشمِ داگردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے
معنی رنگِ تماشا باغِ متن، رنگ بدلتے رہنے کے تماشے۔

فرماتے ہیں۔ اے آگہی تو کب تک تماشاۓ عالم کو بدلتی رہے گی۔ اور اس طرح چشمِ داگردیدہ یعنی نکل ہوئی آنکھ جو تماشاۓ عالم رہے گی۔ یعنی چشمِ تماشاۓ جلوہ کے رخصت کرنے کے لئے آغوشِ وداع ہے چشمِ داگردیدہ اس کے رخصت کرنے کے لئے آغوشِ کشائی ہے

غزل ۲۱۲

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی
 فرماتے ہیں، شاہِ حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن کے ساتھ بات چیت نہیں کی جاسکتی، اس
 کے لئے عشق و محبت درکار ہے اور جتنا زیادہ تیغِ عشق کا زخم دل پر ہوگا اسی قدر اُس سے
 راہِ سخن ہموار ہوگی۔ (یا) خالقِ حقیقی سے ہم کلام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دہان زخم پیدا کیا
 جائے یعنی دنیوی علائق کے کھلے پر چھری سپر کر، اے کو آتشوں سے پاک کر لیا جائے۔

عالمِ غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بہ سر کب تک خیالِ طرہِ یلیٰ لیٰ کرے کوئی
 فرماتے ہیں، بہتی عالمِ سراسر وحشتِ مجنوں کے علاوہ کچھ نہیں یعنی بے حقیقت و بے ثبات دنیا پایدار
 ہے لہذا کب تک ہم مجنوں کی طرح طرہِ یلیٰ لیٰ کے پیچھے پڑے رہیں گے۔ ایسے سراب کو مروج
 دیا سمجھنا سراسر حماقت ہے

افسردگی نہیں طربِ انشاءِ اتفاقات ہاں دردِ دہن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
 فرماتے ہیں، افسردگی دکھا کر محبوب کے اتفاقات کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ محبوب کی نظرِ اتفاقات
 کے لئے ضروری ہے کہ وہ سراپا دردِ دہن جائے، مطلب یہ ہے کہ محض افسردہ خاطر دیکھ کر
 محبوب یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ میرے عشق میں جان گھلارہا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ یواہری
 ہے جو عشق کی نہیں بلکہ اپنی خواہشات حاصل نہ ہونے پر افسردہ و مغموم ہے

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اے ندیم مجھے دل کھول کر رونے دے اور اس وجہ سے مجھے ملامت نہ کر تو ہی انصاف
 ہے کہہ کہ کب تک دل کی گرہ کوئی نہ کھولے اور رو کر مجھ پر اس نہ لکھے۔

چاک جگر سے جیب رہ پش نہ وا ہوئی کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنا جگر اس لئے چاک کیا تھا کہ وہ دیکھے ہمارے حال پتلیں کھا کر پش حال
 کرے جیب یہ بات نہ ہوئی تو گریبان پھاڑ کر لوگوں میں خود کو کیوں رواد بدنام کریں۔

لخت جگر ہے رگ ہر خار شاخ گل تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ میرے پارہ مانے جگر آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپکے اور انہوں نے جنگل کے ایک ایک
 کانٹے کو شاخ گل میں بدل دیا یعنی انہیں سیراب کیا۔ اب صحرا میں بہار آگئی کوئی کمی نظر نہیں
 آتی لیکن میں کب تک اس جنگل کی باغبانی کرتا رہوں۔

ناکامی نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ ناکامی نگاہ تھی جو طور پر برق بن کر گری اور نظارہ کو جلا گئی۔ تو اور تیرا جلوہ بدل کون
 دیکھ سکتا ہے۔ نہ موسیٰؑ نے دیکھا نہ کوئی اور دیکھ سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے محدود غیر محدود کے حُسن و جمال کا کیسے ادا کرے ہاں اس کی ذات سے
 اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

برنگِ دشتِ صدف گو ہر شکست نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ دیوانہ سمجھتے ہیں تو لڑکے پھر مارتے ہیں ہر پتھر سے جو زخم لگتا ہے دراصل وہ صدف کا
 موتی ہے۔ لہذا جنوں کا سودا سر میں پیدا ہو تو کسی قسم کا نقصان نہیں ہے

سر پہ ہوتی نہ وعدہ صبر آنا سے عمر فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ ماری عمر تو صبر کی آناش میں گزر گئی پھر ترے ملنے کی تمنا اور جستجو کس وقت اور
 کس طرح کی جاتی۔

ہے دشتِ طبیعتِ ایجاد یا کس خیز یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ فنِ شاعری میں دشتِ طبیعت بہت سی باتیں کرتی ہے۔ اور اس سے ناامیدی بھی پیدا
 ہوتی ہے لیکن سب لوگ ہی پسند کرتے ہیں۔ گویا یہ حدالیا نہیں ہے جسے کوئی پیدا کرنا نہ
 چاہے بلکہ ہر شخص کا کچھ نہ کچھ اس طرف رجحان ہوتا ہے۔
 جناب سلیم شاہ جہاں پوری فرماتے ہیں۔ -

یہ امگ بات کہ حاصل نہ ہو تابِ اظہار
 حسرتِ شعر ہر اک دل میں نہاں ہوتی ہے

بے کاری جنوں کو ہے سر پٹنے کا شغل جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ جنوں کے لئے کچھ کرنا لازمی ہے۔ جب تک باس جسم پر تھا اُسے پہاڑ تے رہے گربان
 کی دھجیاں اڑاتے رہے۔ جب وہ نہ رہا تو ہاتھوں سے سر پٹنا شروع کر دیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ جب ہاتھ
 ٹوٹ جائیں گے ایسی بیکار ہو جائیں یا تنگ جائیں گے تو جنوں کون سا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

حُسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اے اسد پہلے شمع کی طرح دلِ گداختہ پیدا کرو پھر حسنِ فروغِ شمعِ سخن نصیب ہوگا۔
 اور وہ منزل ابھی بہت دُور ہے۔

غزل ۲۱۳

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے زمانہ کا سیحا ہے تو ہوا کرے مجھ سے کیا واسطہ میں تو جب اُسے سیما
 جانوں گا جب وہ میرے درِ دل کا علاج کرے گا۔

شرع وائین پر مدار سہی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ یہ صیح ہے کہ شرع اور قانون کی نظر میں قاتل مجرم ہے اور قابلِ سزا ہے۔ مگر ایسے
 قاتل کا کوئی کیا کرے جو بغیر تلوار کے عشاق کو قتل کرتا ہے۔ یعنی تیغِ نگاہ اور تیرِ نظر سے۔

چال جیسے کڑی کمان کا تیر دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ ایسے محبوب کے دل میں کیسے جگہ پیدا کی جاسکتی ہے جس کی غرور کی چال کڑی کمان
 کی طرح ہے۔ کمان جس قدر سخت ہوگی اتنا ہی تیر تیزی سے اپنا کام کرے گا۔

بات پرواں زبان کھتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ ان کے خلاف کون کچھ کہہ سکتا ہے کہنے کے جرم میں زبان کاٹ دیتے ہیں۔ اس لئے
 ان کی بات غلط بھی ہو تو ہم چپ چاپ سنتے رہتے ہیں۔

بیک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ جوش جنوں میں میں بڑے بڑے راز عشق کھول رہا ہوں۔ خدا کرے میرے کہنے کو
 کوئی ذرا نہ سمجھے۔

نہ سنو، گر بُرا کہے کوئی نہ کہو، گر بُرا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اخلاق حسنہ کا تقاضا ہے کہ تم کسی کی غیبت یا چغلی نہ سُنو اور اگر کوئی بُرا کام کرتا
 ہے اور تمہیں معلوم ہے تو تم اس کی اشاعت نہ کرو اس سے برائی پھیلی اور بُرستی ہے
 اشاعت میں نشہ کرنا بھی شامل سمجھو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اگر کوئی غلط کام کرنے لگا ہے تو تم اُسے بھاجھا کر روک دو یا کسی اور طریق سے کام لو مگر جبراً
 نہیں یہ قانون ہاتھ میں لینا ہے اور اگر کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اہ تمہارے معاف
 کرنے سے اُس کی اصلاح ہو سکے تو بخش دینا ایک اعلیٰ خلق ہے۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کس کی حاجت روا کرے کوئی
 فرماتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص حاجت مند ہے اگر کوئی کسی کی بوقت ضرورت مدد نہ کر سکے تو شکایت

کی باتیں بے جگہ ہو سکتا ہے جس سے غم گلا کر رہے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ حاجت مند ہو۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کے رہنا کرے کوئی
فرماتے ہیں، منہ جہ بالا شعر میں حضرت خضر علیہ السلام اور سکندر کے مشہور فیض کی طرف اشارہ معلوم ہوتا
ہے کہ حضرت خضر سکندر کو چشمہ آب حیاں پر لے گئے مگر سکندر نے لوگوں کو زندہ بحالت مردہ دیکھا
تو آبِ حیات نہ پیا۔ فرماتے ہیں حضرت خضر نے سکندر کی یاد رکھی کہ رہنا کی کر آبِ حیات سے
محروم رہا۔ سکندر بہت جلد دنیا سے خالی ہاتھ چلا گیا۔ اب بتاؤ کہ کوئی کیسے کسی کو رہنا بندھے۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
فرماتے ہیں۔ توقع ہو تو گلہ شکوہ مفید ہو سکتا ہے مگر جب یہ نہ ہو تو پھر گلہ شکوہ کرنے سے
کیا فائدہ

غزل ۲۱۴

بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے

غلام ساقی کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے
فرماتے ہیں۔ دنیا کے رنج و غم بہت ہیں مگر اس غم کے مقابلہ میں محبت الہی کی شراب ہر کس و ناکس کے
لئے ہر وقت موجود ہے۔ صبر و شکر کر کے غم گیتی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے ہم نے شراب سے محبت
الہی مراد لی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب میاں اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں کہ میں غلام ساقی کوثر ہوں
ساقی کوثر کے پاس تو محبت الہی کی شراب ہے۔ دوسری شراب تو آپ نے حرام قرار دی ہے۔

تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

فرماتے ہیں۔ تمہاری عادت سے ہم خوب واقف ہیں کہ تم ہمیں رشک کی آگ میں جلاتے ہو۔ اسی لئے تم رقیب پر لطف کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق تھا۔ ہم پر ظلم و ستم کرنے کا ہے۔

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلائے

کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ غم بہ غم کیا ہے

فرماتے ہیں۔ تمہاری زلف پر غم سوائے ان دو باتوں کے اور کیا ہے اول یہ لبانی میں شبِ فرقت کے برابر ہے اور دوم یہ کہ اگر کسی کے کاٹنے تو نہ ہریلے سانپ کے زہر کا اثر اس میں ہے یعنی ان زلفوں کا محبت ہے، اس کے سوا ہمیں کوئی بتائے کہ پھر وہ زلفِ غم بہ غم کیا چیز ہے۔

لکھا کرے کوئی احکامِ طالع مولود

کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔ یہ جو اہل تنجیم روزانہ بچوں کے زائچہ بنا کر لوگوں کو درغلا تے رہتے ہیں کہ اس کی قسمت میں یہ لکھا ہے تو یہ سب بے معنی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں ہے کہ کاتبِ تقدیر نے کسی کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا

خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔ وہ کافر معنی نہ قیامت کا قائل نہ رہاں کسی حساب کتاب کے مال کا۔ اور نہ وہ کسی مذہب

دلت پر یقین رکھتا ہے۔ پھر وہ خدا کو کیسے گواہ کر سکتا ہے۔ یعنی خدا کی قسم کھائے اور ہم اس کا اعتبار کریں۔

وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم

وگر نہ مہرِ سیلیمان و جامِ جم کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔ خدا کی نعمتیں اور یہ تمام تماشائے عالم جو ہمارے سامنے دیکھنے کے لیے رکھ دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری نظر میں اس کی قدر و قیمت ہے وگر نہ بے دیکھے ہم کیا جانیں کہ ہر سیلیمان کیا اور جامِ جم کیا چیز ہے۔

سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن لب ہمیں دم کیا ہے

فرماتے ہیں۔ فنِ سخن میں غالب کی جادو نگاری کے ہم قائل ہیں لیکن وہ اب بوڑھا ہو گیا ہے پہلے کی طرح دمِ خم اُس میں نہیں ہے۔

غزل ۲۱۵

باغِ پاکِ خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے سایہٴ شاخِ گلِ افعی نظر آتا ہے مجھے
معنی۔ خفقانی۔ اپنے دم سے ڈسنے والا۔

فرماتے ہیں۔ باغ نے مجھ کو خفقانی مزاجِ پاکِ ڈرانا پاتا ہے کہ شاخِ گلِ شاخِ گل نہیں بگاڑ افعی سانپ ہے۔ مطلب یہ کہ باغ کی تروتازگی دل کشی کا اثر اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس وجہ سے

انسان اس کے دائم محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور انجام اس کا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انھی
سانپ کے کاٹنے کا یعنی بچتا نہیں ہلاک ہوتا ہے۔ یہی انجام عشق ہے۔

جو ہر تیغ پر سر چمڑا دیکر معلوم ہوں ہیں وہ سبزہ کد زہر آب اُٹاتا ہے مجھے
فرماتے ہیں۔ جو ہر تیغ جس طرح زہر آب تیغ پر چھوڑنے سے اُبھرتا ہے اسی طرح میں بحالت
فیض و غضب باہر آتا ہوں۔ لیکن غصہ کدالت میں بھی ہوش و حواس نہیں کھوتا بلکہ مجھ میں
نہایت شاداب سبزہ نمودار ہوتا ہے۔

مدعا محو تماشا۔ ٹھے شکستِ دل ہے آئندہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
فرماتے ہیں۔ مجھے شکستِ دل کا تماشا دیکھنے کی خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ دل کے ہر کڑے میں
تصویر نظر آنے لگی گویا میں آئینہ خانے میں دامن ہو کر تماشا دیکھ رہا ہوں۔

نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفِ خاک آسمان بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
فرماتے ہیں۔ دنیا کا سرمایہ نالہ ہے اور اپنی ذات میں ایک مشتِ خاک سے زیادہ نہیں اور آسمان
کی حیثیت قمری کے اندھے جیسی مجھے نظر آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا سوائے نچ و خم کے
اب کچھ نہیں۔

زندگی میں تو وہ مفضل سے اُٹھا دیتے تھے دیکھوں اب مر گئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے
فرماتے ہیں۔ زندگی میں وہ مجھے اپنی مفضل سے اُٹھا دیتے تھے اب میں مر گیا ہوں۔ دیکھوں مجھے اب
کون اُٹھاتا ہے۔ اُٹھانے نے دُشمنی پیدا کئے ہیں۔ اول میرا جنازہ کون اُٹھاتا ہے۔ دوسرے
دوبارہ زندہ کر کے کون اُٹھاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی مفضل میں تو مجھے اس دنیا میں

باریابی نصیب نہیں ہوئی لیکن مرنے کے بعد تو میں اُن ہی کی محفل میں ہوں گا اب دیکھتا ہوں وہ مجھے وہاں سے کیسے اٹھائیں گے یعنی نکالیں گے۔ لا محالہ انہیں مجھے اپنی محفل میں ہی رکھنا پڑے گا۔

غزل ۲۱۶

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہر یار کی اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہ گزار کی
فرماتے ہیں۔ شہر یار کے خادموں کی غلاموں کی روندی ہوئی خاک ہے اس لئے اتر رہی ہے۔

جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
فرماتے ہیں۔ موسم بہار میں بادشاہ سیر کو جاتے ہیں تو لوگوں میں بھی لالہ زار کی نمود و نمائش ہونی لازمی امر۔ یعنی سیر باغ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

بھوکے نہیں ہیں سیرگشتاں کے ہم دے کیوں کر نہ کھائے کہ ہوا ہے بہار کی
فرماتے ہیں۔ ہم سیرگشتان کے بھوکے نہیں ہیں لیکن بہار کا موسم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ لہذا ہم گلستان کی ہوا کھانے جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔

غزل ۲۱۷

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

معنی . خواہش پر دم نکلنا = پورے ہونے کے لئے بیتاب ہونا جلدی کرنا .

فرماتے ہیں . زندگی میں بغض نہ قطع نہ بہت خواہشات پوری ہوئیں . پھر بھی جو رہ گئیں وہ تعداد میں ہزاروں ہیں . ہم ان کے لئے کیوں اس قدر مرے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ انسان لالچی اور حریص ہے . بہت کچھ مل جائے پھر بھی اس سے زیادہ کی خواہش کرتا ہے . وہ مل جائے پھر اور غرض جب تک طبیعت میں غنا پیدا نہیں ہوتا یہی حالت رہتی ہے .

ڈرے کیوں میرا قاتل ؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر ؟

وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر لویں دمدم نکلے

فرماتے ہیں . میرے قاتل کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں . میرا خون تو بدن میں رہا ہی نہیں وہ تو سب آنسو بن کر آنکھوں کے راستہ بہہ گیا . قاتل کی گردن پر کیا رہ سکتا ہے .

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن

بہت بے آبرو ہو کر تم سے کوچے سے ہم نکلے

مصرعہ ثانی میں بہتہ کے لفظ پر زور ہے . اس لئے تاکہ آدم کے مقابل میں بے آبروئی کے ساتھ نکلنا ثابت ہو . بے شل شعر کہلے .

’ بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا

اگر اس طرہ پڑ پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

فرماتے ہیں ۔ نیچے جو سب لوگ سر و قامت کہتے ہیں اور تیرا قد دراز سمجھتے ہیں یہ اسی وقت تک ہے جب تک تیری زلفوں کے گھونگر کھلتے نہیں درزان کے کھلنے پر تیری زلفیں اتنی لمبی ہو جائیں گی کہ تیرا قد بہت چھوٹا لگے گا ۔ مطلب یہ ہے کہ تیری زلفیں بہت خوبصورت اور لمبی ہیں ۔ بہت پر لطف شعر ہے ۔

نگر کھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے

ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قسم نکلے

خوب انداز ہے رقیبوں کا پتہ لگانے کا اور رفاہین خطوط سے باخبر رہنے کا ہے ۔ نامہ نویسی سے بہتر اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے ۔ مہر شخص جو کچھ لکھوائے گا اس کا مدعا معلوم ہو جائے گا ۔

ہوئی اس دلا میں منسوب مجھ سے بادہ اشامی

پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے

فرماتے ہیں ۔ گزشتہ زمانہ میں بادہ نوشی کے لئے جمشید اور اس کا جام شہور ہوا ہے جو آج تک لوگوں میں ضرب المثل چلا آتا ہے ۔ اس زمانہ میں حریف جم میں ہوں ۔

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی

وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے

فرماتے ہیں ۔ ہم جن لوگوں سے امید رکھتے تھے کہ آڑے وقت میں وہ ہماری کچھ مدد کریں گے ۔ انے شہد نگار

کہ تو نے اُن کو ہم سے زیادہ کشتہ تیغ ستم کیا ہوا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا

اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے

فرماتے ہیں۔ محبت میں مرنا اور جینا ایک ہی شے کے دو نام ہیں جس کو دیکھ کر ہم زندہ رہنے کی تمنا کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے روح و جسم میں تردد و تازگی آجاتی ہے۔ اُسی کا فریہ ہمارا دم بھی نکلتا ہے۔

ذرا کر زور سینے پر کہ تیرا پرستہ نکلے

جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

فرماتے ہیں اگر ہم خدا در لگا کر اس کے تیر پرستہ کو اپنے سینے سے نکالیں تو ساتھ ہی دل بھی کھینچ کر باہر آجائے گا۔ چونکہ تیر پرستہ گرد گیا ہے اور دل باہر نکل آئے گا تو دم بھی نکل جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق حقیقی کا تیر کبھی دل سے نکل ہی نہیں سکتا اور اگر نکلا تو وہی روحانی موت ہے۔

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ سے اٹھنا ظالم

کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کا فرضہ نکلے

فرماتے ہیں۔ میں نبی خدا کا واسطہ دیتا ہوں کعبہ کا پردہ نہ اٹھانا بہت ممکن ہے ہم جس کے عشق میں مبتلا ہیں۔ وہ ہمارا ضم اس کے اندر ہو۔ بے شل اور حاصل غزل شعر ہے۔

کہاں مے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں داغظ

پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

فرماتے ہیں۔ تعجب خیز بات ہے کہ مے خانہ کے دروازہ سے داغظ کو کوئی تعلق ہو۔ مگر یہیں یہ دیکھ کر

حیرت ہوئی کہ جب ہم سے خانہ سے نکل رہے تھے تو واعظ جارہا تھا۔ قیاس یہی کہنا ہے کہ مے خانہ میں شراب پینے کے لئے جارہا تھا۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ واعظ کو شراب الہی یعنی محبت الہی سے کیا غرض وہ تو اس شراب کا معنی ہی نہیں ہے۔ ہم بروقت وہ شراب پیتے ہیں یا وہ آٹامی کرتے ہیں۔

غزل ۲۱۸

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے

بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

فرماتے ہیں۔ اگر ہم صدا ہو جائیں تو پہاڑ بھی ہمارے بوجھ کو نہ اٹھا سکے گا۔ اور اے شرارِ جستہ تو ہی بتا کہ ہم کیا ہو جائیں گے مطلب یہ ہے کہ اگر ہماری آواز وہ آواز جو درویش کی صدا یعنی التجا ہوتی ہے بچے نہیں وہ درجہ اور وہ مقام حاصل ہو جائے گا جو پہاڑوں کو بھی نصیب نہیں شرارِ جستہ تو ہی بتا کہ بغیر بناوٹ بغیر تصنع کے کہ ہم صدائے زیادہ اور کیا ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ درویش کی طرح اللہ تعالیٰ سے صدا کرنے رہنا چاہیے تاکہ انجام بخیر ہو۔

بیضہ آسانگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس

از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

فرماتے ہیں۔ یہ کنجِ قفس یعنی دنیاوی زندگی اللہ سے کسے خدایا کی مانند ہمارے بال و پر کے لئے روک ہے اس کے ٹوٹتے ہی ہماری دوسری زندگی کا آغاز ہو گا۔ اور وہ زندگی از سر نو ہوگی یعنی اس زندگی کے مانند نہیں ہوگی۔

غزل ۲۱۹

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے

موجِ شرابِ یک مژہ خوابِ ناک ہے

فرماتے ہیں ۔ ساقی کی غفلت شرابوں کی مستی تباہ و برباد کر رہی ہے اور موجِ شراب بھی
یک لخت سوئی پڑی ہے

جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو

جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

فرماتے ہیں دل میں سوائے زخمِ تیغِ ناز کے اور کوئی آرزو نہیں ہے جیبِ خیال یعنی دل وہ بھی
تیرے ہاتھوں نے چاک کر دیا ہے اور جیبِ دل چاک ہو گیا تو وہاں آرزو کیسے رہ سکتی ہے۔

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد

صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

بلتے ہیں تہاں صحرا نے جوشِ جنوں کو اد بڑھا دیا ہے صحرا ہماری آنکھ کے لئے خاک کی جگہ بن گیا
ہے اور جیبِ آنکھ میں خاک کے ذرات آجائیں تو دکھائی کیا خاک دے گا مطلب یہ ہے کہ
جنونِ عشق میں ماسوائے محبوب کے کوئی اور چیز کی کچھ حیثیت نہیں

غزل ۲۲۰

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہِ مبنائی

قیامت کشتہٴ اعلیٰ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

فرماتے ہیں بکشتہٴ لبِ عیسیٰ کی نیند کس قیامت کی نیند ہے کہ لبِ عیسیٰ کا اعجازِ لب بھی اُن کو جگاتا نہیں۔ اُس کے جگانے سے وہ اور گہری نیند میں ہو جاتے ہیں۔ مطالب یہ ہے کہ جو خوابِ غفلت میں پڑے سو رہے ہیں وہ جاگنے کا نام ہی نہیں لیتے حتیٰ کہ خدا کے مامور کی آواز سُنتے ہیں پھر بھی اپنی غفلت دُور نہیں کرتے۔

غزل ۲۲۱

آبدِ سیلاب طوفانِ صدائے آب ہے

نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلیِ جادو سے

فرماتے ہیں۔ طوفانِ صدائے آبِ سیلاب کی نشانی ہے اور آبدِ سیلاب نقشِ پا کو جادو سے مٹانے کے درپے ہے۔ اسی لئے جادو راہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے ہے تا صدائے آب نہ سننے چونکہ وہ وقت اس کی فنا کا ہو گا اور ہر شے کو اپنی فنا کا خوف لاحق ہے

بزمِ وحشت کدو ہے کس کی چشمِ مرست کا؟
شیشے میں منہ پر پری پنہاں ہے موجِ بادو سے

فرماتے ہیں۔ وہ کونسا محبوب ہے جس کی چشم مست نے یکدم کو پران کو دیا اور اب وہاں سوائے دشت کے اور کچھ نہیں۔ اور بروج نزارب شیشے میں چھپا دی گئی ہے۔ گویا پری خوف کھا کر شیشے میں بند ہو گئی ہے۔ یہ شعر بھی تصوف میں ہے۔ مراد معشوق حقیقی ہے۔

غزل ۲۲۲

ہوں میں بھی تماشائی نیزنگ تماشا مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برائے
فرماتے ہیں۔ میں تو نیزنگ تماشا کا تماشائی ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ تماشا کیا رنگ بدلتی ہے اور اس تماشا سے مجھے کچھ لذت حاصل ہوتی بھی ہے اور مراد پردی ہوتی بھی ہے یا نہیں کچھ سرکار نہیں۔

غزل ۲۲۳

سیاہی جیسے گر جلے دم تحریر کاغذ پر

مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ٹائے بحر کی
فرماتے ہیں۔ میرے نوشتہ تقدیر کو شب بحر کی تصویر ہے شب ٹائے بحر کی
سیاہی کاغذ پر گر کر لفظوں کو ڈھانک دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شبِ فراں نے میری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو برباد کر دیا۔ اب میں سولے نالہ و نفاں کے کیا کر سکتا ہوں۔

غزل ۲۲۴

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یکِ افلاں ہے

خوشی - ریشہ صد نیتاں سے بنداں ہے

فرماتے ہیں ۔ باہودِ ہجومِ نالہ کے حیرت نے عرضِ افلاں سے عاجز کر دیا ہے ۔ گویا خاموشی دے غمتوں
جس میں صد با بانسریاں ہیں خس بنداں کیا ہوا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود قوتِ گویائی کے
ہم باز عشقِ فاش نہیں کرنا چاہتے ۔ اسی وجہ سے ہمارے لب سے ہوئے ہیں ۔

تکلفِ برطرف ہے جاں ستاں تو بلفِ بدخویاں

نگاہِ بے حجابِ نازِ تیغِ تیزِ عریاں ہے

فرماتے ہیں ۔ تکلفِ برطرف ، محبوبوں کا لطفِ دکرِ اُن کے جو دستم سے زیادہ مہلک اور جان لیوا
ہے یعنی جب ان کی نگاہِ نازِ بے حجاب ہو جائے تو تیغِ تیزِ میان سے باہر ہو کر قتل کرتی ہے
اور اپنا رنگ دکھائی ہے ۔

ہوئی یہ اکثرِ غم سے تلفِ کیفیتِ شادی

کہ صبحِ عیدِ مجھ کو بدتر از چاکِ گرمیاں ہے

فرماتے ہیں ۔ کثرتِ غم سے شادی کی ساری خوشی اور اس کی لذتِ خاک میں مل گئی ہیں ۔ میری نگاہ میں صبح
گرمیاں کے چاک ہونے سے زیادہ بدتر اور منحوس ہے ۔

دل و دیں نقد لاساقتی سے گر سودا کیا چاہے

کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے

معنی دست گرداں۔ اس شے کو کہتے ہیں جو نقد قیمت پر بکھتی ہے۔

فرماتے ہیں۔ اگر ساقی سے خانہٴ عشق سے شرابِ محبت کا سودا کرنا ہے تو دل و دیں کو نقد دے کر سودا

کرے۔ اس بازار میں یعنی بازارِ عشق میں شرابِ محبت کی قیمت نقد وصول کی جاتی ہے۔

نغمِ آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو

چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

فرماتے ہیں۔ نغمِ عشقِ آغوشِ بلا میں عاشق کی پرورش کرتا ہے۔ ہولے چراغِ کجہ جاتا ہے لیکن طوفان

آبِ دریا میں مرجاں کا چراغ نہیں بجھاتا۔ اسی طرح عاشق کا چراغ بھی بادِ صرصر کے طوفان

میں روشن رہتا ہے۔

غزل ۲۲۵

خمشوں میں تماشا ادا نکلتی ہے نگاہِ دل سے تری سُر سنا نکلتی ہے

فرماتے ہیں۔ تیری خاموشیوں میں ایک اعلیٰ اظہار ہوتی ہے۔ گویا نگاہِ دل تری سر سنا نکلتی ہے

یعنی آواز ہوتی ہے مگر کانوں سے سنائی نہیں دیتی۔

فتارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچے کے پڑے ہیں جا نکلتی ہے

فرماتے ہیں۔ صبا اگر خلوتِ غنچہ میں پھلی جاتی ہے تو غنچہ اُسے اپنی آغوش میں لے کر خوب دباتا ہے
اور صبا پھر شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے۔ نرا الا خیال ہے۔

نہ پوچھ سیتے عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے
فرماتے ہیں۔ دل عاشق سے تیغِ نگاہ کی آباری کا حال نہ پوچھ۔ اُن کے زخموں کے مددلوں سے
ہوا نکلتی ہے یعنی بے حد مہلک زخم ہیں۔

غزل ۲۲۶

جس بانسیم شانِ کاشِ زلفِ یار ہے نافِ دماغِ آہوئے دشتِ تار ہے
فرماتے ہیں۔ جس جگہ جس ملک میں نسیم زلفِ یار کی خوشبو پھیلا دیتی ہے۔ وہاں آہوئے دشتِ تار کا
کا دماغ بھی مشک ناف ہو جاتا ہے۔

مطلب اس شعر کا اہل تصوف کے نزدیک یہ ہو گا کہ جس سرزمین میں محبوبِ حقیقی کی زلف کی خوشبو
نسیم پھیلا دیتی ہے۔ وہاں لوگوں کے دماغ بھی ترقی کر کے صاف ستھرے پاک ہو جاتے
ہیں اور وہ تمام اچھی باتیں سوچنے اور سمجھنے لگتے ہیں۔

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو؟ اے خدا! آئینہ فرشِ شش جہت انتظار ہے
فرماتے ہیں۔ اے خدا حیرت کو کس کے جلوے کی تلاش ہے کہ اس نے شش جہت انتظار کو آئینہ بند
کر دیا ہے۔ تاکہ کہیں نہ کہیں تو اس کا جلوہ نظر آجائے۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا میری حیرت
خیمہ ہی ڈھونڈ رہی ہے اور تجھے آئینہ عالم یعنی کائنات میں دیکھ رہی ہے۔

بے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق گر دام یہ ہے وسعتِ بحرِ اشکار ہے
 فرماتے ہیں۔ جبکہ تنگی کی وجہ سے اس عالم کا ذرہ ذرہ غبارِ شوق بن گیا ہے اور بیت سے ذرے پریشان
 ہو کر دام بن گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وسعتِ بحرِ اشکار اس دام میں گرفتار ہو گئی ہے مطلب
 یہ ہے کہ غبارِ شوق نے بحرِ اشکار پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ نظارہ کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
 فرماتے ہیں۔ دل نے آنکھوں کے خلاف عدالتِ عشق میں دعویٰ دائر کیا ہے کہ آنکھوں کی نظارہ بازی
 کی وجہ سے میں بتلائے رنج و ملال ہوں میری داد رسی ہونی لازم ہے۔

چھڑکے شبنم آئینہ برگ گل پر آب اے عزیزِ لب! وقتِ وداعِ بہار ہے
 اس شعر میں ایران کی پرانی رسم کا بیان ہے۔ وہاں جانے والے مسافر کی پشت پر آئینہ
 رکھ کر پانی چھڑکتے تھے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ خیر و عافیت عزت و آبرو کے ساتھ اور صحیح
 سلامت واپس آؤ۔ فرماتے ہیں شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی ہے۔ مطلب یہ ہے
 کہ اے بلبلِ وداعِ بہار کا وقت آگیا ہے۔ اب جاؤ اور خیریت سے واپس آنا۔

پنچ آڑھی ہے وعدہ دلدار کی مجھے وہ آئے یا نہ آئے یاں انتظار ہے
 فرماتے ہیں۔ میں تو اپنے وعدہ کو نباہتا ہوں۔ ہم نے کہا ہے کہ ہم انتظار کریں گے۔ یعنی محبوب سے
 جو آنے کا وعدہ لیا ہے۔ وہ وعدہ فراموش ہے تو ہو۔ آئے یا نہ آئے۔ ہم تو رات بھر
 انتظار کریں گے۔

بے پردہ سونے وادی مجنوں گزر نہ کر ہر فتنے کے نقاب میں دل بے قرار ہے
 فرماتے ہیں۔ وادی مجنوں کا درہ درہ دل بیتاب لئے ہوئے ہے۔ مجھے ایسی جگہ پر بے پردہ سفر
 نہیں کرنا چاہیئے، یعنی استغاثان الہی کی وادی کا درہ درہ دل بیتاب لئے ہوئے ہے کہ وہ اپنے محبوب کا
 دیدار کرے۔

اے عندلیب یک کف خس بہر اشیاں طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
 فرماتے ہیں۔ اے سبیل دو چار تنکے لئے کر اپنا آسٹھیاں بنائے در نہ آمد فصل بہار کا طوفان آنے والا
 ہے تجھے کوئی سوکھے تنکے نہ ملیں گے۔ چونکہ فصل بہار ہر تنکے کو سرسبز کر دے گی۔

دل مت گنوا خیر نہ سہی سیر ہی سہی اے بے دماغ آئینہ تمثالِ دار ہے
 فرماتے ہیں۔ دل مت چھوڑ، ہمت کر نگارہ۔ اگر تو معرفتِ الہی سے پوری طرح باخبر نہ ہو کوئی بات
 نہیں۔ تجھے لطف سیر تو ملے گا۔ اے بے دماغ دل میں تیرے کتنے بت اور ان کی تصاویر بھری
 پڑی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دل اگر پوری طرح موعود نہ بنا تو نہ سہی کچھ تو حید کی طرف آہی
 جائے گا۔

غفلت کفیلِ عمر و اسدِ ضامنِ نشاط اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے
 فرماتے ہیں۔ اے اسد تیری کفیل غفلت ہوئی ہے۔ اور تو نے عمر بھر کی نشاط کی ضمانت رکھی ہے
 یعنی ہمیشہ ہی راحت و آرام، عیش و عشرت میں ہی زندگی گزارے گا۔ تو موت کو یکسر محول گیا
 ہے۔ لیکن ایک دن ناگہانی موت آجائے گی۔ اے مرگ جب آنا ہی ہے تو پھر تجھے کیا پس نہیں
 ہے آجا۔

غزل ۲۲۷

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
 فرماتے ہیں۔ میں کیوں نہ آئینہ کو دوں رکھ دوں کہ لوگ تیرے ظل کو دیکھ سکیں اور مجھ کو تماشا ہو جائیں۔ تیرے
 جیسا تو کوئی دوسرا حسین و خوبصورت ہے نہیں۔ یہ شعر حمد میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا والے تجھ
 کو تو دیکھ نہیں سکتے مگر آئینہ میں تیری صفات کو دیکھ سکتے ہیں۔ اگر تجھ جیسا کوئی اور ہو تا تو ہم کہہ
 سکتے تھے کہ محبوب حقیقی اس بگم ہے مگر جبکہ تیرے جیسا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں تو آئینہ عالم کو
 دیکھ کر تیرا دیدار ہو جائے گا۔ اس قبیل کا ایک شعر جناب سلیم شاہ جہانپوری کا بھی ہے فرماتے ہیں :-
 آئینہ دار جلوہ نظرت ہے کائنات
 کتنی حسین نقاب ہے رخ پر پڑی ہوئی
 یا ناز بریلوی کا یہ شعر بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔۔
 تیری خود نمائی کا آئینہ میں ہوں
 مجھی میں تجھے دیکھتا ہے زمانہ
 ”مجھی میں“ سے مراد محبوب کبریا علیہ وسلم ہیں جو صفات باری کا اتم و اکرم و
 اعلیٰ نمونہ ہیں۔

حسرت نہ لار کھاتری بزم خیال میں گلہ شدہ نگاہ سوید اکہیں جسے
 فرماتے ہیں۔ حسرت نہ میرے دل میں جو کہ اصل میں تیری بزم خیال ہے کہ سویداء دل حسرت جبری نگاہوں
 کا پیدا کیا موا گلہ شدہ ہے۔ تیری یاد سے میرا دل راحت و آرام حاصل کرتا ہے جیسے لوگ

سیرِ باغ میں فرحت پاتے ہیں۔

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اسے خدا افسوں انتظار اتنا کہیں جسے
فرماتے ہیں۔ اسے خدا محبت کے کان میں کس نے انتظار کا جادو پھونکا ہے کہ جس کو تنہا کہتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ گوشِ محبت میں یہ تنہا ہے کہ وہ تجھے دیکھیں، تجھ تک پہنچ جائیں، کسی نے تیرا
میںا بنایا، کسی نے تجھے ادا مان کے روپ میں دیکھا، کسی نے خیالی بُت بنا کر سامنے رکھتے، اسی لیے
سب کے دل میں تڑپ ہے اور سب کو انتظار بھی ہے اور تنہا بھی۔

سر پر نجوم درد غریبی سے ڈالیے وہ ایک مشتِ خاک کہ صحر اکہیں جسے
فرماتے ہیں۔ غربت کی تکلیفوں نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے جی چاہتا ہے کہ تمام صحر اکو اٹھا کر اپنے سر
پر ڈال لوں۔ جو میری نظر میں ایک مشتِ خاک سے زیادہ نہیں، مطلب یہ کہ جب وطن سے بے وطن
ہو گئے تو پھر کیا اگر در بدر مارے پھرتے رہیں۔

ہے چشمِ تریں حسرتِ دیدار سے نہاں شوقِ عذاب گینتہ، دریا کہیں جسے
معنی۔ عذاب گینتہ = ٹوٹی ہوئی گلام گھوڑے کی۔ مراد بے تاب گھوڑا۔
فرماتے ہیں، میری چشمِ تریں دیدار کی حسرت پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے افسوں کا یہ حال ہے جیسے
کسی کا گھوڑا بے گلام ہو جائے یعنی بند ٹوٹ کر ہر طرف سیلاب آجائے مطلب یہ ہے کہ میری چشمِ تریں
کا شوقِ عذاب گینتہ گھوڑے کی مانند ہے کہ دریا کی روانی کی طرح بہتا چلا جائے۔

درکار ہے شگفتنِ گلِ ہائے عیش کو صبح بہار، پنبہ مینا کہیں جسے
فرماتے ہیں۔ جہیں معمولی قسم کی بہار درکار نہیں ہے بلکہ ایسی عیش و نشاط کی بہار چاہیے جس کی صبح بہار

پنہ مینا ہو وہی اصل گلشنِ نشاط و عیش ہے ۔

غالب بڑا نہ مان جو واعظ بڑا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جے
فرماتے ہیں ۔ اے غالب بڑا نہ مانا اگر واعظ تجھ کو زندہ سمجھ کر بڑا کہتا ہے یہ تو دستور ہے کہ کوئی بڑا کہلاتا
ہے کوئی اچھا ساری دنیا نہ کسی کو اچھا کہتی ہے نہ کسی کو بڑا ۔ اگر دس آدمی کسی کو اچھا کہتے
ہیں تو ایک بڑا بھی کہتا ہے ۔

غزل ۲۲۸

شبِ بنم بگلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے داغِ دلِ بے دردِ نظر گاہِ حیا ہے
فرماتے ہیں ۔ لالہ کے پھول پر جو شبِ بنم کے قطرے دکھائی دیتے ہیں ۔ دراصل وہ ناز و ادا سے خالی نہیں
ہیں بلکہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ دل پر داغ تو بے شک ہے لیکن درد و سوز نہیں ہے
اس لئے یہ بوندیں عرقِ انفصال کا کام دے رہی ہیں یعنی لالہ کو شرم سے پسینہ آیا ہوا ہے ۔

دلِ خوں شدہ کشمکشِ حسرتِ دیدار آئینہ بہ دستِ بتِ بدستِ خا ہے
فرماتے ہیں ۔ حسرت کی کشمکش نے دل کو خون کر دیا ہے اب گویا وہ ایک آئینہ بہ دستِ محبوب کے
پاس ہے جو ہندی لگانے کے ثوق میں دیوانہ ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کو ہمارے دل کا
قدر نہیں ہے ۔

شعلے سے نہ ہوتی ، ہوسِ شعلہ نے جو کی جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

فرماتے ہیں۔ شعلہ عشق سے جو نہ ہو سکا وہ ہو کس شعلہ نے کر دکھایا۔ چلیئے تو یہ تھا کہ شعلہ عشق خوب
بھڑکتا اور دل کو بلا کر خاک کر دیتا۔ لیکن اس ناکامی عشق پر ہمارا جی بل گیا اور خاک ہو گیا۔

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ لبہ شوق آئینہ بہ اندازِ گل آغوش گشت ہے
فرماتے ہیں۔ تیری تصویر بھی شوخی و آدائیں کم نہیں ہے۔ جب اس کو شیشہ میں لگایا گیا تو وہ پھول کی
مانند شوق ہم آغوشی میں آغوش گشت ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ تیری تصویر ہمارے شیشہ دل میں جب
بڑی گئی تو دل ٹوٹ گیا۔ کیونکہ دل اس کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا۔ اور ہمارے دل کو توڑنا
تیری تصویر کی شوخی تھی۔

قری کف خاکسترو بسل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
فرماتے ہیں قری جو ایک مثبت خاک سے زیادہ ہستی نہیں رکھتی اور بے جا ایک قفسِ رنگ سے زیادہ
حقیقت کی مالک نہیں۔ ان کے بولنے اور چپکنے کی وجہ سے انہیں دنیا جان گئی۔ گویا جگر سوختہ جو
عشق کا نشان ہے (نغمہ) انہیں بل گیا۔

خونے تری افسردہ کیا دشتِ دل کو معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
فرماتے ہیں تیرے تغافل نے میری دشتِ دل کو یعنی ذوق و شوق کو افسردہ کر دیا یعنی کم کر دیا ہے
محبوب کو ایسا کم حوصلہ ہونا نہیں چاہیئے چونکہ یہ عاشق کے لئے ایک بلا کی مانند ہے۔

مجبوری و دحوالے گرفتاری الفت دستِ ترسنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے
فرماتے ہیں۔ عشق بے اختیاری و مجبوری کا شے ہے۔ یعنی عشق کیا نہیں جاتا بلکہ ہو جاتا ہے۔ عشق ہو
جانے پر گرفتاری و مجبوری الفت کا دعویٰ کرنا ایسا ہی جیسے کسی کا ہاتھ پتھر کے نیچے دب جائے اور

وہ کہے کہ میں نے اس پتھر کے ساتھ چپاں دغا باندھا ہوا ہے ۔

معلوم ہوا حال شہیدانِ گزشتہ تیغِ ستم آئینہ تصویرِ نما ہے
فرماتے ہیں : تیری تیغِ ستم آئینہ تصویرِ نما ہے ۔ لہذا ہمیں شہیدانِ گزشتہ کے حالات سے واقفیت ہو
گئی کہ تو نے اُن کے گلے کس طرح کاٹے اور انہیں قتل کیا ہے ۔ آج جس طرح تو ہم پر تلوار سونتے
ہوئے ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ عشق نے جو اُس کی لگی میں آگیا اُس کو قتل کر کے دم لیا ہے

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاباں ! ادھر بھی سائے کی طرح ہم پر عجب وقت پڑا ہے
فرماتے ہیں : اے آفتابِ حقیقت تیرے نور اور تیری روشنی نے ایک جہاں کو منور کیا ہوا ہے ۔ لیکن ہماری
طرف بھی نظر غایت کر ۔ ہم بھی سایہ کی طرح اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں جبکہ ہماری
کوئی حقیقت ہی نہیں ۔ جب روشنی آتی ہے تو سایہ فاش ہو جاتا ہے ۔ اے ہمارے آفتاب
حقیقت ہم پر بھی چمک تاکہ ہم بھی تیری روشنی میں اپنا وجود دکھو جھیں ۔

ناگوار گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب ! اگر ان گوار گناہوں کی سزا ہے
فرماتے ہیں : یارب تیرا قانون ہے تیری سنت ہے کہ جب تک فعلِ بد کوئی کر نہیں لیتا اس وقت تک
وہ گناہ نہیں کھا جائے گا مگر کس کے برعکس نیک خیالوں کی بھی جزا تو دے گا ۔ تو اے خداوند
گناہوں کی سزا ہے تو جو گناہ میں نہ کر سکا ۔ تیرے خوف سے یا کسی وجہ سے اُن کی حسرت ہے
لہذا ان کی داد ملنی چاہیئے ۔ مطلب یہ ہے کہ ان حسرتوں کی جزا ملنی چاہیئے جو میرے دل میں تھیں
لیکن عمل میں نہ آسکیں کیونکہ یہی تیری سنت ہے ۔

بیگانگیِ مطلق سے بے دل نہ ہو غالب کوئی نہیں تیرا ۔ تو مری جان ، خدا ہے

فرماتے ہیں۔ اے غالب لوگوں نے تجھے بہنا دیا ہے۔ تیری طرف توجہ نہیں کرتے نہ سہی۔ اگر اس دیباہ میں تیرا کوئی نہیں تو میری جان تیرا خدا تو ہے۔ حاصل غزل ہے

غزل ۲۲۹

منظور تھی یہ شکل تجبلی کو نور کی قسمت کھلی تیرے قد و رخ سے ظہور کی
یہ اعتیہ شعر ہے۔ تجلی الہی نے ایک ایسے وجود کو پیدا کرنے کا فیصلہ ازل سے کر رکھا تھا جو ہمارے
آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تیری ذات میں ظاہر ہوا۔ صرف تجھے ہی کو
تمام صفات الہی کا کامل ظہر دینا ہے، کیجا۔ اگر تجھے پیدا نہ کیا جاتا تو پھر ہم اپنے خالق کا چہرہ
کیسے دیکھتے۔ تیرے ہی بابرکت نورانی وجود سے ظہور الہی کی قسمت کھل گئی۔ تیرے ہی قدر رخ
نے پوری طرح تجلی کر کے بنی نوع انسان کو خدا کا چہرہ دکھایا ہے کیونکہ تو اپنی سیرت کے لحاظ
سے خدا نما وجود ہے۔

اک خوشچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پتھر کی
فرماتے ہیں۔ عاشقانِ الہی جو زندگی اور موت میں خدا کے ہو جاتے ہیں اور اپنی دنیاوی زندگی
کو زندانِ خداوندی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ ان کا خوشچکاں کفن یعنی ان کی مسائب و آلام
سے بھری ہوئی زندگی جس میں کروڑوں حسین پہلو ہوتے ہیں آسمانی مخلوق اُن کو خراج تحسین پیش
کرتی ہے۔

داعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو کیا بات ہے تمہاری شرابِ ظہور کی

فرماتے ہیں۔ اے واعظ! تم خود پی سکتے ہو اور نہ کسی کو پلانے کی اہلیت رکھتے ہو اور تعریف بے حد کرتے ہو۔ معصوم ہوتا ہے کہ تمہاری شراب ظہور صرف باتیں بنانے کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبتِ الہی کی شراب نہ تم نے کبھی پی ہے اور نہ کسی کو پلائی ہے۔ یعنی نہ تم خود نیک ہو اور نہ کسی کو نیک بنا سکتے ہو یا نہ تم خود متقی ہو نہ کسی اور کو اپنے وعظوں سے متقی بنا سکتے ہو۔ یہ شراب ظہور تمہارا زبانی جمع غریب ہے۔

لڑتا ہے مجھ سے شرم میں قاتل کہ کیوں اٹھا گویا ابھی سُنی نہیں آوازِ صُور کی فرماتے ہیں۔ میرا قاتل مجھ سے شر کے دن جھگڑتا ہے کہ میں نے تجھے مارا، میرے اٹھانے سے ہی اٹھا بغیر میرے اٹھائے کیوں اٹھ گیا۔ شاید اس نے ابھی تک صُور کی آواز نہیں سُنی، مطلب یہ ہے کہ جب دنیا قیامت (مغربی) یعنی منہ کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کسی کو صُور پھونکنے والے کو چُن لیتا ہے یعنی مامورِ من اللہ۔ جو صُور میں نیکی کی آواز پھونکتا ہے جو روحانی طور پر زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ اُس وقت وہ قاتل جو سب آدم کا خون کئے ہوتے ہیں۔ یعنی بُرائی میں ملوث ہوتے ہیں وہ اُن لوگوں سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے صُور کی آواز سن کر لیکھا کہ اہوا ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

آمد بہار کی ہے جو بیل ہے نغمہ سنج اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی یہ شعر بھی حقیقت اور مجاز دونوں پر یکساں چسپاں ہوتا ہے بلکہ مجاز کی نسبت حقیقت پر زیادہ۔ فرماتے ہیں بیل کی نغمہ سنجی بلا سبب نہیں ہے بہار آنے والی ہے اور میں نے یہ بات طیور کی زبانی سُنی ہے حقیقت پر یہ شعر اس طرح چسپاں نظر آتا ہے کہ بہار اسلام کا زمانہ آنے والا ہے اور مجھے اس کا احساس مختلف بیلوں کی نغمہ سنجی کی وجہ سے ہوا اور خبر میں نے عام لوگوں سے نہیں بلکہ اُن لوگوں کی زبانی سُنی ہے جو طیور ہیں یعنی جن کی اڑانِ بحرِ شمس تک ہے۔ خدا تعالیٰ کے نیک بندے۔

گو واں نہیں پر واں کے نکالے ہوئے تو ہیں کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت کے دور کی فرماتے ہیں۔ اب تو نہیں مگر پہلے خانہ کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے جو وہاں سے نکال دیئے گئے اس لئے ان بتوں کو کچھ نہ کچھ نسبت تو ہے گو دور کی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے بت بنائے ہیں گو انہوں نے یہ کام غلط کیا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ کس کے لئے اور کس کی محبت میں ایسا کیا ہے اور وہ محبت الہی ہے جو پس پر وہ کام کر رہی ہے۔ لہذا نسبت ہے مگر دور کی جس کا فائدہ نہیں۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی فوطے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر فرض نہیں کی کہ سب کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح لون قرانی کہہ دیں۔ آؤ ہم گوشش کریں شاید ہمیں جواب نفی میں نہیں بلکہ اثبات میں ملے۔ اور ہم دیدار الہی سے مستغنی ہوں۔ سیر لفظ بمعنی گوشش استعمال ہوا ہے۔

گرمی سہی کلام میں۔ لیکن نہ اس قدر کی جس سے بات اس نئے شکایت ضرور کی فرماتے ہیں۔ وعظ و نصیحت والی باتیں پیار محبت والی زبان میں ہونی چاہئیں نہ کہ شعلہ بیانی اور حکم رکھنے والی زبان میں۔ آج یہ واعظ جس سے ہمیں بات کرتا ہے وہ شکایت کرتا ہے کہ اس کی باتوں پر کوئی کان نہیں دھرتا۔ اس شعر میں موجودہ زمانے کے ملاؤں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

غالب اگر سفر میں مجھے ساتھ لئے ملیں حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی فرماتے ہیں۔ بادشاہ ظفر جی کا ارادہ کر رہے تھے۔ غالب میاں نے کہا اشتیاق کا اظہار کیا ہے اور انت یہ ملتے ہیں کہ حج کا ثواب حضور کی نذر کروں گا۔ بات صاف ہے جو کہ توفی طبع میں کہی گئی ہے۔ نیکی کہنے والے اور کرانے والے دونوں کو ثواب ملتا ہے۔

غزل ۲۳۰

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے یہ رنج کہ کم ہے غمِ کُفّام بہت ہے
فرماتے ہیں - رنج و غم کی برداشتِ دلِ ناکام میں بالکل نہیں رہی۔ کوئی خاص وجہ رنج و غم کی نہ تھی مگر اس کو
یہ رنج لاحق ہو جاتا ہے کہ غمِ کُفّام آج تھوڑی سی ہے جس سے نشہ پورا ہونا مشکل ہے۔

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ بے یوں کہ مجھے دردِ تیر جاں بہت ہے
فرماتے ہیں - مجھے اس قدر فضاہت ہے کہ شرب کی تلچھٹ بھی میرے لئے بہت ہے مگر ساقی سے یہ بات
کہنے ہوئے حیا آتی ہے کہ - اس قدر کم حوصلہ انسان ہے۔

تیر کماں میں ہے نہ صیاد کس میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
فرماتے ہیں - میں ایک گمنام اور مجبور و معذور انسان ایک گوشے میں پڑا ہوا ہوں۔ نہ سیاست کے تعلق
نہ کسی اور مارت سے ایسی حالت میں میرا دشمن اور بدخواہ کوئی نہیں ہے۔ اس لئے نہ میرے
لئے کسی نے تیر کمان میں چڑھا رکھا ہے نہ میری کوئی گھات میں ہے لہذا اس کینہ قفس میں مجھے
آرام ہی آرام ہے۔

کیا زبد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے
فرماتے ہیں - زہد و تقویٰ وہ نہیں جو کسی لالچ میں کیا جائے بلکہ عمل وہ ہے جو خالص اللہ کی فرمانبرداری
اور محبت میں کیا جائے۔ میں اسی کو زہد و تقویٰ سمجھتا ہوں۔ اور شاید اسی خیال کی وجہ سے خود کو

ہیں اہل خرد کس روشِ خاص پہ نازاں پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے
 فرماتے ہیں۔ اہل خرد کون سی خاص روش پہ نازاں ہیں یہ بھی عام لوگوں کی طرف راہ و رسم کے
 بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر کسی رسم کو بڑا بھی جانتے ہیں تو پھر بھی معاشرے کے دباؤ میں
 کمر کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دانشور گرد و کھل کر لوگوں کو بتاتے کہ یہ رسم و رہ تو دے فائدہ
 اور فائدہ نہیں مولا ہیں۔

زرمزہ ہی پر چھوڑ دو مجھے کیا طوفِ حرم سے؟ آلودہ یہ مے جامہٴ احرام بہت ہے
 فرماتے ہیں۔ مجھے چاہو زرمزہ پر ہی چھوڑ دو تاکہ میں اپنے جامہٴ احرام پر سے خراب کے دجے دھو لوں۔
 طواف سے مجھے کیا فائدہ ہو گا جب احرام ہی ناپاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طواف کعبہ یا حج
 کا کسی کو کیا فائدہ اگر جامہٴ تقویٰ گندہ و ناپاک ہے تو لازم ہے کہ وہ پہلے لباسِ تقویٰ
 پہنے اپنی نیت کو ماف کرے پھر وہاں جانے کا فائدہ ہے۔ بغیر ندامت اور لباسِ تقویٰ کے
 طواف کعبہ کسی کو خاص فائدہ نہ دے گا۔

ہے تہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 فرماتے ہیں۔ کہ ادھر ان کو میری خواہش پوری کرنے سے انکار نہیں اور مجھے اس پر اصرار ہے۔ اگر ایسی حالت
 میں بھی بات نہ بنے تو یہ بڑی بد نصیبی کی بات ہوگی۔

خول ہو کے جگر آنکھ سے پرکا نہیں اے مرگ رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
 فرماتے ہیں۔ اے اہل زہد مجھے کچھ مہلت اور دیدے تاکہ میں جگر کے ٹکڑے کروں پھر ان ٹکڑوں کو خون

میں تبدیل کر کے آنسوؤں کے ندیہ اپنے دامن پر گل کاری کر دیں۔ ابھی ابتداءئے عشق ہے مجھے
اپنے عشق کو منزل تک پہنچانا ہے۔ اور یہ کام ابھی بہت دقت چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمان
کی خواہشات کی انتہا نہیں۔ مرتے دم تک انبار لگا رہتا ہے اور مرگ ناگہانی آجاتی ہے اور انسان
کفِ افسوس ملتا ہوا اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بدنام بہت ہے
فرماتے ہیں۔ کیا ایسا بھی کوئی انسان ہے جو سارے ہندوستان میں غائب کر جاتا پہچانتا نہ ہو۔ وہ شاعر
تو بہت اونچے درجہ کا ہے۔ لیکن لوگوں نے ابھی تک اس کی قدر نہیں کی۔ کیونکہ وہ اس کے کلام
کی کنہ کو نہیں سمجھتے اور اسے فنونِ گہر سمجھ کر بدنام کرتے ہیں یا وہ اپنی میکشی اور شاہد پرستی کی وجہ
سے بدنام ہے اور اس رنگ میں بھی وہ لوگوں میں مشہور ہے۔ تصوف نے اعتبار سے معنی یہ ہیں کہ میں
ابھی تک توبہ و استغفار کر کے جگر کو خون نہ کر سکا۔ لہذا اے مرگ ناگہان مجھے کچھ دنِ ندامت کے آنسو بہا لیٹے۔

غزل ۲۳۱

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے جوشِ قدم سے بزمِ چراغاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ عرصہ ہو گیا یار کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اور شراب بھر کر پیوں میں مہمان کے آگے نہیں رکھی تا
بزمِ چراغاں کا نطف حاصل ہو۔ یعنی ہر جام ایک ایک چراغ کا کام دے۔

کہتا ہوں جمع بھر جگرِ لختِ لخت کو عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ پارہ ہا۔ نے جگر کو جو شمشیر ہو گئے تھے دوبارہ اُن کو جمع کر رہا ہوں تا مژگاں یار کو موقع ملے کہ
وہ اپنے لشروں اور نیزوں کو دعوتِ مژگاں میں کام پر لٹائے۔

پھر وضع احتیاط سے رکھنے لگا ہے دم بڑوں ہونے میں چاک گریباں کیے ہوئے
 فرماتے ہیں۔ ضبطِ جنونِ عشق سے دم گھٹنے لگا ہے کیونکہ ہم نے عرصہ سے اپنا گریبان چاک نہیں کیا۔
 مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق کو دل میں دفن کئے ہوئے ہیں اور یہ کام اتنا مشکل ہے کہ دم گھٹنے لگتا
 ہے کبھی تو سانس لینا ہی محال ہو جاتا ہے۔

پھر گرم نالہ ہائے شررِ یار ہے نفس مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے
 فرماتے ہیں۔ پھر جی پاتا ہے کہ پہلے کی طرح میرے نالوں سے آگ بر سے۔ مدت ہو گئی ہے کہ چراغاں
 کا یہ تماشا نہیں دیکھا۔

پھر پریش جراحِ دل کو چلا ہے عشق سامانِ صدمہ زانمکِ داں کیے ہوئے
 فرماتے ہیں۔ عشق زخمِ دل کا حال پال پوچھنے کے لئے نکلا مگر اپنے ساتھ لاکھوں نمکِ دان لئے ہوئے
 ہے تازِ خیمِ دل پر خوب نمک چھڑک سکے۔

پھر بھر رہا ہے خامہِ مژگاں بخونِ دل سازِ چین طرازِ مٹی داماں کیے ہوئے
 فرماتے ہیں۔ خامہِ مژگاں دل کے خون میں خوب ڈوب رہا ہے تا میرے دامن پر گل کاریاں ہوں۔
 مطلب یہ ہے کہ میں فراقِ یار میں خون کے آنسوؤں سے اپنے دامن پر گل کاریاں کر رہا ہوں۔

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب نظارہ خیال کا سماں کئے ہوئے
 فرماتے ہیں۔ دل و دیدہ پھر سے ایک دوسرے کے رقیب بن گئے ہیں دل نے جہاں یار کی خیالی تصویر
 کھینچی ہے اور آنکھ نے نظارہ رومے نگار کی خواہش کی ہے۔ دونوں میں ہی کشمکش ہے کب پہلے

کون اپنی مراد پاتا ہے

دل پھر طوافِ کوٹے طاعت کو جاتے ہے پندار کا صنم کدہ دیراں کئے ہوئے
فرماتے ہیں ۔ پھر دل کو چھ طاعت کو جانا چاہتا ہے تاکہ کبتر و غرور کا بت کدہ توڑ ڈالے ۔

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب عرض متاعِ عقل و دل دجاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں ۔ پھر ہمارا شوق کسی خریدار محبوب کی تلاش میں ہے ۔ اسی لیے شوق نے متاعِ عقل و دل
کی دکان سجائی ہے مطلب یہ ہے کہ پھر کوئی محبوب خریدار آئے اور ہماری دل دجاں کا اپنے
حسن سے سودا کر لے ۔

دورے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال صد گلستاں نگاہ کا سامان کئے ہوئے
فرماتے ہیں ۔ پھر خیال گل و لالہ یعنی حسینوں کی جانب دوڑنے لگا ہے ۔ نگاہ میں سینکڑوں گلستاں کا
سامان لئے ہوئے ۔

پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا جاں نذر دل فریبی عنوان کئے ہوئے
فرماتے ہیں ۔ پھر دل چاہتا ہے کہ کسی دلدار کا خط ہمارے نام آئے ۔ تقاضا پر ہمارا نام و پتہ لکھا ہوا اس
کے عنوان دل کو موہ لینے والے ہوں اور پھر ہم اپنی جان نذر کر دیں ۔

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس زلفِ سیاہ رخ پریشاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں ۔ دل میں یہ آرزو پھر پیدا ہوتی ہے کہ کوئی محبوب اپنی کالی زلفیں اپنے رخ پر پریشاں کر کے
زین کو تھمے دیکھتا ہوں ۔

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو سرسبز سے تیز دشنہ مڑگاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ دل چاہتا ہے پھر کوئی محبوب میرے مقابل مڑگاں کی چھری سرسبز سے تیز کئے ہوئے میرے
پاس آئے۔

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے۔
فرماتے ہیں۔ پھر اک نو بہارِ ناز کو میری نظر تاک رہی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ حسین چہرہ فروغِ مے سے
گلستاں کے پھولوں کی طرح رنگین اور بہکتا ہوا ہو۔

پھر جی میں۔ ہے کہ درپہ کسی کے پڑے رہیں سرسبز بار منتِ دریاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ پھر یہ خواہش دل میں سراپت کر گئی ہے کہ ہم کسی حسین کے دروازہ پر دریاں کا احسان لیتے
ہوئے سر اس احسان سے جھکائے ہوئے پڑے رہیں۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصتِ رات دن بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ پھر جی چاہتا ہے کہ عہدِ جوانی جو گزر گیا ہے میں فرصت ہی فرصت قہری میں پھر نصیب ہو جائے
اور ہم رات دن تصورِ جاناں کئے بیٹھے رہیں۔ رات کو زلفوں اور دن کو چہرے سے تشبیہ دی ہے

غالب ہمیں زچہ پیر کہ پھر خوش اشک سے بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے
فرماتے ہیں۔ اے غالب تو ہمیں زچہ پیر کہ ہم پھر خوش اشک سے طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے بیٹھے
ہیں۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

یوں ہی گرد و غبارِ غالب تو اے اہل جہاں دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

غزل ۲۳۲

نوید امن ہے بے دارِ دوستِ ہاں کے لئے

رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

فرماتے ہیں۔ جتنے بھی ظلم و ستم ممکن تھے وہ سب کے سب ہمارا دوست ہم پر کرتا رہا ہے۔ اب آسماں کوئی نیا طریق کہاں سے لائے۔ لہذا بے دارِ دوست ہمارے حق میں امن کا خوشخبری ہے اب زندگی بھر ہم آسماں کے ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے ہیں۔

بلا سے گر مژدہ یارِ تشنہِ خوں ہے

رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوںِ فشاں کے لئے

فرماتے ہیں اگر مژگانِ محبوب ابھی تک میرے خون کی پیاسی ہے تو ہونے دو مجھے پروا نہیں میں اس کے حقد کے مطابق اس کو اپنا خون دے چکا ہوں، اب جو کچھ مقوڑا بہت بچا ہے وہ میری مژدہ خوں فشاں کا حصہ ہے۔

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اسے خضر

نہ تم کہ چور بنے علمِ جاوداں کے لئے

فرماتے ہیں۔ جناب حضرت خضر زندہ ہونا یہ ہے کہ دنیا میں دکھ کچھ اٹھائے جائیں۔ بنی نوع انسان کے ساتھ رہ کے سب کے حقوق پورے کیے جائیں۔ سب سے ملتے جلتے رہنا، آپ نے اگر علمِ جاوداں پائی تو کس کام کا چوروں کی طرح چھپتے پھرتے ہو۔

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک

بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

فرماتے ہیں۔ کاش میں تنہا سداى بلاؤں کے لئے ختمِ عشق ہوتا تو بخوشی برداشت کرتا۔ مگر ستمِ بالائے ستم
یہ ہے کہ تیری ادائیں بلائے جاں ہیں سارے جہاں کے لئے اور میں اس وجہ سے مبتلائے آفت
رشک ہوں۔

فلک نہ دُور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں

دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لئے

فرماتے ہیں۔ اے فلک مجھے اُس سے دُور نہ رکھ جب ہی تو وہ مجھے قتل نہیں کرتا بس جو ستم کا نشانہ
بنائے رکھا ہے۔ ایک میں ہی تو اس کے جو ستم کے لئے نہیں ہوں۔ اوروں پر بھی تو اس کی
دراز دستی کا امتحاں ہونا چاہیئے۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ امیر

کرے قفس میں فراہمِ خسِ آشیاں کے لئے

فرماتے ہیں۔ باوجود قیدی ہونے کے مرغِ امیر بھی آشیاں کے لئے تنگہ جمع کر رہا ہے۔ اس سے
بڑی کوشش کی اور کیا مثال ہوگی۔

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا مری جو شامتِ اُنی

اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لئے

فرماتے ہیں۔ پاسبان مجھے گدا سمجھتے ہوئے تھا۔ اس لئے وہ مجھے کچھ نہیں کہتا تھا میں موقع کی ناک میں تھا لیکن

میری شامت آئی کہیں اٹھا اور اٹھ کر میں نے ہاسباں کے قدموں کو ہاتھ لگایا تاکہ اس کی شمت
ساجت ہو۔ بس پھر کیا تھا۔ پابن میرے ارادے اور منشا سے واقف ہو گیا اور اس نے میری
خوب خبر لی۔

بہ قدر شوق نہیں ظرف، تنگنائے غزل

کچھ اور چاہیئے وسعت میرے بیاں کے لئے
فرماتے ہیں۔ میرے ذوق شاعری کے لئے غزل کا میدان تنگ ہے میں جو کچھ اور جس قدر کہنا چاہتا ہوں
اس کے لئے بہت بڑی وسیع زمین درکار ہے۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ گئے

بنا ہے بیش تجلّ حسین خاں کے لئے

یہ شعر نواب تجلّ حسین خاں کے لئے ہے۔
فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مدرسوں کو بیش و آرام اس لئے دیا ہے تاکہ تجلّ حسین خاں کو کسی کی نظر نہ
گئے ورنہ ویسے تو سارا بیش و آرام صرف تجلّ حسین خاں کے لئے ہے۔

زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

فرماتے ہیں اے خدا میری زبان پر یہ کس انسان کا نام آیا ہے کہ میرے اُطوفا نے میری زبان کو
چوما ہے۔

نصیر دولت و دیں اور معین ملت ملک

بنا ہے چرخِ بریں جس کے استار کے لئے

فرماتے ہیں۔ وہ نصیرِ دولت و دین ہے۔ اہم مدگار و سپردِ ملک و ملت ہے اور اُس کے لئے ہی چرخِ بریں آستانہ بنایا گیا ہے۔

زمانہ عہد میں اُس کے بے محور آرائش

نہیں گے اور سارے اب آسمان کے لئے

فرماتے ہیں۔ ان کے دورِ حکومت میں زمانہ محور آرائش ہے اور یہ موجودہ سارے اس کی زینت کے لئے کافی نہ ہوں گے چونکہ تاجِ حسین خاں کی رمایا اپنے گھر وں کی آرائش میں لگا گئی ہے۔ لہذا فلک کو بھی اور نئے ستارے بنا کر آسمان پر لگانا پڑیں گے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

فرماتے ہیں۔ ورق ختم ہوا اور تاجِ حسین خاں کی تعریف باقی ہے۔ ایک دفترِ مدح کا رہے اس دہیلے تعریف و تمجید کے لئے۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام ہے یا راہِ نکتہ دال کے لئے

فرماتے ہیں۔ غزل میں مدح کھنی غالب کی ادائے خاص ہے۔ میرے معصوم شاعروں اور دوستوں کو چاہیئے کہ وہ بھی یہ طریق اختیار کریں اور غزل کے رنگ میں مدح لکھنے کی کوشش کریں۔



شرح دیوانِ غالب

قصیدہ ۱

(منقبت میں)

سازیک ذرہ نہیں فیضِ پین سے بیکار سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
فرماتے ہیں۔ اس میں میں (کائنات میں) ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو چین سے فیض حاصل نہ کر رہا ہو۔
حتیٰ کہ سایہ لالہ بے داغ بھی بہارِ چین کو دوبالا کر رہا ہے یعنی سویدا۔ لالہ کو بے داغ کہنے میں
یہ مصلحت ہے تا لالہ کا سایہ سویدا سمجھا جائے مطلب یہ ہے کہ کائنات میں کوئی چیز باطل و
نفول نہیں یعنی کوئی شے بغیر مقصد کے پیدا نہیں کی گئی۔ نیز ہر ایک شے آپس میں مربوط ہے اور
ایک دوسرے سے فیض حاصل کر رہی ہے۔

یہ مضمون قرآنِ کریم میں با احسن اند کو رہے جیسا کہ فرمایا۔

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے چمچے آنے میں مقلندوں کے لئے بہت
سے نشان موجود ہیں۔ وہ مقلند جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اپنے خالقِ دانا کو یاد
کرتے رہتے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ اے رب! تو نے اس کائنات کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا (تو بے مقصد کام
کرنے سے یقیناً پاک ہے پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یعنی ہمارا وجود بے مقصد
ہونے سے بچا ہے۔ (آل عمران رکوع ۷)

مستی بادِ صبا سے بعض کب بندہ ریزہ شیشے جو ہر تیغ بہار
فرماتے ہیں بادِ صبا بہت مست ہونے کے سبب سے پیار کی چوٹی پر سبزہ اپنی شکل درنگ بیت
میں شیشے کی کرپیں (جام کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جو شراب پینے کے بعد بعض دفعہ
تڑپتے ہیں) سے مشابہ ہو گیا ہے۔

سبزہ جامِ زمرہ کی طرح داغ پلنگ تازہ ہے ریشہ نارنج صفت روئے شرار
معنی پلنگ۔ پیتا نارنج بسنگتہ جو ترش ہو۔
فرماتے ہیں بہار اس قدر زوروں پہ ہے چلتے کے سیاہ داغوں کو سبز جامِ زمرہ کے مشابہ کر
دیا ہے اور سنگتہ کا ریشہ تازہ اور روئے شرار نظر آ رہا ہے۔

مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
فرماتے ہیں ابر اپنی ستارہ خرامی سے حسرت کو گلچین طرب بنا رہا ہے یعنی اپنی لطف اندوزی سے
دونوں عالم کے غموں کا قلع قمع کر رہا ہے۔

کوہ و صحرا ہمہ معمور ٹی شوقِ لبُّلِ راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
معنی راہِ خوابیدہ، نمان راستہ
فرماتے ہیں کوہ و دشت سب کے سب بلبلوں کے نغموں سے بھر گئے۔ اور غجوں کے چکنے کی
آوازوں سے وہ راستے جو سوئے ہوئے تھے جاگ گئے۔ یعنی لوگ ہجوم در ہجوم تماشائے بہار
دیکھنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

سوئے فیض ہوا صورتِ مرغانِ قییم سر نوشتِ دو جہاں ابر بیک سطر غبار

فرماتے ہیں۔ بادِ بہاری کافیض برشے کو پہنچ رہا ہے ہر چیز میرا ہی ہو رہی ہے۔ ایک سطر جو خطِ غبار سے لکھی ہوئی ہو وہ سرِ فروشتِ دو جہاں (یعنی دو سو گنا) بھی جا رہی ہے۔ اور وہ مڑکانِ شیم جو برسوں سے اپنا سرِ فروشت یعنی بدقسمتی پر رو دھو رہی تھی۔ وہ بھی بادِ بہاری سے لطف اندر ہوئیں۔

کاٹ کر پھینکئے ناخن تو باندازِ ہلال قوتِ نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
فرماتے ہیں۔ اگر ناخن بھی تراش کر پھینکا جائے تو وہ بھی ہلال کی طرح بڑھتے بڑھتے بدِ کامل ہو جائے گا۔ بادِ بہاری میں ایسی قوتِ نمو بھری ہے۔

کفِ ہر خاک بگڑا ہوا شدہ قمری پرواز دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار
فرماتے ہیں۔ ہنسی بھر خاک قمری بن کر پرواز کرنے لگی اور ہر شعلہٴ آتش طاؤس بن گیا ہے۔ ہمارے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے۔ خاک کو قمری کے ساتھ اور شعلہٴ آتش کو طاؤس سے تشبیہ دی ہے۔

میکہ میں ہو اگر آرزوئے گلِ چینی بھول جا ایک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار
فرماتے ہیں۔ اگر تجھے میکہ میں بیٹھے رہنے اور وہاں بھول چھٹنے کی تمنا ہو تو یہ کہہ کر ایک جامِ شراب میکہ کے کسی گوشے یا ایسے طاق میں رکھ کر بھول جا جہاں گلدستے کھے جاتے ہیں۔ وہ بادِ بہار کی بدولت کچھ دنوں میں ایک شراب خانہ بن جائے گا وہ جامِ نسبیاں تخمِ کاکم رکھے گا۔

موجِ گلِ ڈھونڈ بہ خلوت کہہ مخنیچہ باغ گم کرے گوشہٴ مے خانہ میں گر تو دستار
فرماتے ہیں۔ اگر تو بھالتِ نشہ اپنی پگڑی سے خانہ کے کسی کونے میں رکھ کر بھول گیا ہو تو اُس پگڑی کو مخنیچہ باغ کے کسی گوشہ میں جا کر تلاش کر۔ وہ موجِ گل بن چکی ہوگی اور بہار کی امجدِ منائی تجھ پر اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

کیسے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار
معنی۔ مانی منصور، نقاش

فرماتے ہیں۔ اگر کوئی بہت اچھی سوچ بچار والا مصور چمن کی تصویر کیسے تو سبز خطِ نوخیز کی مانند
پرکار سے کیسے ہوئی لکیریں سبز رنگ کی ہو جائیں گی چونکہ بادِ بہار جوش پر ہے۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمہ مدحتِ شاہ طوطی سبز کھسار نے پیدا منقار
فرماتے ہیں۔ شاہ کی مدح سرائی کے واسطے طوطی سبز کھسار نے لعل کو اپنی منقار بنایا ہے۔ لعل
بھی اور سبز زار و دلوں پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

وہ شہنشاہ کہ جس کے پئے تعمیرِ سرا چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
فرماتے ہیں۔ شہنشاہ کے محل کی تعمیر کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کی آنکھ اینٹیں بنانے کا سانچہ
بن گئی مطلب یہ ہے کہ تعمیرِ محل خدا کی رضا کے تحت ہے۔

فلک العرش جہومِ خمِ دوشِ مزدور کشتہ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار
فرماتے ہیں۔ تعمیرِ شاہ کی تعمیر میں کام کرتے کرتے آسمان دوشِ مزدور کی مانند خم ہو گیا ہے۔ اور
فیضِ ازل معمار کا وہ دھماکہ (ڈوری) بن گیا ہے جس کے فدا لہ سے دیوار کا سیدھا پن پارہ
پر کھاتا ہے۔

سبز نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام رفعتِ بہتِ صد عارفِ یک اورجِ حصار
معنی۔ نہ چمن، نہ چمن، مراد تو آسمان

فرماتے ہیں۔ تو آسمانوں کی بندی شاہ کے بامِ محل کے برابر ہے۔ اور ایک قند عارفِ باندہ کی

ہمتوں کی بلند میشاہ کے محل کی دیواروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

واں کی خاک سے حاصل ہو جسے یک کواو دو رہے مروحہ بال پری سے بیزار
فرماتے ہیں ۔ محل سر کی غصہ و غاشاک سے جسے یک پرکاو بھی حاصل ہو بلئے وہ ساری عمر پری
کے پھلے کی قطعی پروانہ کرے ۔ مطلب یہ ہے (کہ اگر پری اپنے پردوں سے نکلا بھی کرے)

خاک صحرائے نجف جو ہر سیر عرفا چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار
معنی : عرفا ، عارف کی جمع

فرماتے ہیں : صحرائے نجف کی خاک عارفوں کے لئے جو ہر سیر ہے یعنی سلوک و طریقت کی راہ
کا مقصود اور منزل ہے ۔ اور چشم نقش قدم بیدار کا آئینہ ہے مطلب یہ ہے کہ عارف
باللہ خاک نجف کو اپنے لئے موجب خیر و برکت خیال کرتے ہیں اور نجف کے سنو میں خود
مشابہہ کر لیتے ہیں ۔

ذره اُس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز گرد اُس دشت کی اُمید کو احرام بہار
فرماتے ہیں : نجف کی خاک کا ایک ذرہ آفتاب کے لئے خورشید کا آئینہ ہے اور وہاں کی خاک امید
کے لئے فصل بہار ہے ۔

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستی ناز عرضِ خمیازہ ایجا د ہے ہر موجِ غبار
فرماتے ہیں : واں کی خاک پاک سے مخلوق خدا کو مستی ناز و غرور کی طلب ہے گویا موجِ غبار انگڑائی
ہے ایجا د کی ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ترشہ اترنے پر انگڑائیاں آتی ہیں ۔ اسی طرح موجِ
غبار اٹھ اٹھ کر اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہی کہ میرا یہ کرنا خالق کے لئے باعثِ فخر و ناز
ہے ۔

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے لے شمع شبستان بہار دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار
فرماتے ہیں اسے شمع شبستان بہار فیض سے پروانے کا دل روشن ہوا ہے اور بلبل کے
پر گلزار بن گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ تیری رعایا کی دلی مرادیں سب تجھ سے ہی وابستہ ہیں۔

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز ذوق میں جلوے کے تیرے بہوئے دیدار
فرماتے ہیں طاؤس کی طرح مارا آئینہ خانہ اڑنے لگا ہے تیرے جلوے اور دیدار کے شوق نے
آئینہ خانہ کو پر لگا دیے ہیں۔

تیری اولاد کے غم سے ہے بردے گردوں سلک اختر میں مہ نو مژدہ گوہر بار
فرماتے ہیں تیری اولاد کے غم میں آسمان پر مہ نو اشکوں کے موتی برسا رہا ہے مطلب یہ
ہے کہ تیری اولاد کے غم میں آسمان بھی شریک ہے اور تیرے اشکوں کو موتی کا مرتبہ حاصل ہے۔

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظهار
فرماتے ہیں تیرا نقش قدم عبادت کے لئے سجدہ گاہ ہے اور ریاضت میں ترا عزم و حوصلہ
پشت پناہی کا حکم رکھتا ہے۔

مدح میں تیری نہاں زمر مرعوبت نبی جام سے تیرے عیاں بادہ جوش اسرار
فرماتے ہیں تیری مدح میں نعت نبی مضمحل ہے شامل ہے (چونکہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع

دفرمانبردار ہے) اور جو تیرا جامِ محبت پینا ہے وہ بادۂ اسرار و عرفان سے سرشار ہو جاتا ہے

جو ہر دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر یک طرف نمازشِ مژگان و دگر سُوغم ہمار
فرماتے ہیں۔ تیرے دستِ دعا کا جو ہر یہ ہے کہ وہ تاثیر کا آئینہ ہے یعنی دستِ دعا کے اُٹتے ہی
دعا قبول ہو جاتی ہے۔ اور مژگانِ اشک آنسو دھوتے ہی قبولیت کا ذریعہ بن جاتیں ہیں اور
دوسری طرف جو ہر تاثیر غارِ حسرت کو نکال پھینکتا ہے۔ اور حسرت کے لئے رنج و ملال کا
سبب بن جاتا ہے۔

مرد کہ اسے ہوا عزا خانہ اقبال نگاہ خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہوا آئینہ دار
فرماتے ہیں۔ جو آنکھ تیرے خاکِ در کی آئینہ دار نہیں یعنی فیضِ حاصل نہیں کرتی وہ چشمِ عزا خانہ کے
سو گواروں میں سے ہے۔ اور سعادت و اقبال سے اُسے کوئی علاقہ نہیں مطلب یہ ہے کہ جو
تیرا خادمِ مطیع و فرمانبردار نہیں ہے وہ ازلِ بد قسمت ہے۔

دشمنِ آلِ نبی کو یہ طرب خانہ دہر عرضِ خمیازہ سیلاب ہو طاقِ دیوار
فرماتے ہیں۔ جو بھی آلِ نبی کا دشمن ہو اُس کو یہ طرب خانہ دہر (یعنی دنیا) سیلاب بن کر اُسے غرق
کر دے۔ جیسے طاقِ دیوار میں کوئی شے رکھ دی جاتی ہے۔ آلِ نبی، اُمتِ محمدیہ جس میں سب
شامل ہیں۔

دیدہ تادلِ آئینہ یک پر تو شوق فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ ارقم سرشار
فرماتے ہیں اسے آئینہ کے دل تک تو پر تو شوق کا آئینہ دار ہو جا۔ اور فیضِ معنی سے اپنے
ساغر کو خوب بھر لے اور سرشار ہو جا۔

منقبت میں

قصیدہ دیگر ۲

دہر جز جلوه یکتائی معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خود ہیں
 فرماتے ہیں تمام کائنات کا وجود جلوه یکتائی معشوق کے سوا نہیں ہے۔ ہر شے میں خالقِ مطلق ہی
 جلوه فرما ہے۔ اگر ہمارے خالق و مالک معشوقِ ازل کو خود نہ مائی اور اپنے آپ کو نہ ہر کنا قصود
 نہ ہوتا۔ تو ہمارا نینۂ تمام کائنات کا بھی وجود نہ ہوتا۔ ہم سب تمام کائنات، کیا فرشتے کیا زمین
 و آسمان کیا مہر و ماہ سب اُسی کے حسن و جمال کا آئینہ ہیں۔ ہر شے کسی نہ کسی رنگ میں اس
 کی ازلی وابدی صفت کی منظر ہے حتیٰ کہ نور کے ساتھ ظلمت بھی۔

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت، نہ ذوق بے کسی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
 فرماتے ہیں، افسوس صد افسوس ہم نے اپنی بے دلی کے سبب دنیا جو کہ لہو و لعب کی جگہ ہے اس
 میں تماشا بھی نہ دیکھا۔ اور نہ لوگوں کے اس سے دل لگانے کے بجا انجام سے کوئی عبرت
 حاصل کی۔ اور یہی حال ہماری تماشوں کا ہول ہے۔ تمام عمر بے بسی اور بیکسی میں گنہ ادی۔ نہ
 دنیا کی مادی لذتوں سے لطف اندوز ہوئے۔ ورنہ ہی دین کی روحانی نعمتوں سے فیضاب ہوئے
 بس ہماری بے دلی اور بے کسی نے کہیں کا نہ رکھا۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ منعم

ہرزہ ہے نغمہ زیر دہم ہستی و عدم لغو ہے آئینہ فرق جنوں و تمکیں
 فرماتے ہیں۔ وجود ذاتِ باری کے علاوہ کسی اور شے کے وجود و عدم پر گفتگو و بحث لا حاصل ہے۔
 صرف اُسی کی ذاتِ اقدس جی و قیوم ہے۔ سب کچھ فنا ہونے والا ہے اور جنوں و تمکیں کا فرق

ظاہر کرنا بھی لغو اور فضول ہے۔

نقشِ معنی ہمہ خمیازہ عرضِ صورت سخنِ حق ہمہ سرمایۂ ذوقِ تحسین
 فرماتے ہیں: نقشِ معنی کے دعویٰ از ظاہر پرست ہیں اور حق گوئی کی باتیں کرنے والے محض اپنی
 شہرت چاہتے ہیں۔ اسرار و عرفان بتانے والے شخص ہوتے ہیں۔ ان میں ظاہر داری بالکل
 نہیں ہوتی۔ اور حق گوئی کرنے والے پوشیدہ و غرض نہیں رکھتے مگر افسوس کہ افسوس کیسا ازما:
 آگیا۔ ظاہر پرستی روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور تقویٰ اور باطنی طہارت کا نام و نشان نہیں۔
 (ضرورت تھی کہ اس وقت کوئی مامور من اللہ ہو)

مرزا غالب نے اپنے زمانہ کا ہو بہو نقشہ مندرجہ بالا شعر میں کھینچ دیا ہے۔

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم در دیک سال غر غفلت ہے بچہ دنیا و چہ دیں
 فرماتے ہیں: جو لوگ اپنی عقلمندی کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ وہ بہت غلطی پر ہیں اور وہ بھی جو دنیاوی
 فائدے کی خاطر دین اختیار کرتے ہیں۔ عبادت کا نفع محبت سے کرنے میں ہے نہ کہ ذیلیوی
 لالچ سے۔ ایسا کرنے والے بالآخر دنیا و آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔

مثلِ مضمونِ وفا باد بہ دستِ تسلیم صورتِ نقشِ قدمِ خاک بہ فرقِ تمسکین
 فرماتے ہیں: دنیا دار العمل دار الابتلا ہے ہمہ وقت جدوجہد کرنی لازم ہے۔ ورنہ انسان نقشِ قدم
 کی مانند ایک دن خاک میں مل جائے گا۔ اور دونوں جہانوں میں ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ
 نہ حاصل ہوگا۔

عشقِ بے بطنی شیرازہ اجزائے حواس وصلِ از نگارِ رخِ آئینہ حُسنِ یقین
 فرماتے ہیں: جن کے اجزائے حواس میں فتور واقع ہو چکا یعنی ہل ہوس نے بے بطنی حواس کا

شیرازہ بگڑنے کا نام عشق رکھ لیا ہے۔ لیکن اہل یقین کے نزدیک اُمینہ زنگار و سل معشوق ہے۔
 مطالب یہ ہے کہ اگر اُمینہ دل صاف و شفاف کر لیا جائے تو معشوق کا جلوہ ہمہ وقت اپنی ذات
 میں ہی نظر آئے گا۔ اور معشوق کی رفاقت ہمیشہ رہے گی۔
 نوٹ: اہل یقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں حق یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

کوہ کن گر سنے مزدورِ طرب گاہِ رقیب بے ستوں اُمینہ خوابِ گراں شیریں
 معنی۔ طرب گاہ، فرحت افزا مقام، خوابِ گراں، غفلت کی نیند، بے ستوں، بے حقیقت
 بے بنیاد بے ستون۔

فرماتے ہیں، ”مزدورِ طرب چاہنے والا مزدور تھا۔ اس کا عشق کامل نہ تھا۔ ورنہ اپنے جذبہ محبت
 کے ذریعہ شیریں کو حاصل کر لیتا۔ کوہ بے ستوں شیریں کے خوابِ غفلت کی ایک تصویر تھی جس
 کے پتھر کاٹتے کاٹتے اُس نے اپنے سر پر پیشہ مار کر جان دے دی۔“

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز کس نے پایا اثرِ نالہِ دل ہائے حزیں؟
 فرماتے ہیں۔ ”آج کل اہلِ وفا دلوں کو گرما دینے والی بستیاں کہاں ہیں۔ کبھی طور پر ان ہستیوں کا
 فقہان ہے اور اہلِ کرامات بھی نہیں ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ گریہ و زاری کی دُعاؤں قبول کرے۔
 اور اس طرح ان کی دعاؤں سے مخلوق خدا فیض حاصل کرے۔“

سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفیس
 در نظر ہر توان لوگوں کے زمزمہ ہیں لیکن در اہل ہرزہ سراہی ہے جو مجھے مجبوراً سنتی پڑ
 رہی ہیں۔ نہ میں ایسے لوگوں کی تعریف کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی ان کی مذمت کیلئے دماغ نفیس
 میرے پاس ہے۔ نہ تعریف کر کے کوئی انعام چاہتا ہوں اور نہ مذمت کر کے موردِ عتاب
 بننا چاہتا ہوں۔

کس قدر ہرزہ سراہوں کہ عیاذ باللہ یک قلم خارجِ آداب و قار و تکیں
 گویا کہتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خدا کی پناہ میں کس قدر یہود و باتیں لوگوں کے لئے بکرا ہوں۔
 جو کچھ لکھا ہے وہ یک قلم خارج اور آداب و قار کے بالکل شافی ہے۔

نقشِ لا حول لکھ اے خامۂ بڈیاں تحریر یا علی عرض کر اے فطرتِ دسواں قریں
 فرماتے ہیں، اے خامۂ بڈیاں اب تو نقشِ لا حول اور یا علی کہہ کر مدد مانگ۔ اے فطرتِ دسواں
 قریں، تاکہ جو بُرے خیالات پیدا ہوئے ہیں ان کا رفع دفع ہو سکے۔

منظہر فیضِ خدا جانِ دل ختمِ رسل قبلہ آلِ نبی کعبۂ ایجا دیقین
 فرماتے ہیں، حضرت علیؓ فیضِ خدا کے مظہر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانِ دل اور
 اہل بیت کے قبلہ و کعبہ ایجا دیقین ہیں۔

بودہ سرایۂ ایجا دیجاں گرمِ حرام بہر کفِ خاک ہے ہاں کرۂ تصویرِ زمیں
 فرماتے ہیں، وہ باعثِ تخلیقِ عالم جہاں کہیں بھی سرگرمِ خرام ہوتا۔ وہاں کی مٹتے خاک ایک کرۂ
 زمیں کے برابر مقام حاصل کر لیتی ہے۔

جلوہ پرواز ہو نقشِ قدم اُس کا جس با وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں
 فرماتے ہیں۔ اُس کا نقشِ قدم جس جگہ جلوہ فرما ہو۔ وہاں کی کفِ خاک سے دونوں جہانوں کو
 عزت اور امان ملتی ہے۔

نسبتِ نام سے اُسکی ہے رتبہ کہ رہے ابد الپشتِ فلکِ خم شدہ نازِ زمیں
 فرماتے ہیں۔ اُس کی کنیت ابو تراب ہونے کے سبب زمیں کو یہ رتبہ حاصل ہوا کہ فلک بھی تعلیم کرتے
 ہوئے ابد الابد اپنی مکر جھکائے کھڑا رہے گا۔ اور اس طرح ہمیشہ زمیں کو فخر رہے گا۔

فیضِ خلق اُس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سا بونے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگئیں
 فرماتے ہیں۔ بادِ صبا بونے گل کی بدولت معطر ہے اور وہ اس وجہ سے کہ علیٰ کافضِ تمام
 خلق کو پہنچ رہا ہے۔ خلق سے مراد زمین ل ہے۔

بُرشِ تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا قطع ہو جائے نہ سرِ رشتہ ایجاد کہیں
 فرماتے ہیں۔ اُس کی تیغ کی تیزی سارے عالم میں شہرت رکھتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرِ رشتہ ایجاد
 اس کی شہرت کے خوف سے کٹ جائے۔

کُتر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے لڑنے رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بُتِ چاند چیں
 فرماتے ہیں۔ میرے مددِ کفر کا جلوہ کفر کو جلانے اور مٹانے والا ہے کہ جس سے رنگِ عاشق کی طرح
 بُتِ چاند چیں بھی لڑتے جاتا ہے۔

جاں پناہ! دل و جاںِ فیضِ رسانا! شاما! وصیِ ختمِ رسل تو ہے یہ فتوائے یقین

فرماتے ہیں۔ اے جان کی پناہ دل و جان کو فیض پہنچانے والے تو ہی ختمِ رسل کا وہی ہے اور
اس کا فتویٰ یقیناً کما حد تک پہنچ گیا ہے۔

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیہمیر منبر نامِ نامی کو ترے ناصیہ عرشِ نگین
فرماتے ہیں۔ تیرے جسمِ پاک کے لئے دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر بنا۔ اور ترے نامِ کاغینہ
عرش کے ماتھے پر کندہ ہوا۔

کس سے ممکن ہے تیری طرح بغیر ازواج شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
فرماتے ہیں۔ واجب الوجود خدا تعالیٰ کے سوا تیری تعریف کون کر سکتا ہے جس طرح شمع
کی تعریف اس کے شعلہ کے سبب سے ہے۔ چونکہ تو خدا کا دوست خاتمِ الادلہ ہے۔
اس لئے خدا ہی تیری تعریف کر سکتا ہے۔

آستانِ پر ہے ترے جو ہر اُمینہ سنگ رقمِ بندگی حضرت جبریل امین
فرماتے ہیں۔ تیرے آستان پر جو ہر اُمینہ کی طرح حضرت جبریل امین کے سجدے کئے گئے۔

تیرے در سے نیے اسبابِ شمار آئادہ خاکوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
فرماتے ہیں۔ تیرے در پر قربان ہونے کے لئے سب تیار ہیں چونکہ تیری ہی خاطر سے انسانوں
کو جان و دل اور دیں ملا ہے۔

تیری مدحت کیلئے ہیں دل و جاں کام و زباں تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین
فرماتے ہیں۔ تیرا مدح سرائی کے لئے دل و جاں اور کام و زباں بنے ہیں اور تیری تسلیم کی خاطر
لوح و قلم دست و جبین ہو گئے۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحی مدح خدا کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں
فرماتے ہیں۔ جس کا مدوح خدا تعالیٰ ہو اُس کی تعریف کون کر سکتا ہے اور کون ہے جو عرض بریں
کی آرائش کرے۔

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
فرماتے ہیں۔ اسد اللہ اسد بازار معاصی کی ایک جنس ہے۔ جس کا تیرے سوا کوئی خریدار
نہیں ہے۔

شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب ہے تیرے حوصلہ فضل پر ازل بس کہ یقین
فرماتے ہیں میری مدح سرائی میں جو شوخیاں مجھ سے سرزد ہوتی ہیں۔ وہ تیرے حوصلہ اور بخشش
پر مدار کرنے کی وجہ سے ہیں چونکہ میں تیری فضل و عطا پر یقین رکھتا ہوں۔

دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آئیں
فرماتے ہیں میری دعا کو حسن قبول کا وہ درجہ عطا فرما کہ میرے عطا کے ایک ایک حرف پر اجابت
سو بار آئیں کہے۔

غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لیریز کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
فرماتے ہیں غم شبیر سے میرے سینہ کو یہاں تک معور کر دے کہ میں ہمہ وقت خونِ جگر سے آلود
آنسو بہاؤں اہ یہ ایسے سبب میری آنکھیں ہمیشہ رنگیں رہیں۔

طبع کو الفت دلہاں میں یہ گرمی شوق کہ جہاں تک چلے اس سے دم اور مجھ سے حبیں

فرماتے ہیں۔ تیری دلدل کی محبت میرے دل میں یہ ذوق و شوق پیدا کر رہی ہے کہ تیرے پاس
اس کا قدم جلتے وہیں میری جہیں، ہو یعنی اس کے تمام نقش قدم پر سجدہ کرتا جاؤں۔

دل الفت نسب و سینہ توحید فضا لگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزریں
فرماتے ہیں۔ دل میں تیری محبت کا جوش ہو اور میرے سینہ میں نورِ عرفان نگاہ جلوہ پرست ہو
اور میرے نفس میں صدق جاگزیں ہو۔

صرف اعداء اثرِ شعلہ دودِ دوزخ وقف اجاب گل و نیل فردوس بریں
فرماتے ہیں۔ تیرے دشمنوں کے لئے آگ کے شعلے اور دوزخ کا دھواں خاص کر دیا جائے اور
تیرے اجاب کے لئے فردوس بریں کے گل و نیل وقف کر دیئے جائیں۔



بادشاہ ظفر کی مدح میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا قصیدہ

ہاں مہ نوسنیں ہم اس کا نام جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
فرماتے ہیں۔ اچھا مہ نواس کا نام تو بتا جس کو تو جھک کر سلام کر رہا ہے۔

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح یہی انداز اور یہی اندام
فرماتے ہیں۔ دو دن دوپہر اور چھبیس کی رات صبح کے وقت تو نظر آیا تھا۔ تو اسی طرح جمعہ کا ہوا۔
اداسی اندام کے ساتھ۔ بظاہر کوئی فرق نہ تھا۔

بابے دو دن کہاں رہا غائب بسندہ عاجز ہے گردشِ ایام
فرماتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بتا کہ تو دو دن کہاں چھپا ہوا تھا۔ یہ تو ہم جانتے کہ تو بھی ندام ہے اور
گردشِ ایام ہے تو بھی عاجز و مجبور ہے۔

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسماں نے بچپا رکھا تھا دام
فرماتے ہیں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تیرے لئے کوئی راہ قرار نہیں ہے چونکہ آسمان نے تاروں کا جال
بچایا ہوا ہے طالب یہ ہے کہ خالقِ ازل نے سب کو اپنی اپنی جگہ قید کیا ہوا ہے۔

مرجا اے سرورِ خاصِ خواص جِذا اے نشاطِ عامِ عوام
فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ اے خاصِ الخاص انسانوں کے سردار اور سبحان اللہ عوام کے لئے بھی
عیش و آرام مہیا کرنے والے۔

عذر میں تین دن نہ آنے کے لئے آیا ہے عید کا پیغام
فرماتے ہیں تین دن غیر حاضر رہنے کی معذرت میں اب تو سب کے لئے عید کا پیغام لایا ہے۔

اُس کو بھولا نہ چا۔ بیٹے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام
فرماتے ہیں۔ صبح جا کر جو شام تک دہیں آجائے اس کو بھولا یا گم شدہ کہنا مناسب نہیں۔

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا آغاز اور ترا انجام
فرماتے ہیں۔ ایک میں ہی نہیں بلکہ سب نے جان لیا کہ کیا تیرا آغاز ہے اور کیا انجام ہے۔

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام؟
معنی۔ تمام، چغل خور۔ لُٹرا
فرماتے ہیں۔ مجھ سے رازِ دل کیوں چھپاتے ہو کیا تو نے مجھے ادھر کی ادھر کہنے والا لُٹرا سمجھ رکھا ہے۔

جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں ایک ہی ہے امید گاہِ اَنام
فرماتے ہیں۔ میں جانتا ہوں آج ساری دُنیا میں بس ایک ہی بارگاہِ ایسی ہے جہاں خاص و عام
کی امیدیں برآتی ہیں۔

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہٴ بگوشِ غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام
فرماتے ہیں۔ میں نے ان یا کہ تو اُس کا حلقہٴ بگوش ہے۔ تو کیا غالب اس کا غلام نہیں ہے۔

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کہا ہے بہ طرزِ استفہام
فرماتے ہیں ہم دونوں ہی خوب جانتے ہیں مگر میں نے یہ بات بطرزِ استفہام کہی ہے۔

مہرتاباں کو ہو تو ہو۔ اسے ماہِ قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام
فرماتے ہیں۔ اگر مہرتاباں کو اس کی بارگاہ میں رسائی ہر روزہ اور ہمیشہ کے لئے حاصل ہے
تو ہو اسے ماہ

ق

تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام
فرماتے ہیں تجھے روشناسی کا تبرکِ عید کے ادب نصیب ہوا ہے یعنی عید الفطر کے دن

جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو اس کے فیض سے پھر ماہِ کامل بنے گا مگر کیا تو بھی اُسے
جانتا ہے کہ وہ کون ہے؟

ماہِ بن، ماہِ تاب بن، میں کون؟ مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
فرماتے ہیں۔ تو ماہ بنے یا مہتاب بنے ہیں کون ہوں کہ تیرے راستہ میں حائل ہوں اور مجھے
تیرے بننے نہ بننے سے کیا واسطہ تو کونسا مجھے اپنا انعام بانٹ دے گا۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام
فرماتے ہیں۔ میرا معاملہ جدا ہے کیا تجھے ملے نہ ملے۔ مجھے کسی اور کے معاملات سے کوئی غرض نہیں
ہے۔ اپنی اپنی قدر و ظرف کے مطابق انعام پائیں گے۔

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص گر تجھے ہے امید رحمتِ عام
فرماتے ہیں اگر تجھے رحمتِ عام کی امید ہے تو میرے دل میں بھی بخشش خاص جاگزیں ہے۔

جو کہ بخشے گا تجھ کو فخرِ فردغ کیا نہ دے گا مجھے ملے گلِ فام
فرماتے ہیں۔ میرا ممدوح اگر تجھے زینتِ ضیاء بخشے گا تو کیا مجھے وہ لالہ پری عطا نہ کرے گا۔

جب کہ چودہ منازلِ فلکی کر چکی قطع تیری تیزیِ گام
فرماتے ہیں۔ ہاں تو ماہِ کامل نوبتے گا مگر کب؟ جب تو آسمان کی چودہ منازل طے کرے گا۔ اور
یہ کوئی آسان کام نہیں۔

تیرے پر تو سے ہوں مسدوخ پذیر کوئے مشکوے و صحن و منظر و بام
فرماتے ہیں۔ ہاں جب تو ماہِ کامل بن جائے گا تو تیری روشنی سے کوہِ محلِ سراپن اور در و بام
سب روشن ہو جائیں گے۔

دیکھنا میرے ہاتھ میں ابرینے اپنی صورت کا ایک بلوریں جام
فرماتے ہیں۔ جب تو ماہِ کامل بنے گا تو اپنی صورت جیسا میرے ہاتھ میں بھی ایک روشن چمکتا
ہوا بلوریں جام دیکھے گا۔

پھر غزل کی روش پر چل نکلا تو سن طبع چاہتا تھا لگام
فرماتے ہیں۔ جو نہی بادہ دس غزا در شب مہ کی بات چل تو تو سن طبع نے غزل کا راستہ لیا۔
داصل تو سن طبع کو باگ کا اشارہ دے گا تھا۔

غزل

زہر غم کر چکا تھا میرا کام تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟
فرماتے ہیں۔ غم کے زہر نے تو پہلے ہی میرا کام تمام کر دیا تھا تجھے کس بیوقوف نے مشورہ دیا کہ تو
مجھ پر تیرے چلائے اور پھر تاق بدنامی کا داغ اپنے ملتے پر لگائے۔

مے ہی پھر کیوں، نہ میں پیئے جاؤں؟ غم سے جب ہو گئی ہوزلیت حرام
فرماتے ہیں۔ شراب بھی حرام اور غم سے زلیت بھی حرام یعنی دونوں ہی حرام ہیں تو پھر میں کیوں نہ شراب
پیوں۔ شراب سے کم از کم کچھ غم نکلے ہوئے کا فائدہ تو ہو گا۔

بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے کہ نہ سمجھیں وہ لذت دشنام
فرماتے ہیں۔ وہ کہاں بوسہ دینے والے ہیں۔ ہم تو ان کی دشنام دہی کو غنیمت سمجھتے ہیں اور
اسی سے لذت اٹھاتے ہیں۔ قہر کے کہ اُس کو جاری لطف اندوزی کا پتہ نہ چلے نہیں تو
دستہ گر اس سے بھی محروم کر دے گا۔

کعبے میں جا بجا نہیں گئے ناقوس اب تو باندھا ہے دیہ میں احرام

فرماتے ہیں۔ اب تو غلطی سے دیر میں احرام باندھ لیا ہے خیر کوئی بات نہیں۔ ہم پھر ایسی ہی غلطی کر کے کہیں میں جا کر ناقوس بھونکیں گے۔ تادونوں کا حساب برابر ہو جائے۔

اُس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ دام فرماتے ہیں۔ مجھے بھی وہ جامِ عزان نقد ملا ہے جس شرابِ مغزیت سے مست و بخود ہو کر ہر دقت چرخِ رقص کر رہا ہے۔

بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار دل کے لینے میں جن کو ہے ابرام نہلاتے ہیں۔ حیرت ہے کہ بوسہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور دل کو جلد سے جلد لینے کی ضد ہے۔

چھوٹتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام فرماتے ہیں۔ اُن کو چھوٹنے کی غرض سے میں نے اپنا نام غالب رکھ لیا ہے تاکہ انھیں غصہ آئے ورنہ میں تو کبھی کا اُن کے حسرتِ دل کش سے مغلوب ہو چکا ہوں۔

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ لے پری چہرہ! پیک تیز خرام! فرماتے ہیں۔ یہاں پھر راونو کی طرف خطاب ہے کہتے ہیں میں تو سب کچھ کہہ چکا جو کہنے کے لائق تھا۔ لے پری چہرہ تیز خرام تو بتا کیا کچھ اور تو کہنا چاہتا ہے

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ہیں مہر و مہر و زہرہ و ہیرام محسنی۔ مریخ

فرماتے ہیں۔ وہ کون ہے جس کے در پہ ہیں رگڑنے والے عاجز و مجبور یہ مہر و زہرہ و ہیرام ہر دقت پڑے رہتے ہیں۔

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن نام شاہنشاہِ بلند مقام
فرماتے ہیں تو اگر نہیں جانتا تو میں تجھے بتانا ہوں۔ وہ میرے شاہنشاہِ عالی مقام کا نام ہے۔

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ منظرِ ذوالجلال والا کرام
فرماتے ہیں۔ جو قبلہ چشم و دل ہیں ان کا نام بہادر شاہ ہے اور وہ جلال والے اور اکرام والے خدا کے منظر ہیں۔

شہسوارِ طریقہٴ انصاف نو بہارِ حدیقہٴ اسلام
فرماتے ہیں۔ میرا ممدون شاہ راہِ باقیات و انصاف اور یہ دونوں صفات کس میں ہیں۔ اور ایسا ہونا
باغِ اسلام کی نئی بہار ہے۔

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز جس کا ہر قول معنی الہام
فرماتے ہیں۔ اس کا ہر فعل اعجاز نما ہے اور ہر قول الہام الہی کا معنی ہے۔

بزم میں میزبانِ قیصر و جسم رزم میں استادِ رستم و سام
فرماتے ہیں۔ میرا بادشاہ بزم میں قیصر و جسم کا میزبان ہے اور رزم میں رستم و سام بہادر پہلوانوں کا استاد ہے
مطلب یہ ہے کہ قیصر و جسم فیض پاتے ہیں اور رستم و سام اُس سے جنگ کے دانچے جھکتے ہیں۔

اے ترا لطف زندگی افزا اے ترا عہدِ فرخی فرجام
فرماتے ہیں۔ اب خطاب کرتے ہیں کہ اے میرے بادشاہ تیرے الطاف زندگی بخش ہیں اور تیرا
عہد مبارک اور نیک انجام پیدا کرنے والا ہے۔

چشمِ بد و دور! خسروانہ شکوہ لوحِ شمسِ اللہ! عارفانہ کلام
 فرماتے ہیں۔ خدا تجھے نظرِ بد سے ہمیشہ بچائے، اور تیری خسروانہ شان و شوکت کو آنسو سے نہ آئے۔
 (چونکہ تیری شان و شوکت، دشمنوں میں حسد پیدا کرنے والی ہے اور تیرا کلام دلوں کو موہ لینے
 والا اور عارفانہ ہے۔)

جاں نرسٹ ماروں میں تیرے قیصرِ روم جرعہ خواروں میں تیرے مرثیہ بناؤ
 فرماتے ہیں۔ تیرے جاں نثاروں میں سے قیصرِ روم بھی ہے اور تیرے جرعہ خواروں میں
 جمشید بھی داخل ہے۔

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے ایرج و تور و خسرو و بہرام
 فرماتے ہیں۔ میں نے جن بادشاہوں کے نام مصرعہ ثانی میں لکھے ہیں سب کو تیرے وارث
 ملک ہونے کا علم ہے۔

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے گیو و گودرز و بیزن و رہام
 فرماتے ہیں۔ مصرعہ ثانی میں درج ناموں کے پہلوان تیرے زورِ بازو اور قوت کا لوہا مانتے ہیں۔



قطعه

مرحباً مُوشگانیِ نادک آفریں آبِ داریِ مصمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف تیغ کو تیری تیغِ خصمِ نیام
فرماتے ہیں: تیرا تیرِ بال کی کمال کیلئے والہ ہے کہ دشمن کا تیرا سس کو نشانہ ہے اور تیر ہی تلوار کی
آب و تاب کی شانِ رشوت دیکھنے والی ہے۔ تیرا تیرِ دشمن کے تیر کو نشانہ پاتا ہے اور
تیری تلوار دشمن کے نیام میں اتر جاتی ہے۔

قطعه

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے نیلِ گراں جسد کی صدا تیرے رخسِ ربکِ عناں کا خرام
فرماتے ہیں: تیرے ہاتھ کی چنگاڑ رعد (کرک) کا دم بند کر رہی ہے اور تیرے گھوڑے کی تیز
غرامی بجلی کو سداوتِ رقاری کا طعنہ دے رہی ہے۔

قطعه

فنِ صورتِ گری میں تیرا گرز گرنہ رکھتا ہو دستِ گاہِ تمام
اس کے مضروب کے سروتن سے کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام

فرماتے ہیں۔ تیرے گزر کو مصوری آتی ہے، اور اس فن میں اُسے کمال تام ہے جب ہی تو وہ ایک ہی ضرب میں دشمن کے سردن یکسر مارتا ہے اور ادا نام کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے صفحہ ہائے یسالی و ایام
فرماتے ہیں۔ روزِ ازل میں رات دن کے لئے جو احکام اوراق پر رقم ہوئے تھے۔

اور ان اوراق میں یہ کلکِ قضا مجملًا مندرج ہوئے احکام
فرماتے ہیں۔ تمام احکام مجمل طریقِ قضا نے لکھ دیئے تھے، اب اُن کی تفصیل و تفسیر قیامت تک جاری رہے گی۔

لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش لکھ دیا عاشقوں کو دشمنِ کام
فرماتے ہیں۔ معشوقوں کو عاشقوں کا قاتل لکھا اور عاشقوں کی قسمت میں ناکامی و نامرادی لکھی گئی۔

آسمان کو کہا گیا کہ کہیں گنبدِ تیز گردِ نیلی قام
فرماتے ہیں۔ آسمان کو یہ حکم ملا۔ کہ تجھے لوگ گنبدِ تیز نیلی قام کے نام سے پکاریں گے۔

حکمِ ناطق لکھا اگیا کہ لکھیرا خال کو دانہ اور زلف کو دام
فرماتے ہیں۔ اور شعر کو یہ حکم ملا کہ مشوقوں کے خالِ عارض کو "دانہ" اور زلف کو "دام" لکھیں۔

آتش و آب و باد و خاک نے لی وضعِ سوز و غم و رم و آرام
فرماتے ہیں۔ آگ، پانی، ہوا، خاک کو یہ وضع ملی کہ آگ جلایا کرے۔ پانی کو غم سبجنا عطا ہوا۔ اور

ہوا کو اڑنا اور اڑانا بلا جبکہ مٹی کو آرام یعنی مخلوق کی غذا پیدا کر کے آرام پہنچائے۔

مہرِ رختاں کا نام خسرو روزِ ماہِ تاباں کا اسمِ شحمِ شام
فرماتے ہیں۔ مہرِ رختاں کو دن کا بادشاہ (خسرو روز) خطاب ملا اور ماہِ تاباں کو شام
کا کووال (شحمِ شام)

تیری توقعِ سلطنت کو بھی دی بدستور صورتِ ارقام
فرماتے ہیں۔ تیرے فرمانِ سلطنت کو شان و شوکت والی مہر ملی۔ اور حسبِ دستور دُزرا بھی
ملے۔ (ارقام ایران میں وزیر یا دزیروں کو کہتے ہیں)

کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم اس رقم کو دیا طرازِ دوام
فرماتے ہیں۔ کاتبِ حکم کے مطابق تیری سلطنت کے فرمان پر دوام لکھا گیا۔

ہے ازل سے روانی آغاز ہو ابد تک رسانی انجام
فرماتے ہیں یہ دعائیہ آفری شعرِ قصیدہ کا کہتے ہیں کہ میری دعا ہے کہ ازل سے ابد تک خدا
تیرا انجام اچھا کرے۔

فوتِ ابدی یہ اُردو قصیدہ مرزا غالب کا اپنی مثال آپ ہے۔



قصیدہ

صبح دم دروازہ خاور کھلا مہر عالم تاب کا منظر کھلا
 فرماتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی مشرق کا دروازہ کھل گیا اور آفتاب دنیا کو گرمی و روشنی دینے والا
 نمودار ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرقی دروازہ کا دروازہ طلوع شمس کا منظر پیش کرنے لگا۔

خسرو انجسم کے آیا صرف میں شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
 فرماتے ہیں۔ تندرل کے بادشاہ نے تمام خواہرات کا خزانہ خرچ کر ڈالا۔ جو ہم نے رات کو چمکتا دیکھا
 بکھرا ہوا دیکھا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی ضیا میں تمام ستارے غائب ہو گئے۔ چونکہ دن (سورج) کی
 روشنی جو کہ بہت زیادہ ہے سب کو اپنے اندر مدغم کر لیتی ہے۔

۱۔ وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود صبح کو راز مہ و خستہ کھلا

۲۔ ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکہ یہ باز گر کھلا

فرماتے ہیں (۱) شب کو جو چاند ستارے نظر آ رہے تھے وہ اک سیما کی نظارہ تھا جو صبح ہوتے ہی
 غائب ہو گیا اور ہم پر ان کی اصل حقیقت واضح ہو گئی۔

(نوٹ) سیما ایک قسم کا فرن جس میں اشکال قیاسات کے مطابق دکھائی جاتی ہیں۔ اصل میں
 ان کا وجود نہیں ہوتا۔ یعنی ایک قسم کا جادو ہے۔

(۲) دوسرے شعراء نے بھی فرماتے ہیں۔ ان ستاروں کی اصل حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ جو

کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ وہ نہیں ہیں گویا کہ ریاز گیری جو ہیں دھوکہ دے رہے ہیں ۔

سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
فرماتے ہیں رات آسمان پر جو ستارے نظر آ رہے تھے وہ موتیوں کا زیور بکھرا ہوا کھلا ہوا پڑا
تھا وہ دراصل شاہِ اول کا زیور تھا جو بے بہا موتیوں سے مرقع تھا ۔

صبح آیا جانبِ مشرق نظر اک نگارِ آتشیں رخ، سر کھلا
فرماتے ہیں فرماتے ہیں وہی رات والا معشوق کی طرح مشرق کی طرف سے صبح دم نظر آیا جس
کے رخسارِ آتشیں اور نگارِ سر تھا ۔ مطلب یہ ہے کہ پوری آب و تاب سے اپنے رخ کی
نمائش کر رہا تھا ۔

متنی نظر بندی کیا جب ردِ سحر بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا
فرماتے ہیں ۔ وہ آتشیں رخسارِ معشوق گویا جادو کا پتلا تھا ۔ جب ہم نے ردِ سحر کیا یعنی جادو
تورنے کا عمل کیا تو وہ بادۂ گل رنگ بکھرا ساغر تھا ۔

لا کے ساتی نے صبحی کے لیے رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
فرماتے ہیں ۔ معلوم دیتا ہے کہ ساتی ازل نے ہمارے لئے صبح کی شراب کے لئے ایک سونے
کا بہرہ قیمتی جام جس پر سر پوش نہیں ہے رکھ دیا ہے ۔

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
فرماتے ہیں ۔ میں نے جتنی تشبیہات مندرجہ بالا بیان میں پیش کی ہیں اُن سے اصل غرض بزمِ سلطانی
کا آراستہ و پرستہ ہونا اور شانِ شوکت ظاہر کرنے کے لئے تھا ۔ اور میرے ممدوح بادشاہ

کی بزم ایسی ہے اور یہ کہ جیسے کعبہ امن راماں کا دروازہ کھل گیا ہو۔

تاجِ زرین، مہرِ تاباں سے ہوا خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
فرماتے ہیں۔ مہرِ تاباں کا تاج اتنا زیب دینے والا نہیں تھا جتنا ہمارے بادشاہِ عالم کا تاجِ
زرین اُن کے منہ پر زیب دیتا ہے۔

شاہِ روشن دل، بہادرِ شہ، کہ ہے رازِ ہستی اس پر سرتاسر کھلا
فرماتے ہیں۔ ہمارا بادشاہ روشن دل بہادر بادشاہ ہے۔ اسی وجہ سے اُس پر رازِ ہستی
پوری طرح کھل گئے ہیں

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں مقصدِ نہ چرخ و بہفت اختر کھلا
فرماتے ہیں۔ میرے ممدوح بادشاہ کی صفات ایسی ہیں کہ جن (تکوین) کی پیدائش میں نو آسمانوں
اور سات ستاروں کا مقصد پیدائشِ مشعر ہے یعنی ظاہر ہے۔

وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے عقدہ احکامِ پیغمبر کھلا
فرماتے ہیں۔ ہمارا بادشاہ ایسا ہے کہ اُس کے ناخنِ تاویل سے احکامِ رسول کے عقدے کھل
جاتے ہیں یعنی حدیثوں کا علم ہم پر روشن ہو جاتا ہے۔

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام اُس کے سرنگوں کا جب دفتر کھلا
فرماتے ہیں۔ ہر اول دستوں کے جب دفتر کھولے گئے تو سرِ فہرست دارا کا نام نکلا۔ یعنی
ہمارے بادشاہ کے لئے لڑنے اور جانِ شاکر کرنے والوں میں تھا یا یہ کہ دارا ہمارے
ممدوح کا فوج میں اک ادنیٰ سپاہی شمار ہوتا تھا۔

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے دہاں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
 معنی چہرہ قیصر علیہ قیصر
 فرماتے ہیں۔ میرے بادشاہ کے روشناسوں کی جہاں فہرست درج ہے۔ دہاں واضح مہر فہرست
 قیصر کا علیہ لکھا ہے۔

قطرہ

توین رشہ میں وہ خوبی ہے کہ جب تھاں سے وہ غیرت صرصر کھلا
 معنی۔ غیرت صرصر ہوا سے زیادہ تیز چنے والا۔
 فرماتے ہیں۔ جب بادشاہ کا گھوڑا تھان سے کھولا جاتا ہے تو وہ ایسی خوبیاں رکھنے والا تیز رفتار
 ہے کہ ہوا کو بھی غیرت آتی ہے۔

نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب تو کہے بُت خانہ آزر کھلا
 معنی۔ فرماتے ہیں اور اس گھوڑے کی چال دیکھنے میں ایسی دلفریب اور دکاش ہے جیسے بُت خانہ
 آزر کھل گیا ہو۔ یعنی سنگ مرمر کے تراشے ہوئے بت ہیں۔

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے منصب مہر و مہ و محور کھلا
 فرماتے ہیں۔ مجھے آفتاب و مہتاب اور گردش و محور کا علم بادشاہ کی فیض تربیت سے حاصل ہوا۔

لاکیر عقد سے دل میں تھے لیکن ہر ایک میری حدِ وسع سے باہر کھلا

فرماتے ہیں۔ میرے دل میں ہزاروں عقدے اور مسائل تھے جن کا حل کرنا میری استطاعت سے
باہر تھا لیکن بادشاہ کے فیض تربیت اور صحبت سے سب حل ہو گئے۔

تھا دل وابستہ قفل بے کلید کس نے کھولا اکب کھلا۔ کیونکر کھلا
فرماتے ہیں۔ میرا دل ایک قفل تھا جس میں کوئی کنجی نہیں لگتی تھی مجھے حیرت ہے کہ وہ کھل گیا
کب کھلا، کس طرح کھلا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دل میں عقود کے مسائل اور نادر مضامین
کا ذخیرہ بند تھا، اور ان کو کھولنے کے لئے عقل کی کنجی کا رآمد نہ تھی۔ ضرورت تھی کہ کوئی بیرونی
کنجی اس کو کھولے۔ تو وہ میرے مدد و روح بادشاہ نے اپنی فیض تربیت و صحبت سے کھول دیا۔

باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار مجھ سے گرشاہ سخن گستر کھلا
یوں تو کھینے کے معنی بے تکلف ہونے کے ہیں۔ لیکن ادب شاہ کو غور رکھتے ہوئے یہاں
نظر غایت اور توجہ کے مناسب ہیں۔
فرماتے ہیں۔ میں باغ معنی کی بہار بادشاہ سلامت کو دکھاؤں گا اگر وہ میرے مال پر نظر غایت
اور توجہ فرمائیں۔

ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا
معنی طبلہ عنبر خوشبو کا ڈبہ
فرماتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس زریں موقع پر ایک غزل پیش خدمت کروں۔ تا میرے
اشعار کی خوشبو سے ایسا گمان ہو کہ کسی نے عنبر کا ڈبہ کھول دیا ہے۔



غزل

کنج میں بیٹھا رہوں، یوں پر کھلا کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا
 فرماتے ہیں۔ کنج قفس میں پر کھلا بیٹھا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر قفس کی کھڑکی کھل جاتی تائیں اڑ کر
 آزاد ہو جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان میں بہت سی صدیعتیں ہوتی ہیں۔ بہتر ہوتا ہے۔ قابلیت
 ہوتی ہے۔ مگر انسان پھر بھی کسی۔ کسی قفس میں مقید ہوتا ہے اور اس کے لئے اس کی فلاح
 و بہبود کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں ہر ایک انسان کے دل سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔
 ”کاش کہ ہوتا قفس کا در کھلا۔“

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون، جلے؟ یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
 فرماتے ہیں۔ ہمارا اعزاز اور وضع تو یہ چاہتی ہے کہ دروازہ پر جا کر آواز دیں دستک دیں پھر
 دروازہ کھلے۔ ہمارا یار ہمیں خوش آمدید کہے پھر ہم اندر جائیں۔ دروازہ کھلا پائیں اور ہم
 اندر گھس جائیں۔ نہ نہ یہ ہماری وضع قطع کے خلاف ہے۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔

ہم کو ہے اس راز داری پر گھنڈ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
 فرماتے ہیں۔ واہ وا کیا خوب ہم اس راز داری پر فخر کر رہے ہیں کہ دوست کا راز
 ہمارے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ حالانکہ دوست کے رازوں سے دشمن خوب آگاہ ہے۔
 افسوس صد افسوس اپنے گھنڈ پر

واقعہاں پر بھلا لگتا تھا داغ زخم میسکن داغ سے بہتر کھلا

معنی زخم کُمان، زخم تازہ ہونا، ۲۰. چمکنا، زینت دینا، بھلا لگانا
 فرماتے ہیں۔ دل پر داغ ہونا ذاتی باعثِ زینت تھا مگر زخم داغ کے مقابل میں بہت زیادہ
 بہت بہتر چمکتا ہے، دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ داغ محبت اپنی جگہ خوب تھا مگر
 اب تو زخم محبت ہے۔

ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کہاں؟ کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا
 فرماتے ہیں۔ ابرو یا ر اور غمزہ معشوق سے عاشق کے قتل پر تلے رہتے ہیں۔ ابرو، کمان اور
 غمزہ تشبیہات ہیں۔

مفت کا کس کو بُرا ہے بدرقہ؟ رہروی میں پردہ رہبر کھلا
 معنی بدرقہ، رہبر، نگیان
 فرماتے ہیں۔ اگر نست میں رہبر اور نگیان مئے تو کیا بُرا ہے گور رہروی میں نام نہاد رہبر کی رہبری
 کا پردہ چاک ہو گیا کہ منزل سے نا آشنا نے محض بے خیر کم از کم ایک آدمی کا ساتھ تو ہے۔

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک آگ بھٹا کی مینہ اگر دم بھر کھلا
 فرماتے ہیں۔ آتشِ دل کو بارانِ اشک کیہ کھر بچا سکتا ہے جیدِ حیات یہ ہے کہ اگر مینہ برسا دم بھر
 کھلے بندہ ہو تو دبی ہوئی۔ یکدم بھڑک اٹھتی ہے یعنی روتے رہیں تو تپشِ دل کو پھنسی
 ہو جاتی جو نہی رونا بند کیا اور سہ دل میں دوبارہ شعلے بھڑک اٹھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک
 مصیبت ہو ایک غم ہو ایک مثل ہو تو اُس کا ہم علاج کریں مگر حالت یہ ہے کہ ہم ایک غم
 سے نجات نہیں پاتے کہ دوسرا غم اکھڑا ہوتا ہے۔ کس کس غم پر صبر کریں۔

نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
 فرماتے ہیں (پیغام مرگ کو شادی مرگ قرار دیتے ہیں)
 دوست کا خط میرے لئے شادی مرگ کا بہانہ بن گیا۔ اس قدر خوشی ہوئی کہ میں جان
 سے ہاتھ دھو بیٹھا اور خط میری چھاتی پر کھلا کا کھلا رو گیا۔

دیکھو، غالب سے گر اُلجھا کوئی ہے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا
 فرماتے ہیں خبردار غالب۔ سے اُلجھنے کی کبھی جرات نہ کرنا بظاہر وہ کافر دکھائی دیتا ہے لیکن باطن
 میں اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ اُس سے اُلجھنے والے کی خیر نہیں۔

قصیدہ

اب غزل سے گریز کر کے قصیدے کی طرف رخ کیا ہے۔

پھر ہوا مدحت، طرازی کا خیال پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
 فرماتے ہیں۔ پھر میں اپنے مہ و خورشید کی مدحت کی طرف لوٹتا ہوں۔ پھر ایک ایک شعر آنتاب
 و آہتاب جیسا قلم نے لکھنا شروع کیا۔

خامے نے پائی طبیعت سے مدد بادِ باں کے اُٹھتے ہی سنگ کھلا
 فرماتے ہیں۔ قلم پڑا ہی تھا کہ طبیعت شعر گوئی یعنی مدحت طرازی کی طرف تیزی سے مائل ہو گئی

گویا جہاز کا بادبان جو نہی اُپر اٹھا شکر بھی کھول دیا گیا ۔

مدح سے مدوح کی دیکھی شکوہ عرض سے یاں رتبہ جو ہر کھلا
فرماتے ہیں ۔ تعریف کرنے سے موصوف کا پتہ چلا اُس کی شان دشوکت سب سامنے آگئی ۔
گویا غرض بیان سے جو ہر کا رتبہ معلوم ہو گیا کہ وہ کیسا درجے پہلے ہے ۔

۱۔ مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا بادشاہ کا رایت شکر کھلا

۲۔ بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب اب علو پایہ منبر کھلا
پہلے اُپر والے شعر کے معنی لکھتا ہوں
معنی رایت شکر ، نشان شکر
فرماتے ہیں ۔ نشان شکر کے رعب اور دب بے سے آفتاب لرز نے لگا اور آسمان کو چکر آنے لگے ۔
دوسرے شعر کا مطلب فرماتے ہیں ۔ منبر کا رتبہ اور شان اس وجہ سے بڑھی کہ اس پر خطیب
بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے ۔

سکڑ شہ کا ہوا ہے روشناس اب عیار آبروئے زر کھلا
فرماتے ہیں ۔ زر و سیم کی تندرہ قیمت آبرو اور عزت اس سبب سے کی جاتی ہے کہ اس پر بادشاہ
کا سکڑ ہے ۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ اب مآل سعی اسکندر کُلا
فرماتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے آئینہ سکندر کی ایجاد ہے (شاہ کے آگے آئینہ رکھا ہے اب سکندر
کی کوششوں کا نتیجہ ظاہر ہو گیا ۔

ملک کے وارث کو دیکھا غلق نے اب فریبِ طغزل و سنجر کھلا
 فرماتے ہیں: ملک کا بادشاہ بننے کا حق ہمارے ہی بادشاہ کا حق تھا اور وہی حقیقی وارث ہے
 تمام غلق نے جان پہچان لیا۔ اور طغزل و سنجر جو جوٹے بادشاہ بن بیٹھے تھے ان کا فریب
 ظاہر ہو گیا۔

ہو سکے کیا مدح؟ ہاں اک نام ہے دفترِ مدح جہاں داور کھلا
 فرماتے ہیں: میں مدح کا حق ادا نہ کر سکا ہاں بادشاہ کے ممد و حوّل کی فہرست میں میرا نام
 بھی دفتر میں لکھا ہے۔

نکد اچھی، پرستاشِ ناتمام عجز و اعجازِ ستائش گم کھلا
 فرماتے ہیں: مدح کا حق تو ادا نہ ہو سکا لیکن اعجازِ مدح کا عجز ضرور ظاہر ہو گیا۔

جانتا ہوں ہے خطرِ لوحِ ازل تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا
 فرماتے ہیں: میں یہ جانتا ہوں کہ تم پر لوحِ ازل کا حال واضح ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ
 میرا حال بھی تم سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ اب مجھے اپنا حال عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

تم کرو صا جبقترا فی جبِ تنک ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا
 فرماتے ہیں: تم صاحبِ قرآنی کہتے رہو۔ اور شانِ دشوکت کے ساتھ کہتے رہو جب تک
 طلسمِ روز و شب کا دروازہ کھلا ہے۔ یعنی تاحشر۔ دُعا یہ شعر ہے



مثنوی آموں کی تعریف میں

ہاں دلِ درد مند زمزمہ ساز کیوں نہ کھولے درِ خزینہ راز
فرماتے ہیں۔ اے میرے دلِ درد مند اور اے میرے دلِ زمزمہ ساز تو رازوں کے دروازے
کو کیوں نہیں کھولتے۔

خامے کا صفحہ پر رواں ہونا شاخِ گل کا ہے گلِ فشاں ہونا
فرماتے ہیں۔ بوقتِ فکرِ سخن قلم کا صفحہ پر چلنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ موسمِ بہار میں شاخِ گل
سے گلوں کا جھڑنا۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا کہنے؟ نکتہ ہائے خرد فزا کہنے
فرماتے ہیں۔ اے دلِ درد مند لغو ساز تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا کہنے ہاں ہاں دلِ دو ماغ
کو روشن کرنے والے نکات لکھ۔ اس کے سوا اور کیا کہے گا۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
فرماتے ہیں۔ سپہِ خودی کہتے ہیں کہ کچھ آموں کی تعریف میں لکھنا چاہے مگر اس طور سے کہ قلم بھی
آموں کی شیرینی اور لذت سے رطب فشاں ہو جائے یعنی جو کچھ ہو وہ شیریں بیان ہو۔

آم کا کون مردِ میدان ہے؟ ثمر و شاخِ گوئے و چوگاں ہے
فرماتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ آم کا کوئی اور نخلِ بدِ مقابل نہیں ہے کسی کی مجال ہی نہیں کہ وہ اُلے

اور مقابلہ کرے لہذا آم ہی اپنی سٹاخوں کے ساتھ گیند تہہ کھیلتے ہیں۔

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں؟ آئے یہ گوٹے اور یہ میداں
فرماتے ہیں۔ انگور کے دل میں بھی کوئی ارمان نہ رہے، وہ کسی وقت بھی میدانِ کارزار میں آسکتا
ہے اور چوگان کی بازی ہم سے لگنے، گیند تہہ موجود ہے۔

آم کے آگے پیش جائے خاک مچھوڑنا ہے جلے پھپھو لے تاک
فرماتے ہیں۔ جب انگور کی آم کے آگے کچھ پیش نہیں گئی تو دل کے جلے پھپھو لے مچھوڑنا ہے۔

نہ چلا جب کسی طرح مقدور بادۂ ناب بن گیا انگور
فرماتے ہیں۔ جب کسی طرح طاقتِ مقابلہ نہ پائی تو بارمان کر شرابِ ناب بن گیا۔

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے شرم سے پانی پانی ہونا ہے
فرماتے ہیں۔ انگور کا شراب بننا بھی گریا شرمندگی سے نہ چھپانا اور اپنی جان کا فظول کھونا ہی ہے۔

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے آم کے آگے نیشکر کیا ہے
فرماتے ہیں۔ مجھ سے پوچھو تم اصل حقیقت سے ناواقف ہو کر آم کے سامنے نیشکر (گن) کی ٹھاس
بے معنی ہے کوئی مقابلہ ہی نہیں نہ خوشبو ہے نہ مہک جو دل و دماغ کو فردت
بخشنے مگر یہ سب خوبیاں آم میں ہیں۔

نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار
فرماتے ہیں۔ نہ گنتے ہیں پھل زرشاخ نہ پتہ نہ کوئی پھل۔ اور سب کمزوریوں کے علاوہ سب

سے زیادہ یہ کمزوری کہ اس کی بہار موسم خزاں میں ہے۔

اور دوڑائیے قیاس کہاں؟ جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
فرماتے ہیں۔ فکر و قیاس کو آخر کہاں تک دوڑائیں ہیں تو آم کا کوئی نہ مقابل نظر نہیں آتا۔ ہیں
تو جان شیریں میں بھی سولے تلخیوں، کامیوں، نامرادوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔
نوٹ: جان کو شیریں کہلے ممکن ہے اشارہ ذات شیریں کی ہی جانب ہو۔

جان میں ہوتی گرہِ شیرینی کوہ کن باوجود غمگینی

جان دینے میں اس کو کیسا جان پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نوٹ: ان دونوں شعروں کا مطلب ایک دوسرے سے ملحق ہے۔ مگر قطعہ معلوم نہیں دیتا۔
فرماتے ہیں۔ اگر جان میں ایسی شیرینی ہوتی تو کوہ کن باوجود غمگینی اپنی جان کو ہلاک نہ کرتا۔ جس طرح
اس نے جان دیدی لیکن جان دینے میں وہ بے ثل ہے گر آم کی شیرینی ہوتی تو یقیناً وہ
آسانی سے جان نہ دے سکتا۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر کہ دواخانہ ازل میں مگر
فرماتے ہیں۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ آم دواخانہ ازل میں اس طرح بنایا گیا شاید

آتش گل پہ ہے قند کا قوام شیرے کے تار کلہ ہے ریشہ نام
فرماتے ہیں۔ آتش گل پہ قند کا قوام چڑھایا گیا اور شیرے کے تار کو ریشہ آم قرار دیا۔

یا یہ ہو گا فرطِ رافت سے یاغبانوں نے باغِ جنت میں

فرماتے ہیں۔ یا یہ ہوا ہو گا کہ جو شہرِ محبت اور جو شہرِ شفقت ہیں باغبانوں نے باغِ جنت سے لے کے لگایا ہو گا۔
 انگلیس کے بے حکم ربِّ الناس بھڑکے بھیجے ہیں سرِ مہرِ گلاس
 فرماتے ہیں۔ شہد کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گلاسوں میں سر بند کر کے مہر لگادی اور دنیا میں لوگوں کے لئے صبح دیئے۔

یا لگا کر خضر نے شاخِ نباتات مَدِّ توں تک دیا ہے آبِ حیات
 فرماتے ہیں۔ یا یہ ہوا ہو گا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی شاخِ نباتات لگائی اور پھر ہر سال آبِ حیات سے سینچا۔

تب ہوا ہے شرفِ شاں یہ غنجل ہم کہاں در نہ اور کہاں یہ غنجل
 فرماتے ہیں۔ تب جا کر یہ شجر اپنا پھل آمِ اہلِ دنیا کے لئے لے لیا اور نہ ہم کہاں اس لائق تھے کہ اپنی کوششوں سے آمِ بیبا پھل پیکر سکتے۔

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس رنگ کا زرد پر کہاں بُو پاس

آم کو دیکھتا اگر اک بار پھینک دیتا طلائے دست افشار
 فرماتے ہیں خسرو کے پاس ترنج زر زرد رنگ کا تھا اس سے جو چاہتا بنا لیتا مگر اس میں کوئی مٹاس یا خوبو نہیں تھی وہ اگر کبھی آم کو دیکھ لیتا تو پھر ترنج زر کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیتا اور اس کی نظر میں اس اکند ترنج زر کی کوئی حیثیت نہ رہتی۔ چونکہ آم میں تو ساری خوبیاں ہیں۔

رونقِ کارِ گاہِ برگ و نوا نازش دودمان آب و نوا

معنی - دودمان - قاتلان

فرماتے ہیں۔ دُنیا کے ساز و سامان کی رونق میں اور آب و ہوا میں، خوشبو میں آم کا وجود باعثِ فخر ہے۔

رہرو راہِ خلد کا گوشہ طوبیٰ و سترہ کا جگر گوشہ
فرماتے ہیں، جنت کے مسافروں کی آمِ زادِ راہ اور طوبیٰ سترہ کا جگر گوشہ بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ آم کھاتے کھاتے اگر مرے گا تو وہ جنت میں جائے گا۔

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم ناز پرورہ بہار ہے آم
فرماتے ہیں۔ آم بڑے ساز و سامان والا پھل ہے، بہار نے اس کی پرورش بڑے لاڈلے پار سے کی ہے۔

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو نو بر نخلِ باغِ سلطان ہو
فرماتے ہیں، خاص کہ مجھے وہ آم پسند نہیں جو سستے اور بآسانی میسر آجائیں بلکہ نو بر نخلِ باغِ سلطان ہو تو کیا ہی اچھا ہے، کہا جاتا ہے کہ قلعہ معلیٰ سے ملحق دو باغ تھے ایک نام بہتاب اور دوسرے کا حیاتِ بخش تھا، اب تو ان کا نشان بھی مٹ گیا ہے۔

وہ کہ ہے والیٰ ولایتِ عہد عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد
فرماتے ہیں، میں جس سلطان اور اس کے باغ کا ذکر کر رہا ہوں وہ وہی بادشاہ ہے جس کی ولایت میں عدل و انصاف ہے اور وہ عہد و پیمان کا ادارت ہے۔

فخر دیں عز و شان و جاد و جلال زینتِ طینت و جمال و کمال
فرماتے ہیں، میرے بادشاہ کی ذاتِ گرامی دین کے لئے باعثِ فخر و عزت اور جاد و جلال والی ہے

اور نیک فطرت کی زینت اور جمال و کمال ہے ۔

کار فرمائے دین و دولت و نجات چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
فرماتے ہیں ۔ میرا ممدوح بادشاہ دین و دولت و نجات کا کا ۔ فرما ہے اور اس کا چہرہ یعنی وجود تاج
و مسند و تخت کو اپنی زینت سے آراستہ کرنے والا ہے ۔

سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
فرماتے ہیں ۔ اس کا سایہ بابرکت ہے جیسے ہما کا ہوتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر خدا کی طرح مہربان
ہے ۔ لہذا نفل اللہ ہے ۔

اے مفیض وجود سایہ و نور جب تک ہے نمود سایہ و نور
اُس خداوندِ بے بندہ پرور کو وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دل شاد و شادمان رکھو اور غالب پہ مہرباں رکھو
منہجہ بالاتینوں اشعار دعائیہ ہیں جن کا مطلب واضح ہے ۔



قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظور بے مثل و نظیر اے جہاں دارِ کرم شیوہ بے شبہ و عییل
فرماتے ہیں۔ شہنشاہِ فلک رتبہ تو بے مثل اور بے نظیر ہے۔ اور اے بادشاہِ تیرا شیوہ کرم کرنا اور
بلا شبہ عدل و انصاف کرنا ہے۔

پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ارادت اونگ فرق سے تیرے کیے کہ پہ حادث اکھیل
معنی۔ فرق، سر، اکھیل، جواہرات سے بنا ہوا تاج
فرماتے ہیں۔ تحت تیرے قدموں سے اپنا سر ارادت اپنا خواہشمند مل کر اور تیرے سر سے تاج
سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

تیرا اندازِ سخن شانہ زلفِ الہام تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل
فرماتے ہیں۔ تیرے کلام میں یہ خوبی ہے کہ کلامِ الہی کی بہت سی گتھیاں اس طرح اپنے شانہ سخن
کے سببھا دیتا ہے جیسے شانہ زلفوں کو۔ نیز تیرے قلم کی رفتارِ بالِ جبریل کی پرواز کی طرح ہے۔

تجھ سے عالم پر کھلا رابطہٴ قربِ کلیم تجھ سے دنیا میں بچھا ماندہٴ بذلِ غلیل
معنی۔ بذل، جود، سخاوت
فرماتے ہیں۔ قربِ کلیم اور بذلِ غلیل کی داستانیں ہم نے تیری ذات میں مشاہدہ کر لی ہیں۔

بہ سخن اوجِ دو مرتبہٴ معنی و لفظ بکرم۔ داغ نہ ناصیئہٴ قلم و ذیل

فرماتے ہیں۔ تیرے کلام سے معنی ولفظ کا مرتبہ اونچا ہوتا ہے اور تیری جود و سخا سے قلم زم نیل
بسی شرماتے ہیں۔

تاترے وقت میں ہمیش و طرب کی توقیر قاترے عہد میں ہو رنج و الم کی تعلیں
معنی توقیر۔ ترقی، تعلیل، قلت
فرماتے ہیں۔ تیرے عہد میں ہمیش و طرب کی ترقی اور رنج و الم کی قلت ہو جائے۔

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
معنی حوت، مچھلی

فرماتے ہیں۔ نظم شمسی کا بار ہواں برج جو کہ مشتری کا گھر جانا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ماہ نے
ثور (برج) سے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ اور زہرہ نے حوت (برج) میں جانا ترک کیا ہے۔

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہیں تیری بخشش مری انجراح مقاصد کی کفیل
معنی انجراح۔ حاجت روا ہونا یا کرنا

فرماتے ہیں۔ اے بادشاہ تیری دانش مندی سے میری خرابیاں دور ہوتی ہیں اور تیرے جود و کرم سے
میری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

تیرا اقبال ترخم مرے جینے کی نوید تیرا انداز بغافل مرے مرنے کی دیل
فرماتے ہیں۔ تیرا رحم کی جانب ملتفت ہونا میری زندگی کی خوشخبری ہے اور تیرا بغافل میرے
لئے موت کا پیغام ہے۔

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں چرخِ کج باز نے چاہا کہ کہے مجھ کو ذلیل
 فرماتے ہیں : میری بے نصیبی تو یہ چاہتی تھی کہ مجھے امن و امان نہ ملے ، اور آسمان کی گردش بھی
 ذلیل دروہا کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی ۔

یہیچے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گناٹھ پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخن تدبیر میں کیل
 فرماتے ہیں : بختِ ناساز نے پہلے ہمارے ناخن تدبیر میں کیل ٹھونک دی تاہم اپنی کسی تدبیر سے گرہ
 نہ کھل سکیں پھر سرِ رشتہ اوقات میں گرہ لگا دی ، مطلب یہ ہے کہ جس قدر وقت ملا اس میں
 ہماری کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی ۔

پیشِ دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم کششِ دم نہیں بے ضابطہ جزِ ثقیل
 فرماتے ہیں : اسی بختِ ناساز کی وجہ سے پیشِ دل اور خوفِ عظیم ملے ہیں اور ان دونوں میں گہرا
 تعلق ہے حتیٰ کہ سانس لینا بھی میرے لئے ایک بڑا بجاری بوجھ اٹھانے کے مترادف ہے ۔

دُورِ معنی سے مرا صفحہِ لقا کی وارمھی غمِ گیتی سے مرا سینہِ عمر و کی زنبیل
 فرماتے ہیں : معنی کے موتیوں سے مرا کاغذِ لقا کی وارمھی بن گیا ہے اور میرا سینہ یہ نہ عمر و عیار کی زنبیل
 جس میں ہر قسم کا غم لئے ہوئے ہوں ۔
 نوٹ : عمر و اور لقا : داستانِ امیر حمزہ کے دو کردار ہیں ۔

فکرِ میری گہرا اندوزِ اشاراتِ کثیر کلکِ میری رستمِ آموزِ عباراتِ قلیل
 فرماتے ہیں : میری فکر گہرا اندوز نے تصویری سی عبارات میں بے حد اشارات ڈال دیئے ہیں جن سے

آپ پر میرا سب حال روشن ہو جانے گا۔

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراش تفصیل
فرماتے ہیں۔ میں ایسا فصیح و بلیغ ادیب و شاعر ہوں کہ میرا مبہم بیان کی ہوا حال توضیح سے بڑھ
کر وضاحت کرنے والا ہے۔ اور جو مجمل ہو اس سے تفصیل ٹپکتی ہے۔

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعبیل
فرماتے ہیں۔ اگر میری حالت ٹھیک ہوتی اور میری طبیعت بھی پریشان نہ ہوتی تو میں ہرگز حضور والا
کو نہ تکلیف دیتا اور نہ ہی جلدی کا مطالبہ کرتا۔

قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر! کعبۂ امن و اماں بنقہ و کشائی میں یہ طویل
سارے تعلقہ کا مقصد اسی شعر میں ہے اور حیرت کی یہ بات ہے کہ یہاں مہذع صاف صاف
بیان کر گئے۔

قطعہ نمبر ۲

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
فرماتے ہیں۔ وہ دن گئے جب تم اپنی لاعلمی کی بنا پر غیروں کی وفاداری اور تعریف و توصیف پر
ہمیں لکچر دیا کرتے تھے۔ اور ہم چپ چاپ اپنے دل میں گھٹتے تھے اور سن لیتے تھے۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی، جانے دو۔ مل جاؤ
 قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں "کیوں ہم نہ کہتے تھے"
 فرماتے ہیں۔ بس اب جبکہ تمہاری اُن سے بگڑ گئی تو ہم سے شرمندگی تمہاری دامن گیر ہو گئی۔ نہ ملنا
 اسی شرمندگی کی وجہ سے۔ بس اب جانے دو۔ ہم سے قسم لے لو ہم کہیں یہ بھی نہ کہیں گے
 "کیوں ہم نہ کہتے تھے۔"

قطعہ نمبر ۳

لکھتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں اک تیر میر سے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!
 وہ سبز و زار ہائے مطرا کہ بے غصب وہ نازیں بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے!
 صبرِ آزادہ اُن کی نگاہیں کہ حَف نظر طاقتِ رُبادہ ان کا اشارا کہ ہائے ہائے!
 وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ! وہ بادہ ہائے ناب و گوارا کہ ہائے ہائے!

معنی حَف نظر۔ چشم بد دور

چاروں اشعار کے معنی صاف ہیں شرح کی ضرورت نہیں۔

قطعہ نمبر ۴

اس قطعہ کی نسبت یہاں جاتا ہے کہ مرزا غالب نے یہ قطعہ کلکتہ کی ایک مجلس میں ایک صاحب کے حلیج پر فی البدیہہ کہا تھا۔ ایک چکنی ڈل اپنی جیب سے اس مجلس میں نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی اور کہا کہ آپ اس پر کچھ کہہ کر دکھائیں۔

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی فریب دیتا ہے لے سے جہتدرا چھا کہیئے
مطلب صاف ہے۔

خامہ انگشت بندیاں کہ اُسے کیا لکھیئے ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیئے
معنی۔ انگشت بندیاں، حیرت میں ڈوب جانا، ناطقہ، عافیت گویائی
فرماتے ہیں۔ میرا قلم حیرت میں مبتلا ہے کہ اس چکنی ڈلی کو کیا کھوں اور میری بولنے کی قوت گہرے
فکر میں ہے۔

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیئے حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیئے
فرماتے ہیں۔ کسی عزیز کے مکتوب گرامی کی مہر سے مشابہت دینی چاہیئے یا کسی شمع و شنگ
معشوق کے بازو کا تعویذ۔

مستی آلودہ سہر انگشت حسیناں لکھیئے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیئے
فرماتے ہیں۔ جینوں کی مستی آلودہ پور لکھنا چاہیئے۔ یا داغ جگر عاشق شیدا کہنا زیادہ مناسب ہے۔

خاتم دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے سر پرستانِ پری زاد سے مانا کہتے
فرماتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے ٹکینے سے تشبیہ ہی جائے یا پری زاد کے
پستان جیسا کہا جائے۔

اخترِ موئنہ قیس سے نسبت دیجئے خالص شکیں رُخِ دل کشِ یلی کہتے
فرماتے ہیں۔ یا اس بکئی ڈلی کو تیس کی پُستی سے مشابہ کہا جائے یا رُخِ یلی کا تِلِ قرر
دیا جائے۔

حجرِ الاسود دیوارِ حرم کیجئے فرض نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہتے
فرماتے ہیں۔ اس کو شجرِ اسود دیوارِ حرم فرض کریں۔ یا اس کو آہوئے ختن کا ناف
کہا جائے۔

وضع میں اس کو اگر جلنے قافِ تریاق رنگ میں سبز و نو خیز مسیحا کہتے
فرماتے ہیں۔ اس کی وضع قطع شکل و صورت کو تریاق کا قاف خیال کرنا چاہیے یا رنگ اد
ترتازگی کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کا زندہ کیا ہوا مردہ۔

صومعے میں اُسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز میکہ میں اسے خشتِ خم صہبا کہنے
معنی۔ صومعہ۔ عبادت کی جگہ
فرماتے ہیں۔ عبادت گاہ میں اس کو سجدہ گاہ یا مے کہہ میں اس کو خشتِ پائے خم صہبا
کہا جائے۔

کیوں اسے قفلِ درگنجِ محبت لکھیے کیوں اسے نقطہٴ پرکارِ تمنا کہیے
فرماتے ہیں۔ کیوں نہ اسے گنجِ محبت کے دروازے کا قفل لکھیں۔ اور کیوں نہ اسے پرکارِ تمنا کا
مرتب نقطہ لکھیں۔

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجئے کیوں اسے مردِ مکبِ دیدہ عنقا کہیے
فرماتے ہیں۔ ہم کیوں نہ گوہرِ نایاب خیال کریں اور کیوں نہ اسے عنقا کی آنکھ کی بتلی کہیں۔

کیوں اسے ٹکمہٴ ہیرا ہنسی لکھیے کیوں اسے نقشِ پےِ ناقدِ مساما کہیے
فرماتے ہیں۔ کیوں اسے ہیلی کے کرتے کی گھنڈی کہیں۔ اور کیوں ہم اسے اونٹنی کے ہیر کی (چاندی
سونے کی رتی) رتی کہیں۔

اپنے حضرتِ کفِ دست کو دل کیجئے فرض اور اس عکینی سپاری کو سویدا کہیے
معنی صاف ہیں

قطعہ نمبر ۵

نہ پوچھ انس کی حقیقتِ حضورِ والہانے مجھے جو بھی ہے بسین کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں۔ نکلتے نہ خلد سے باہر جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بسینی روٹی
معنی صاف ہیں شعرِ شرحِ طلب نہیں ہیں۔

سہرا

خوش ہولے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا

باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

نوٹ۔ یہ وہی سہرا ہے جس کے جواب میں استاد دزدوق نے بھی سہرا کھا تھا۔ اور مقطع میں مرزا غالب نے کہا جاتا ہے اشارتاً چوٹ کی تھی۔

شعر کا مطلب واضح ہے۔

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے

ہے ترے حُسنِ دل اندروز کا زیور سہرا

معنی صاف ہیں۔

سر پہ چڑھنا تجھے بھتا ہے پر اے طرفِ کلاہ!

مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا نمبر سہرا

فرماتے ہیں۔ اے گوشہ کلاہ تجھے سر پہ چڑھنا زیب دیتا ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تیرا رتبہ کہیں سہرا نہ چھین لے۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی

ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لا کر سہرا

کس قدر آب و تاب والا شعر کہلے ہے سبحان اللہ

سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی

تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

معنی صاف ہیں۔

رُخ پہ دُولہا کے جو گرمی سے پسینہ پڑیکا

ہے رگِ ابر گہر بار مرا سر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے

رہ گیا آن کے دامن کی برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہیں ہیں اک چیز

چاہئے پھولوں کا بھی اک، مگر سہرا

معنی نہ، ف میں شرح طلب نہیں

جبکہ اپنے میں سمائیں نہ خوشی کے مارے

گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیوں کر سہرا

فرماتے ہیں۔ کلیں بوجہ جوشِ مُسرت کے پھولی نہیں سمائیں اور بایں وجہ اپنی قبائیں چاک کر

بیٹھی ہیں۔ اس حالت میں ہرے کی لڑی میں کیونکر کوئی اُن کو گوندھے۔

رُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک

کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر ہہرا
فرماتے ہیں۔ رُخ روشن کو فروغِ ماہ سے اور مزیوں کو رُخِ غلطاں استاروں کی چمک سے
مشابہ کیا ہے۔ نوٹ شعر کی چمک، دمک استاروں سے کم نہیں۔

تارِ ریشم کا نہیں۔ ہے یہ رگِ ابر بہار

لائے گا تابِ گراں باری گوہر ہہرا
ذبانے ہیں۔ سہارِ ریشم کے تار سے نہیں بلکہ رگِ ابر بہار سے گوندھا ہے۔ ریشم کے تار میں
یہ تابِ دھواں نہ تھی کہ موتیوں کا بوجھ اٹھا سکے۔

ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرف دار نہیں

دیکھیں کہ دے کوئی اس ہرے سے بڑھ کر ہہرا
ناظرینِ خود ہی دیکھ لیں۔

معذرتِ قطعہ

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ حالِ واقعی حضورِ والا کی خدمت میں عرض کروں۔ مجھے اپنے بیان کا
حسن دکھانا منظور نہیں ہے۔

سولپشت سے ہے پیشہ آباسپہ گری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
 فرماتے ہیں۔ میرے باپ دادوں کا پیشہ تو پشت سے سپہ گری ہے جو اہل قلم ہونے سے میرے
 نزدیک بہت عزت و وقار کا مال ہے۔

آزادہ روم ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 فرماتے ہیں۔ میں آزادہ روش اور صلح کل مسلک رکھتا ہوں۔ کبھی کسی سے دشمنی نہیں کرتا۔

کیا کہہ ہے یہ شہ ف کہ ظفر کا غلام ہوں مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 فرماتے ہیں۔ یہ شہ ف میرے لئے کیا کم ہے کہ میں بہادر شاہ ظفر کا غلام ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ
 میرے پاس کوئی عہدہ اور ثروت نہیں ہے۔

استاد شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
 فرماتے ہیں۔ میں پاگل نہیں ہوں کہ استاد شہ مکرم و محترم سے ٹوک جھوک کروں۔ میرے تو
 خیال کے کسی گوشہ میں یہ بات نہیں۔ ایسی نہ جرات اور نہ ہی تاب و توان رکھتا ہوں۔

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 فرماتے ہیں۔ حضور والا کو قدرت نے دُغمیہ دیا ہے کہ دُنیا جہاں کا حال روشن رہتا ہے جس طرح
 جمشید بادشاہ کا پیالہ تھا کہ وہ اس میں جس کا چاہے مال دیکھ لیتا تھا۔ آپ کا ضمیر ایسا ہی ہے
 لہذا مجھے قسم کھانے اور گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں آپ خود فیصلہ کر لیں۔

میں کون اور رنجیتہ؟ ہاں اس سے مدعا جزا انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ بولا میں کہاں اور اردو سٹ امیری کہاں۔ میری کیا حیثیت کہ ایسا دعویٰ کروں۔ یہ اذہما
اور مقصود صرف اور صرف جہاں پناہ کی خوشنودی ہے۔

سہرا لکھا گیا زردہ امتثالِ امر دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ سہرا حضور دانا کے حکم پر لکھا گیا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

مقطع میں آپرڈنی ہے سخن گسترانہ بات مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ مقطع میں میں کچھ کہہ گیا ہوں وہ ایک سٹ علانہ بات ہے اس سے زائد اور کوئی مقصد
نہیں تھا۔ اور نہ دوستانہ مراسم قطع کرنا مقصود ہے۔

دوئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ سودا نہیں جنوں نہیں دشت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ میں نے اگر کسی پر چوٹ کی غرض سے لکھا ہو تو میرا منہ کالا۔ میں ایسی حرکت آخر کس
لئے کرتا ہوں پاگل نہیں مجنوں نہیں وحشی نہیں۔

قسمت بڑی سہی پر طبیعت بڑی نہیں بے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ مانا کہ بد قسمت ہوں لیکن قسمت نے طبیعت بڑی نہیں بنائی اور اپنی بد قسمتی کا کسی
سے گلا بھی مجھے نہیں ہے۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
فرماتے ہیں۔ غالب خدا کی مفت بھی ہے اور مرزا اسد اللہ خاں صاحب کا تلفظ بھی۔ غالب خدا کہہ کر
بابت میں جو حسن پیدا کیا ہے۔ تعریف نہیں ہو سکتی بمعنی صاف ہیں۔

قطعہ نمبر ۸

نصرت الملک بہادر! مجھے بتلا کہ مجھے تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے؟
فرماتے ہیں۔ اسے نصرت الملک بہادر آپ مجھے بتائیں کہ آپ سے اس قدر عقیدت اور قلبی محبت
کیوں ہے۔

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے رونق بزم مرہ و مہتری ذات ہے
فرماتے ہیں۔ تیری ذات گرامی وہ ہے کہ اگر وہ بار لگائے تو مرہ و مہر کو بھی تیری ذات سے رونق ملے۔

اوپر میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں غیر کیا خود مجھے نصرت میری اوقات سے ہے
فرماتے ہیں۔ مگر میری اپنی حالت یہ ہے کہ میں خود اپنی ذات پر نظر غور ڈالتا ہوں تو اس قدر کمزوریاں
دکھاتی دیتی ہیں، غیر تو غیر ہی ہے مجھے خود اپنی اوقات سے نصرت ہوتی ہے۔

خستگی کا ہو مبعلا جس کے پیسے بہر دست نسبت اک گونہ کے دل کو ترے ہات سے ہے
فرماتے ہیں۔ اپنی خستہ حالی کے سبب سے فی الحال تیری ذمہ نوازی کی جانب آنکھیں لگائے رکھتا
ہوں، خوش قسمت ہوں کہ مجھے تجھ جیسے عمن سے عقیدت کا تعلق ہے۔

ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عنان یہ دُعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
فرماتے ہیں۔ قاضی حاجات سے صبح و شام تیری اقبال مندی کے لئے دُعا گور رہتا ہوں۔

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات ہے
مطلبِ وضع ہے ۔

اس پہ گزے نہ گماں ریلو دریا کا زہار غالب خاک نشیں اہلِ خرابات ہے
فراتے ہیں ۔ میرے بیان سے مجھ پر مکاری دریا کاری کو گدیں ہرگز نہ کرنا میں تو اک خاک نشیں
دندِ خرابات ہوں ۔ مابد و زائد بولے کا دعویٰ نہیں ۔ نہ ہی میری وضع قطع میں ایسے شک کی
گنجائش ہے ۔

قطعه نمبر ۹

ہے چار شبہ آخر ماہِ صفر چلو رکھ دیں چین میں بھر کے بے شک و بو کی ناند
فراتے ہیں ۔ آج آخری ماہِ صفر کا چہار شبہ ہے ۔ ہیں چلبے کہ ہم چین میں بے بو کی ایک
ناند بھر کر رکھ دیں ۔

جو آئے جامِ بھر کے پئے اور ہو کے مست سبزے کو روندنا پھرے پھولوں کو جائے پھاند
فراتے ہیں ۔ اور ہر آنے والا جامِ بھر بھر کے پئے اور جب مست ہو جائے تو گھاس کو روندنا
اور پھولوں کو پھاندنا پھرے ۔

بٹتے ہیں سونے روئے کے چھلے حضور میں ہے جن کے آگے سیم و زر و مہر و ماہ ماند
فراتے ہیں ۔ حضورِ شاہِ دربار میں آج سونے کے چھلے بٹتے ہیں جن کے مقابلہ میں پاندی سونے

اور مہر و مرہ کی آب و تاب کچھ نہیں۔

یوں سمجھیے کہ بیج سے نمالی کئے ہوئے لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند فرماتے ہیں۔ ان چیتوں کو یوں خیال کرنا چاہیے کہ یہ سینکڑوں آفتاب اور بے شمار چاند ہیں جن کو بیج میں سے خالی کر دیا گیا ہے۔

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ بجاتی نہیں۔ ہے اب مجھے تیری نشت و خواند فرماتے ہیں۔ اسے غالب یہ کیا بیان اور کیا فضول گوئی اور کیا تشبیہات کہ رہا ہے مجھے تو اب بادشاہ سلامت کی مدح کرنی چھٹی گئی ہے۔

قطعہ نمبر ۱۰

اے شاہ جہاں گیر جہاں بخش جہاندار۔ ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت فرماتے ہیں۔ بادشاہ کی تین صفات بیان کر کے اشارہ فرماتے ہیں غیب سے بشارت پانے کی وجہ سے تیرا کام ہو جاتا ہے۔

جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ داپو تو داکر سے اس عقدے کو سمجھی بہ اشارت فرماتے ہیں۔ تیرے ادنیٰ اشارے سے برسوں کے عقدے حل ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی بے حد کد کاوش سے نہیں حل ہوتے۔

ممکن ہے کہ غے خضر سکند سے ترا ذکر؛ گلاب کو نہ دے شجرہ حیواں سے طہارت

فرماتے ہیں۔ یہ میں ممکن ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سکنہ۔ سے تیری شان و شوکت عز و جاہ کا تذکرہ کریں مگر تیرے ذکر سے پہلے انہیں آبِ حیاں سے یکیں کر کے اپنے منہ کو مزید پاکیزہ بنانا ہوگا۔

آصف کو سیماں کی وزارت کے شرف تھا ہے فخر سیماں جو کہ سے تیری وزارت فرماتے ہیں۔ آصف کو سیماں کا وزیر بننے میں شرف تھا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ تیری وزارت۔ سے سیماں کو فخر ہوگا۔

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الہی ہے داغِ غلامی ترا تو قیصرِ امارت فرماتے ہیں۔ تیری عقیدت اور تیری بیعت حکمِ الہی ہے اور جس کو ترا داغِ غلامی نصیب ہو وہ اس کی امارت کی ضامن ہے۔

تو آبِ سے گریب کرے طاقتِ سیماں تو آگ سے گریب کرے تابِ شرارت
ٹھونڈے نہ ملے موجِ دریا میں روانی باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
یہ اشعار لف و نشر کہے جاتے ہیں۔ یعنی دونوں شعر ایک دوسرے میں لپٹے ہوئے ہیں۔

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت فرماتے ہیں مجھے شعروں کی دھن ہے میں بہت مشتاقِ شاعر ہوں نکتہ سرائی اور بادریانی میں بہت ماہر ہوں۔

کیونکہ نہ کروں مدح کو نہیں خستم و عار پر قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت فرماتے ہیں۔ میں تمہارے اصنافِ مدح کے بیان میں قاصر ہوں بلکہ اجموراً ہوں۔ مدح کو دُعا پر

ختم کرتا ہوں۔

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں نظار گئی صنعتِ حق اہل بصارت
تجہ کو شرفِ مہر جہاں تاب مبارک غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت
فرماتے ہیں۔ نیا سال ہے۔ اللہ کی نعمتوں اور قدرتوں کے لوگ نظار سے کر رہے ہیں اور آپ کو بھی جہاں
کو روشن کرنا بدک ہو۔ اور غالب کو آپ کے شان و شوکت والے آستان کی زیارت

قطعہ نمبر ۱۱

انظارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
معنی و مطلب صاف ہیں کوئی شرع طلب نہیں۔

قطعہ نمبر ۱۲

اے شہنشاہِ آسمان اور نگ اے جہاندارِ آفتاب آثار
فرماتے ہیں۔ اے شہنشاہِ بلند و بالا تخت پر بیٹھنے والے اور اے فاتحِ جہاں میں طرحِ سورج نے
دنیا کو فتح کیا اور فیض کا باعث بنا۔ آپ کی ذات والا ایسی ہے۔

تھامیں اک بے لڑائے گوشہ نشیں تھامیں اک درد مند سینہ فگار
فرماتے ہیں۔ میں اک بے سرو سامان گوشہ نشیں درد مند دل سینہ فگار تھا۔

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ہوئی میسری وہ گرمی بازار
فرماتے ہیں۔ آپ عزت نواز ہیں مجھے عزت بخشی جس کے باعث میری شہرت ہوئی۔

کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز روشناسِ ثوابت و سیار
فرماتے ہیں۔ میں ناچیز آپ کی نوازش کی وجہ سے اُن ہستیوں میں جو چمکنے ہوئے گھومتے ہیں اور گوشہ نشیں
ہستیوں میں شہرت پا گیا۔ یہ سب آپ کی نظرِ عنایت ہے۔

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
فرمایا۔ اگرچہ میں بے ننگ نام بے ہنر خود اپنی نظر میں اپنے آپ کو حقیر مانتا ہوں۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں بادشہ کا غلام کار گزار
معنی صاف ہیں۔

خانہ زاد او مرید اور نداح تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر نسبتیں ہو گئیں شخص چار
نہ کہوں آپ نے تو کس سے کہوں مدعا سے ضروری الاظہار

فرماتے ہیں۔ آپ کے سوا میرا کون ہے لہذا ضروری امور و مشکلات آپ سے ہی مجھے کہنے ہیں۔

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں ذوقِ آرائشِ سر و دستار
فرماتے ہیں۔ پیر و مرشد مجھے لباسِ فاخر کا شوق نہیں۔ صرف تن کا ڈھانکنا ضروری خیال
کتابوں

کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر تا نہ وے یادِ زمہریر آزار
فرماتے ہیں۔ موسمِ سرما میں ٹھنڈے بچنے کے لئے کچھ تو چاہیئے۔ تا نقصان نہ پہنچے

کچھ نہ درکار ہو مجھے پوشش	جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدنا نہیں ہے اب کے سال	کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ میں جائیں ایسے لسیل و نہار
آگ تپا پے کہاں تلک انساں	دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی	وَقَدْ نَارَ بَنَّا عَذَابَ النَّارِ (ہمارے رب ہیں آگ کے عذاب بچا،
میری تنخواہ جو مقرر ہے	اُس کے ملنے کا ہے عجب ہمتجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک	خلق کا اسی چلن پر مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیہ حیات	اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار

بس کہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں تہائی کا ہو گیا ہے شریک ہسٹوکار
 آج مجھ سے نہیں زمانے میں شاعر نعر گوئے خوش گفتار
 رزم کی داستان اگر سُتے ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 بزم کا التزام گر کیجئے ہے قلم میرا اپر گو ہر بار
 ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد قہر ہے گر کہ نہ مجھ کو پیار
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
 میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
 ختم کرتا ہوں اب دُعا یہ کلام شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تُم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دل بچاس ہزار!

یہ قطعہ مرزا غالب نے بہت آسان زبان میں لکھا ہے جو اُن کی خاص طرز سے مختلف ہے۔
 لہذا کسی تشریح اور شرح کی ضرورت نہ خیال کی۔

قطعہ نمبر ۱۳

سیہ کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو نہ غلبہ تیسرے کبھی کسی پہ مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

معنی - سیہ کلیم، کالا لباس پہنے ہوئے مراد۔ غموں کا مارا ہوا بد قسمت
شریک غالب - جس کا حقد دوسروں سے سوا ہو۔

قطعہ نمبر ۱۴

سہل تھا سہل دے یہ سخت مشکل آ پڑی مجھ پہ کیا گزری گئی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد تین سہل تین تبریدیں یہ سب کئے دن ہوئے

سہل - جلاب، تبرید - ٹھنڈ دینے والی معجون، جلاب کے بعد
یہ قطعہ دربار سے غیر حاضر ہونے کے لیے بادشاہ کو لکھا تھا۔

قطعہ نمبر ۱۵

نخستہ آنجنم طوئے میرزا جعفر کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی غلطوٹ

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی معظوظ

۱۸۵۴ء

قطعہ نمبر ۱۶

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزم طرب میں رقصِ تابید
کہا غالب تاریخ اس کی کیا ہے تو بولا انشراحِ جبین جمشید

۱۲۷۰ء

قطعہ نمبر ۱۷

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں درباردار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہوئے کرتے ہیں سلام اس سے ہے میراد کہ ہم آشنا نہیں
نوٹ۔ بادشاہ کے درباری جب ایک دوسرے کو سلام کرتے بھلے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سلام
کرنے کے، دائیں کان پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ چونکہ اردو میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے
معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں۔



زبایات

بعد از تمام بزم عید اطفال ایام جوانی رہے سحرش حال
آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم اے عمر گزشتہ یک قدم استقبال

فرماتے ہیں۔ یہیں کا زمانہ عید اطفال ختم ہو گیا اور جوانی کی بے راہروی بھی اپنے اختتام کو پہنچی اب ہم بڑے بچے
سے بھی گزر کر سوادِ اقلیمِ عدم میں داخل ہونے والے ہیں۔ وہاں ہمارے استقبال کو اے عمر گزشتہ
آجاتا دو چار دن ایک دفعہ پھر عید اطفال کی بزم لگائیں اور ایامِ جوانی کے دلوں کے بادہ و ساغر
اچھائیں بظاہر یہ ہے کہ عمر گزشتہ دو چار دن کے لئے ہی پلٹ آئے۔

۲

شب۔ زلف و رخ عرقِ فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طغیانِ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے بے تک ہر قطرہ اشک دیدہ پرُ نم تھا
فرماتے ہیں۔ رات مجھے اُس کی زلفیں اور رخ عرقِ فشاں اس قدر یاد آیا کہ کیا کہوں میں تمام رات کسو
ہاتا رہا۔ جیسے کوئی ہزار آنکھوں سے یکدم دور رہا ہو ہر آنسو آنکھ کی تنقیدی اور سیاہی لیے
ہوئے تھا گویا ہر آنسو میرا اک آنکھ بن گیا تھا۔

۳

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لئے کیا ہے، کیا کھیل نکال
 فرماتے ہیں۔ آتش بازی جس طرح بچوں کا کھیل ہے اس طرح پر سوزِ جگر کا جلنا بجھنا ہے عشق کا ایجاد
 کر لے والا ضرور کوئی قیامت کا پتلا تھا۔ جب بھی سینانِ جہاں اپنے عاشقوں پر ہمہ وقت ستم
 کرتے اور عاشقوں کے سوزِ جگر پیدا کرتے ہیں اور یہ شغل ان کو بہت مرعوب ہے۔

۴

دل تھا کہ جو جانِ درِ ہمیدہ بھی بے تابیِ رشک و حسرت دیدہ بھی
 ہم اور فشرِ دل اسے تجسلیِ افسوس تکرارِ روا نہیں تو تجسیدِ بھی
 فرماتے ہیں۔ جب دل رکھتے تھے تو زندگی سے متعلق تمام مصائب و آلام برداشت کر لیا کرتے تھے
 مثلاً بے تابی و رشک و حسرت دیدہ ان کو سہہ یعنی کی قیمت و طاقت تھی مگر اب ہم یارِ انفرنگی
 دے تے تابی۔ اسے تجلیِ طور اگر تکرارِ عدم سے لانا خلافِ قانون ہے جائز نہیں۔ تو کم از کم کچھ تجسید
 تو ہو سکتی ہے بخود ہی بہت کمی بیشی سے مجھے سوز و گداز مہیا کر۔ تا میری یہ ہوس پوری ہو۔

۵

ہے خلقِ حدِ تلاشِ رُٹنے کے لیے وحشتِ کدہ تلاشِ رُٹنے کے لیے
 یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد ملتے ہیں یہ بد معاشِ رُٹنے کے لیے
 فرماتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے حد کرنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ کام کاج کی تلاش بھی رُٹنے مرنے کی غرض
 سے دکھائی دیتی ہے۔ جب بھی یہ بد معاش باہم ملتے ہیں تو کاغذِ باد یعنی (پتنگ) کی طرح
 رُٹتے ہیں۔

۶

دل سخت نژد ہو گیا ہے گویا اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
 پر یار کے آگے بول سکتے نہیں غالب مُنہ بند ہو گیا ہے گویا
 معنی نژد ہو گئیں

فرماتے ہیں . یار سے گلہ مند ہونے کی وجہ سے دل بہت اُوکس ہو گئیں ہے ادا ان دونوں باتوں
 کے سبب ہم یار کے سامنے بول نہیں سکتے جیسے کہ غالب مُنہ بند ہو گیا ہے .

۷

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رک کر بند ہو گیا ہے غالب
 واللہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب
 معنی صاف ہیں .

۸

مشکل ہے زبں کلام میرا اے دل سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
 فرماتے ہیں . اے دل غالب میرا کلام سخنورانِ کامل کے لئے بھی مشکل ہے وہ سہل اور آساں کہنے کی
 فرمائش کرتے ہیں . جو میرے لئے مشکل ہے چونکہ طبیعت کا تقاضا ہے کہ بلند و بالا مضمون اشعار
 میں ہیاں کروں اور آساں و سہل الفاظ اُن مضمون کے حامل نہیں ہو سکتے . اب کروں تو کیا کروں

نہ اپنی طبیعت کو بدل سکتا ہوں اور نہ ان کی کم فہمی دور کر سکتا ہوں۔

۹

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ حم جاہ نے دال ہے نطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہِ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولتِ دین و دانش و داد کی دال
فرماتے ہیں۔ مونگ کی دال بادشاہ کو بہت پسند تھی جو شاہِ پسند کہلاتی تھی اس کے شکر یہ
میں یہ رباعی شاہ کو لکھ بھیجی تھی بطور شکر یہ۔

۱۰

میں شہ میں صفاتِ فوالجہال باہم آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سائل و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدر و دیوالی باہم
فرماتے ہیں۔ بادشاہ سلامت جلالی اور جمالی دونوں صفات سے متصف ہیں لہذا ہندو مسلمان دونوں
ہی اسائل و عالی بخش ہیں چونکہ دیوالی اور شبِ قدر ایک ہی روز ہے

۱۱

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہِ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے
فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ کو سلامتی بخشے تا بادشاہ اپنی رعایا میں عقل و دانش کی مدد سے صل و منف
کو جاری و ساری کئے اور آپ کے رشتہ عمر میں جو ایک گانٹھ لگی ہے اس میں ایک صفر کی زیادتی ہوئی ہے

۱۲

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا
مزید دعائیہ زبانی معنی صاف ہیں ۔

۱۳

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشق کی پیش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

۱۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ ! وہ آپ ہیں صبح و شام کہنے والے
درنگ ۔ دیر توقف ۔ تاخیر وقف

۱۵

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں ؟ آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں ؟
روزہ مرا ایسا مان ہے غائب لیکن خس خزانہ و برف آب کہاں سے لاؤں ؟

۱۶

ان سیروں کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بیجھے ہیں جوار مغال شہ والا نے
گن کر دیوں گے دُعا میں سو بار فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

۱۷

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقبِ حرکت یہ کہ ہے بے باتم نے
حاجی کلو کو دے کے بے وجہ جواب غالب کا پکا دیا کیلچا تم نے

۱۸

اے روشنی دیدہ شہاب الدین خاں کُتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان؟
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک سُنتے ہو تراویح میں کتنے قسماں؟



وہ اشعار، قطعات اور قصیدہ جو دواوین مروجہ میں نہیں ہیں

قصیدہ نمبر ۱

مرحبا سال فرخی آئیں عید شوال و ماہ فرور دین
فرماتے ہیں۔ مرحبا سال خوش نصیبی، عید الفطر و فرور دین (فارسی سال کا پہلا مہینہ)

شب و روز افتخار لیل و نہار مدد سال اشرف شہور و سنیں
فرماتے ہیں۔ باعث فخر شب و روز لیل و نہار اور مدد سال جو اشرف ہیں سارے مہینوں اور سالوں میں

گرچہ ہے بعد عید کے نو روز ایکیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
فرماتے ہیں۔ اگرچہ عید کے بعد نو روز ہے لیکن اکیس دن سے زیادہ دور نہیں

سو اس اکیس دن میں ہولی کے جا بجا مجلسیں ہوں رنگیں
فرماتے ہیں۔ اُن اکیس دنوں میں جگہ جگہ ہولی کی تقریبات دھوم دھام سے منائی جائیں گی

شہر میں کو بہ کو عبیر و کلال باغ میں سونو گل و نسری
فرماتے ہیں۔ سارے شہر میں خوشبودار سنوف، گلہ تے اور باغوں کی طرح پھول گل و نسری
کھلیں گے۔

شہر گویا نمونہ گلزار باغ گویا نگارخانہ چہیں
فرماتے ہیں۔ شہر گلزار ہی نہیں بلکہ میں کا نگارخانہ بنے گا۔

تین تیوہار اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کہیں
فرماتے ہیں۔ اس خوبی کے ساتھ تین تیوہار کبھی جمع نہیں ہونے ہوں گے۔

پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں منعقد محفل نشاط قریں
فرماتے ہیں۔ پھر خوشی کی بات یہ بھی کہ اسی مہینے میں محفل نشاط بھی منعقد ہوگی۔

محفل غل صحت نواب رونق افزائے مسند تمکین
فرماتے ہیں۔ اور نواب صاحب صحت کی محفل میں رونق افزا ہو کر اپنی مسند کو قوت تمکین بخشیں گے۔

بزم گہ میں امیر شاہ نشان رزم گہ میں حریف شیر مکیں
فرماتے ہیں۔ موصوف کی ذات و ملازم میں شانہ اور جنگ میں شیر مہیسی ہے۔

پیش گاہ حضور شوکت و جاہ خیر خواہ جناب دولت و دیں
فرماتے ہیں۔ آپ کی مسند آسمان کا ٹکڑا اور انگوٹھی میں آفتاب جیسا نگینہ جڑا ہے

جن کی مسند کا آسمان گوشہ جن کی خاتم کا آفتاب نگیں
فرماتے ہیں۔ آپ کی مسند آسمان کا ٹکڑا اور انگوٹھی میں آفتاب جیسا نگینہ جڑا ہے۔

جن کی دیوارِ قصر کے نیچے آسمان ہے گدائے سائے نشیں
فرماتے ہیں۔ اور موصوف کے محل کی دیوار کا سایہ آسمان بھی پاتا ہے کہ مل جائے۔

دہریں اس طرح کی بزم سرور نہ ہوئی ہو کبھی بردے زہیں
فرماتے ہیں۔ دنیا میں اس طرح کی بزم سرور کبھی نہیں دیکھی گئی۔

انجم چرخ گوہر آگین فرش نور بے ماہ سانبر سیمیں
فرماتے ہیں۔ فرش پر تارے چمک مک رہے ہیں۔ نور چاند کے بغیر چاندنی ہو گئی ہے

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
فرماتے ہیں۔ راجہ اندر کا اکھاڑا چرخ بریں کی بالائی سطح پر پہنچ گیا لیکن یہ زمین پر رونق افروز ہے۔

وہ نظر گاہِ اہل دہم و خیال یہ ضیا بخش چشم اہل یقین
فرماتے ہیں۔ اب تو وہ پس اہل دہم کے ہی خیال میں ہے۔ مگر یہ منہ اہل یقین کی آنکھوں کو روشن کر رہا ہے۔

واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم؟ کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
فرماتے ہیں۔ اندر کے اکھاڑے میں ایسی جود و سخا کس نے دیکھی۔ وہاں تو کسی گدا کر کا نام نہیں سنا

یاں زہیں پر نظر جہاں تک جائے ژالہ آسا۔ بچھے ہیں در شمین
فرماتے ہیں۔ لیکن یہاں تو بدتر نظر انداز میرے جواہرات بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں (یعنی جود و سخا کے لئے)

لغۂ مُطربان ز صراوا جلوۂ لولیان ماہ جبیں
فرماتے ہیں۔ نہر تو لغتے گانے والیاں اور چاند جیسی صورت والیاں جلا رہی ہیں۔

اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون یاں وہ دیکھا حیشم صورت میں
فرماتے ہیں۔ جو کچھ ذہن میں آسکتا ہے وہ وہاں موجود ہے۔ ہم خود جچشم دیکھتے ہیں مطلب
ہے خیالی نہیں ہے۔

سرورِ مہر فر ہوا جو سوار بہ کمالِ تہمل و تزیں
فرماتے ہیں۔ دانش و ذہنیت کا سردار بہ کمال جلوہ افروز ہے۔

سب نے جانا کہ ہے پری تو سن اور بالِ پری ہے دامنِ زیں
فرماتے ہیں۔ دُنیائے جان لیا کہ پری تو سن اور پری کے پیروں والی زین پر سوار وہ سردار ہے۔

نقشِ ستمِ سمند سے یکسر بن گیا دشتِ دامنِ گلچیں
فرماتے ہیں ستمِ سمند کے نشانوں سے دشتِ گلچیں کے دامن جیسا گل و گلزار بنا ہوا ہے۔

فوج کی گرد راہِ مشکِ فشاں رہ رووں کے مشامِ عطر آگیں
فرماتے ہیں۔ فوج کی راہ گرد مشک کی خوشبو چلنے والوں کے لئے ہر طرف عطر بکیر رہی ہے۔

بس کہ نجی ہے فوج کو عزت فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

فرماتے ہیں۔ فوج کو بڑی عزت ملی ہے حتیٰ کہ پیادہ بھی بڑی عقل و دانش رکھتا ہے

موکبِ خاص یوں نہیں پر تھا جس طرح ہے سپہر پر پرویں
فرماتے ہیں۔ یہ لشکر زمین پر آسمان کے ستاروں جیسا معلوم دیتا ہے۔

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام ران پر داغ تازہ دے کے دیں
فرماتے ہیں۔ بہرام گور کو شکار کرتا ہے تو اس کی ران پر ضرب لگا کر چھوڑ دیتا ہے

اور داغ آپ کی غلامی کا خاص بہرام کا ہے زیبِ سرری
فرماتے ہیں۔ اور بہرام کا وہ داغ لگانا اصل میں آپ کی غلامی کا ٹھپہ ہے۔

بسنده پور ثنا طرازی سے مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں
فرماتے ہیں۔ بندہ پور مدحِ سرانی سے مقصدِ فنِ شاعری نہیں ہے

آپ کی مدح اور میرامنہ گر کہوں بھی تو اُسے کس کو یقین
فرماتے ہیں کہیں آپ کی مدح اور کہاں میرامنہ اگر کسی سے کہوں تو اُسے یقین بھی نہ آئے۔

اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سے ہو گیا ہوں نزار و زارِ حسری
فرماتے ہیں۔ اوائس پہ بڑھاپا جس کی وجہ سے کمزور ہی نہیں بلکہ حالتِ زار اور غمگین رہتا ہوں۔

پیری و نیستی خدا کی پناہ دستِ خالی و خاطرِ غمگیں

فرماتے ہیں۔ بڑھاپہ کے ساتھ بدیہی و ناداری پیسہ پاس نہیں اور خاطر کا غم زدہ رہتا۔

صرف اظہار ہے ارادت کا۔ ہے تسلیم کو جو سجدہ زیرِ زمیں
فرماتے ہیں۔ جو کچھ کھڑا ہوں وہ محض عقیدت ہے اسی وجہ سے قلم سترگوں ہے۔

مدح گستر نہیں دُعا گو ہے غالبِ عاجزِ نیاز آگئیں
فرماتے ہیں۔ آپ کی محض مدح ہی نہیں بلکہ آپ مجھے اپنا خیر خواہ اور دعا گو خیال کریں۔ غالبِ نیاز مند ہے

ہے دُعا بھی یہی کہ دُنیا میں تم رہو زندہ جاوداں! آئیں
فرماتے ہیں۔ بس میری دُعا یہی ہے کہ آپ کو حیاتِ جاوداں عطا ہو۔

قطعہ نمبر ۲

ایک اہلِ درد نے سزاں جو دیکھا قفس یوں کہا آتی نہیں اب کیوں صدائےِ عنذیب؟
بالِ وپر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عنذیب
”منی صاف ہیں۔“

اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں جوشِ وحشت میں
 سرا سیمہ پھرا گھبرا گیا تھا جی بیاں سے
 نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروح پر بستہ
 پٹکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
 کہا میں نے کہ او گنہام! آخر اجرا کیا ہے
 پڑا ہے کام تجھ کو کس شکرِ آفتِ جاں سے
 ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے پھر مجھ کو جو پہچانا
 تو یہ رویا کہ جوئے نگوں ہی پلوں کے داماں سے
 کہا میں صید ہوں اُس کا کہ جس کے دام گیسو میں
 پھنسا کرتے ہیں طائرِ روزِ اکبرِ باغِ رضواں سے
 اُسی کی زلفِ دُرُخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھ کو
 نہ مطلب کفر ہے اور نہ ہے کچھ کام ایساں سے
 بچہ شیمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا
 کہ جل کر ہو گیا یوں خاکِ میری آہِ سوزاں سے
 ماہیتِ شرح نہیں

اس کتابِ طرب نصاب نے جب آبِ وقاب انطباع کی پائی
فرماتے ہیں۔ اس سرت انگیز نصاب نے جب معنی حسن ظاہر کیا۔

فکرِ تاریخِ سال میں مجھ کو ایک صورت نئی نظر آئی
فرماتے ہیں۔ تو مجھے فکرِ تاریخِ سال میں ایک نیا طریق نظر آیا۔

ہند سے پہلے سات سات کے دو دیئے ناگاہ مجھ کو دکھائی
فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ پہلے سات سات ۲ سو مجھے نظر آئے یعنی ۷۷

اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا با ہزاراں ہزار زیبائی
فرماتے ہیں۔ بعد ازیں بارہ کا ہندسہ ہزاروں کا ہزار نظر آیا یعنی ۱۲۷۷

سالِ ہجری تو ہو گیا معلوم بے شمول عبارتِ آرائی
فرماتے ہیں۔ اس طریق سے سالِ ہجری نکل آیا (بغیر حرفِ ابجد) کی عبارتِ آرائی کلمے ہوئے۔

مگر اب ذوقِ بذلہِ بنی کو ہے جُدا گانہ کا فرمائی
فرماتے ہیں۔ مگر ذوقِ بذلہِ بنی نے اپنا الگ کام کیا۔

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ بہ امیدِ سعادت افزائی
فرماتے ہیں۔ یعنی سات کو سات میں جمع کیا نیک خواہش رکھتے ہوئے۔

غرض اس سے ہیں چار دہ معصوم جس سے چشم و جاں کو زیبائی
فرماتے ہیں۔ اس طرح چودہ معصوم نکل آئے جن سے چشم جان کو زینت ملتی ہے۔

در بارہ امام ہیں بارہ جس سے ایماں کو ہے توانائی
فرماتے ہیں۔ صبارہ میں امام ہیں بارہ جن کی وجہ سے تقویتِ ایمان ہے

اُن کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

فرماتے ہیں۔ اُن کے لئے غالب یہ سال مبارک ہے جو بارہ ائمہ کے تولائی ہوں۔

غزل

شبِصال میں منس گیا ہے بن تکیہ ہوا ہے موجبِ آرام جان و تن تکیہ
فرماتے ہیں۔ شبِصال میں تکیہ آرام دہ اور دوست ہے۔ وہ خیم و جاں موجبِ راحت و آرام ہے

خراج بادشاہ ہیں سے کیوں مانگوں آج؟ کہ بن گیا ہے خم جعد پر شکن تکیہ
فرماتے ہیں۔ شاہ چین سے میں خراج تحسین کیوں نہ پا ہوں جبکہ میرے محبوب کے گنہگار ہوں بالوں کا تکیہ
مجھے حاصل ہے مطلب یہ ہے کہ اس جیسا کہ شاہ چین کو بھی حاصل ہو جائے۔

بنا ہے تختہ گل ہائے یاس میں بستر ہوا ہے دستہ نسیرین و نستر تکیہ
فرماتے ہیں۔ میرے بستر کا گدایا میں کے پھولوں کا ہے جس میں مسرا پھولوں کے اور کچھ نہیں بچیکہ
میں پھولوں کا گلہ است ہے اور وہ بھی بیلے اور چنبیل کے پھولوں کا۔

فروغ حسن سے روشن ہے خواب گاہ تمام جو رختِ خواہی پر دیں تو ہے پر تکیہ
فرماتے ہیں۔ رختِ خواب، سونے کا لباس کہتے ہیں میرا اسرا شہستان فروغ حسن سے جگمگ کر
رہا ہے اور رختِ خواب نباتِ انش اور عقدہ ثریا ہے

مزلے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا رکھے جو بیج میں وہ شمعِ سیم تن تکیہ
معنی صاف ہیں۔

اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ
معنی صاف ہیں۔

ہوا ہے کاٹکے چادر کو ناگہاں غائب اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ
معنی۔ نل، راجہ، دمن اس کی محبوبہ

بضرِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہنِ تکیہ
 فرماتے ہیں۔ کوہنِ تیشہ سے یوں ہلاک ہوا کہ وہ تیشہ کے فن پر تکیہ کئے ہوئے تھا اُسے چاہیے تھا کہ
 شیریں کے دل کو اپنے جذبہ محبت اور عشق سے اُسے فتح کرتا اور انہیں پر توکل کرنا نہ کر تیشہ پر

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمنِ تکیہ
 فرماتے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھوڑی سی دیر کا ہنگامہ ہے۔ بایں وجہ اہلِ انجمنِ زندگی پر تکیہ نہ کرو۔

اگرچہ پھینک دیا تم نے دُور سے لیکن اٹھائے کیونکہ یہ رنجِ خستہ تنِ تکیہ
 فرماتے ہیں۔ تم نے دُور سے اگرچہ میری طرف تکیہ پھینک بھی دیا تو میں کیسے اٹھاؤں۔ میں بیمار و نحیف ہوں۔

غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو ہوئی ہے اُس کو مریٰ نعش بے کفنِ تکیہ
 فرماتے ہیں۔ میرے قتل کے بعد میرا قاتل بوجہ حیرت و استعجاب جھوش ہو کر گر گیا اور میری نعش
 بے کفن نے اس کو سہارا دیا اور اس کے لئے تکیہ بنا۔

روا رکھو نہ رکھو، تھا جو لفظ تکیہ کلام اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخنِ سخنِ تکیہ
 فرماتے ہیں۔ شبِ فراق میں میری اذیت کا یہ حال ہے کہ میرا پھونسا ساپ ہے اور میرا تکیہ ساپ
 کا ہرہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جسم کو چھین ہے نہ دماغی سکون ہے۔

ہم اور تم فلکِ پیرِ جوں کو کہتے ہیں
 فقیر غالبِ مسکین کا ہے کہنِ تکیہ

معنی صاف ہیں۔

جس دان سے کز ہم خستہ گرفتار بلا ہیں کپڑوں میں جو نہیں بننے کے ٹٹیکوں سے روا ہیں
معنی صاف ہیں۔

میں ہوں شتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی
غیر کی مرگ کا غم کس لئے اے غیرتِ ماہ ہیں ہوس بیٹہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی
نم ہو بت یہ پتھر ہیں پندارِ خدائی کیوں ہے تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی
حسن میں خور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی آپ کا شیوہ انداز وادا اور سہی
تیرے کوچہ کا ہے مائل دل مضطرب میرا کعبہ اک اور سہی، قبیلہ نما اور سہی
کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے دلعظ غلہ بھی باغ ہے شیر آب دہوا اور سہی
کیوں نہ فردیں میں مدخ کو ملائیں یارب سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں زہر کچھ اور سہی آبِ بقا اور سہی
مجھ سے غالب یہ علانی نے غزل کھلائی اک بے داد گرو رنج فزا اور سہی

بس کہ فعال مایرید ہے آج ہر سحشور انگشتاں کا
 معنی فعال بہت کام کرنے والا اللہ - مایرید جو چاہتا ہے کرتا ہے سحشور ہتھیار بند تہ پہنچے ہوئے سپاہی

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا
 چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
 شہر دھلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنہِ نگوں ہے ہر سماں کا
 کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
 میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا
 گاہ جل کر کیا کئے شکوہ سوزشِ داغوائے پہناں کا
 گاہ رو کر کہا کئے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
 اس طرح کے وصال سے یارب کیا مٹے داغِ دل سے جبراں کا

معنی صاف ہیں

برہن شرم ہے باوصفِ شوخی بہم اس کا نگیں میں جوں شرارِ سنگِ ناپید ہے نام اس کا
 فرماتے ہیں معشوق نے اوصافِ شوخی کو شرم کے بہن کر دیے ہیں، اس لئے ظاہر نہیں ہوتے جس طرح
 قیمتی نگین میں شرارِ سنگ چھپا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق نے شوخی ناز و ادا کو بوجہ شرم چھپایا
 ہوا ہے لیکن شوخی کے اوصاف باہتمام سارے موجود ہیں ۔

مسی آلودہ ہے مہرِ نوازِ مشناظر ہے کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اس کا
 فرماتے ہیں ۔ نوازِ شش نامہ پر مہرِ سی لگانے کا سبب یہ ہے کہ ہمیں داغِ آرزوئے بوسہ کا پیغام
 ملتا ہے ۔ تاکہ ہم ناامید ہو کر کہیں ترکِ محبت نہ کر بیٹھیں ۔

بامید نگاہِ خاص ہوں محلِ کثرتِ حسرت مبادا ہو عنال گیر تغافلِ لطفِ عام اس کا
 فرماتے ہیں ۔ اس کے محل سے لطفِ خاص کی امید لگائے ہوں کہ اس کا عنال گیر تغافل یکدم
 باگ چھوڑ دے اور لطفِ عام ہونے لگے ۔

۱۰

شب کے ذوقِ گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا شوخی و حسرت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
 فرماتے ہیں حراتِ تیرے ساتھ جو گفتگو مونی کے لئے میرا دل بے حد تڑپتا تھا ۔ اور اس کا نتیجہ یہ
 ہوا کہ شوخی و حسرت بڑھی اور خواب کا فسون افسانہ بن کے رہ گیا ۔

داں ہجوِ لغوِ بامی سازِ عشرت تھا اسد ناخنِ غمِ بیاں سترِ بارِ نفسِ مضارب تھا

فرماتے ہیں۔ وہاں ہمارا معشوق ساڑِ عشرت پہ نغمت گا اور سن رہا تھا۔ ادھر ہم ناخن غم مندراب بنا کر زندگی کا ستارہ بجا رہے تھے۔

۱۱

وہ کو آج اُسکے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا
فرماتے ہیں۔ ہمارا دل سوزاں جو کل تک ماتم خانہ میں شمع کا کام سے رہا تھا۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ یکسر جل کر راکھ ہو گیا اور اب دھواں دل کے ماتم میں سیہ پوش ہے۔

شکوہ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا غالب ایسے گنج کوشایاں ہی ویرانہ تھا
فرماتے ہیں۔ دوست احباب کے شکوے شکایات ہم نے دل کے غبار میں دبا دیئے چونکہ غالب ایسے غزانے کے یہی شایانِ شان تھا کہ انہیں ہم اپنے ویرانِ حسرت زندہ دل میں دفن کریں۔

۱۲

پھر وہ سوئے چین آتا ہے خدا خیر کرے رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہوا و اوس کا
فرماتے ہیں معشوق نے پھر سیرِ چین کا ارادہ کیا ہے۔ خدا خیر کرے۔ اس وجہ سے گلستان کے خیر خواہوں میں کھلبلی مچ رہی ہے۔ کہ اب آبروئے چین کا کیا حال ہو۔

۱۳

معزلی پیش ہوئی افرازِ انتظار چشم کشودہ حلقہٴ بیرونِ در آج
فرماتے ہیں۔ انتظار بہت زیادہ ہونے کے سبب ہمیش فی الحال معطل ہے اور اسی انتظار کے سبب میری آنکھیں اس قدر کمزور ہیں جیسے نہ بد روزہ پر دستک دینے والا کھڑا ہوتا ہے۔

۱۴

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں
معنی صاف ہیں

۱۵

مے کشتی کو نہ سمجھ بے حاصل بادہ غالب عرقِ بید نہیں
معنی صاف ہیں۔

۱۶

ہے نزالتِ لبِ کفصلِ گل میں معمارِ چمن قلابِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن
نرماتے ہیں فصلِ گل میں معمارِ چمن (قدارت) کی یہ ایک نزاکت اور متاعی تو دیکھو کہ جس نے چمن کی
ہر دیوار (ادش) کی ہر اینٹ گل کے سانپے میں ڈھال دی ہے۔

۱۷

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشان خارا الم سے لپٹت بہ دندانِ گزیدہ ہوں
فرماتے ہیں۔ میرے چہرے پر رنجِ دالم کے ایسے نشان نظر آ رہے ہیں جیسے کسی نے خارا الم سے کمر
پر کھجایا ہوا اور دانتوں کے مشابہ نشان پڑ گئے ہوں۔

ہوں گرمیِ نشتِ ابطِ تصور سے نغمہ سنج میں عندلیبِ گلشنِ تا آفریدہ ہوں
معنی صاف ہیں۔

۱۸

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم دے ہم کو
فرماتے ہیں۔ ابر چاہتا ہے کہ بزم طرب لگے مگر برق ہنستی ہے کہ فرصت کتنی قلیل ہے مطلب یہ ہے کہ
انسان محنت و مشقت کے سامان راحت اکٹھا کرتا ہے اور ادا ہر زندگی کی کشتی کنارے اٹگتی ہے۔

۱۹

ہنمک - اند سائے گل پائے تخت تھا جاہ و جلال عہد وصال بُتیاں نہ پوچھ
معنی صاف ہیں۔

ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار عرض فضا مئے سینہ درد امتحاں نہ پوچھ
فرماتے ہیں۔ ہر تازہ داغ انتظار کا دل پر ہے لہذا عرض و طول سینہ نہ پوچھ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں
غم ہی غم ہے لہذا صبر کیے رکھو۔

کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ ہاں دردِ جدائی اسے اللہ خاں نہ پوچھ
فرماتے ہیں۔ وہ محرم راز کل اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ دردِ جدائی کا حال اسے اللہ خاں سے نہ
پوچھ مطلب یہ ہے کہ محرم راز پہلے ہی حال سے واقف ہے۔

۲۰

دیدہ خونبار ہے مدت سے ولے آج ندیم دل کے کڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
معنی صاف ہیں۔

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے
معنی صاف ہیں۔

۲۱

ہجوم ریش خوں کے سبب بگڑ نہیں سکتا حنائے پنجہ صیاد مرغِ ارشدہ برپا ہے
فرطے ہیں ہجوم ریش خوں کے سبب چہرے کا رنگ نہ بدلے گا۔ چونکہ پنجہ صیاد ادھ مرغِ دل میں ایک
گزار شدہ قائم ہے۔ مستحق اپنے ہاتھوں میں عاشق کے خون کی ہندی لگاتا رہے گا۔

۲۲

غالب زبیں کہ سوکھ گئے چشم میں سرشک آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی
معنی صاف ہیں

۲۳

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر کہ چشمِ تریں ہر اک پارہ دل پائے درگل ہے
معنی۔ پائے درگل۔ پیرِ دلدلیں ہونا۔

۲۴

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تعافل ہو تکلفِ برطرفِ تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
معنی صاف ہیں۔

۲۵

حیراں ہوں شوخیِ رگِ بیا قوت، دیکھ کر
 یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے
 معنی صاف ہیں

۲۶

چند تصویرِ ریتاں، چند تمینوں کے خطوط
 بعد مرنے کے مسکمرے یہ سماں نکلا
 معنی صاف ہیں۔



یہ مسائل صرف یہ تیرا بیان غالب
تجے ہم دی گئے جو نہ ہوا غبارِ مینا



علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7232338، 7352332
www.ineerfapublishers.com, E-mail: ineerfapublishers@hotmail.com